ندائے منبر و محراب

جلد اوّل

تالیف

مولانا محمد اسلم شیخوپوری

اُستاذ جامعہ بنوریہ و ناظم شعبہ تصنیف و تالیف

جس میں قدیم و جدید موضوعات پر دس مدلّل اور مفصل خطبات و مقالات شامل ہیں۔ خطباء اور لیکچررز کے لئے بے مثال تحفہ۔ عوام و خواص کے لئے یکساں مفید۔ آیات و احادیث، مستند حکایات و واقعات، عالمانہ نکات و اشارات کا بیش بہا خزانہ

ناشر

صدف پبلشرز

موبائل: 0333-2141837

0333-3275686

نام کتاب ــــــــــ ندائے منبر ومحراب

تالیف ــــــــــ مولانا محمد اسلم شیخوپوری

ناشر ــــــــــ الصدف پبلشرز

کتابت ــــــــــ عیسٰی سربازی

پرنٹرز ــــــــــ افریشیا پرنٹنگ پریس۔ ناظم آباد، کراچی

ضخامت ــــــــــ

تاریخِ اشاعت ــــــــــ جنوری ۲۰۰[illegible]ء

قیمت ــــــــــ -/200 روپے

الصدف پبلشرز

موبائل: 0333-2141837

0333-3275686

اجمالی نظر

آئینہ

انتساب

ایک ماں ہے، عام سی ماں، سیدھی سادی دیہاتی ماں۔ پردہ دار وفادار ماں، باکردار، حیادار ماں، خوددار جاں نثار ماں، پیکرِ ایثار عبادت گزار ماں۔

اللہ تعالیٰ نے اُس ماں کو دو بچے دیئے اور واپس لے لئے ـــــ وہ تو قادر ہے، مختارِ کُل ہے ـــــ پھر اللہ نے اسے تیسرا بچہ دیا ماں خوشی کے مارے پھولے نہ سماتی تھی ـــــ ماں تو پھر ماں ہوتی ہے ناں ـــــ اُس کی راتیں پُرنور ہوگئی تھیں، اس کے دن مسرور ہوگئے تھے، مگر جب بچہ ڈھائی سال کا ہوا تو فالج کے حملے سے اس کی ٹانگیں مفلوج ہوگئیں وہ چلنے پھرنے کے قابل نہ رہا۔ ماں پر کوہِ غم ٹوٹ پڑا مگر اس نے صبر کیا اور مامتا کا دامن ربِّ کائنات کے سامنے پھیلا کر عرض کیا میرے مولا! میں تیری رضا پہ راضی ہوں، میرے بچے کو کسی کا محتاج نہ بنانا، اُسے عزت دینا اور ذلت سے بچانا۔ بچے نے رات کی تنہائیوں میں اور صبح کے تڑکے میں ماں کو بارہا مالکِ حقیقی کے سامنے ہاتھ اُٹھا کر اس کے لئے التجائیں کرتے دیکھا پھر ماں کی دعائیں رنگ لائیں اور جہالت اور بے دینی کے لق و دق صحرا میں پیدا ہونیوالا یہ بچہ تمام تر مجبوریوں اور رکاوٹوں کے باوصف علم کے اتھاہ دریا سے چند جرعہائے شیریں پینے میں کامیاب ہوگیا۔

آج اس بچے کے ہاتھ میں قلم ہے اور وہ بصد عجز و نیاز درِ مامتا پر عرض گزار ہے

اگر سیاہ دلم داغِ لالہ زارِ توام
وگر کشادہ جبینم گُلِ بہارِ توام

محمد اسلم شیخوپوری
۱۵ ذوالحجہ ۱۴۰۹ھ

راقم الحروف کئی سالوں سے جامع مسجد الخدیجہ میں خطابت کے فرائض سرانجام دے رہا ہے ابتداء ہی سے میری یہ عادت رہی ہے کہ خطابِ جمعہ کے لئے بھرپور مطالعہ کیا کرتا اور حاصلِ مطالعہ انتہائی اختصار کے ساتھ ڈائری میں لکھ لیا کرتا تھا۔

اخبارات و رسائل یا درسی اور غیر درسی کتب کے مطالعہ کے دوران کسی بھی موضوع سے متعلق کوئی نکتہ یا کوئی واقعہ نظر آجاتا تو اسے حاشیے میں لکھ دیتا، یوں مختلف موضوعات پر اچھا خاصا ذخیرہ میرے پاس جمع ہو گیا اس سلسلہ میں بعض ایسی کتابوں سے بھی میں نے اقتباسات، واقعات اور نکات اخذ کیے جن کو محتاط ترین زبان میں بھی " عامیانہ " کتابیں کہا جائیگا، اسی لئے آپ کو اس کتاب کے مطالعہ کے دوران چند ایک مقامات پر " عوامی قسم " کے واقعات اور باتیں بھی نظر آئیں گی اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک قسم کی مجبوری بھی ہے کیونکہ اگر عوامی مجلسوں میں بھی اعلیٰ علمی سطح پر گفتگو کی جائے گی تو عوام کے پلّے کچھ نہ پڑے گا۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی ہے کہ لوگوں سے ان کی عقل و فہم کے مطابق گفتگو کرو

جب بعض احباب خصوصاً مدیر الجامعہ نے اس ڈائری کا مطالعہ کیا تو وہ مُصر ہوئے کہ ان تقاریر کو کتابی شکل میں تفصیلاً مرتب کیا جائے کچھ عرصہ تک میں ٹال مٹول سے کام لیتا رہا لیکن بالآخر مجھے تسلیم خم کرنا پڑا اور میں نے بنامِ خدا اس اہم کام کا آغاز کر دیا۔

ایک طویل سلسلے کی پہلی جلد قارئین کی نذر کر رہا ہوں مشیتِ ایزدی شاملِ حال رہی تو عقائد و عبادات، فضائل و مناقب، سیاست و معاشرت، دعوت و تبلیغ اور جدید و قدیم فتنوں جیسے موضوعات پر مزید کئی جلدیں پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا

⁂ ⁂ ⁂

خطبات کے اس مجموعہ کی ترتیب میں اصل انحصار تو اسی ڈائری پر کیا گیا ہے۔ لیکن بوقتِ تالیف ہر اُس کتاب کا مطالعہ کیا گیا جو میری دسترس میں تھی اور جس میں زیرِ بحث موضوع کے متعلق مواد موجود تھا اکابر علماء دیوبند کے علمی جواہر پاروں خطبات و مواعظ اور حالات و سوانح سے جی بھر کر استفادہ کیا گیا ہے خصوصاً حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کے مواعظ اور حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ کے خطبات قدم قدم پر مشعلِ راہ رہے ہیں۔ میں اپنے آپ کو اپنے عظیم ترین اکابر کی علمی میراث کا ادنیٰ وارث تصور کرتا ہوں اور کہنا چاہئے کہ میں نے اپنے وارث ہونے کا خوب فائدہ اٹھایا ہے۔ یہ اعتراف کرنے میں شاید کسی دوسرے کو ندامت محسوس ہو مگر میں فخر یہ کہتا ہوں کہ بحمد اللہ اس مجموعے کی کوئی تقریر اکابر کے علمی جواہر پاروں تفسیری نکات اور واقعات و حکایات سے خالی نہیں، میں کیا اور میری تقریر کیا، کیا پدّی اور کیا پدّی کا شوربہ۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ اگر یہ موروثی تبرکات نہ ہوتے تو شاید میری کوئی تقریر بھی مکمل نہ ہو پاتی۔ میں اس موقع پر اپنے تمام ہم مسلک اور ہم مشرب ساتھیوں سے بھی یہ گذارش کروں گا کہ اگر وہ کامیاب مدرس یا خطیب بلکہ اچھے مسلمان بھی بننا چاہتے ہیں تو غیر مستند کتابوں میں قصے کہانیوں کو تلاش کرنے کے بجائے اپنے اسلاف کے خطبات و مواعظ اور علمی شہ پاروں کا مطالعہ کریں انشاء اللہ انہیں مایوسی نہیں ہوگی۔

⁂ ⁂ ⁂

گمراہ فرقوں اور اسلام دشمن دانشوروں نے بدلتے حالات کے پیشِ نظر خطابت کے نئے اسلوب تراش لیتے ہیں۔ وہ عقلی اور نقلی دلائل کی روشنی میں اس انداز سے بات کرتے ہیں کہ عام آدمی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا اُن کا انداز، جوش سے زیادہ ہوش کا ہوتا ہے۔ الفاظ بھی جچے تُلے ہوتے ہیں، زبان بھی جدید ہوتی ہے، قرآنی آیات وہ کثرت سے پڑھتے ہیں لیکن ہمارے عام خطباء کا قالب و لہجہ اب بھی وہی ہے جو کچھ عرصہ پیشتر متحدہ ہندوستان میں رواج پا گیا تھا۔ چند رٹی رٹائی حکایات ہیں، کچھ منتخب لطائف ہیں، مخالفوں پر ننگی تنقید اور واضح سب و شتم ہے۔ موضوع میں نہ ربط ہے نہ تسلسل، تقریر میں نہ یکسانیت ہے نہ ہم آہنگی۔ اور تعجب اس پر ہے کہ ایسے خطباء کو مسلسل سُن سُن کر عوام کا مزاج ایسا بگڑ گیا ہے کہ وہ اس انداز کے عادی ہو گئے ہیں۔ اور عوامی سطح پر ایسے خطباء کو پسند کیا جاتا ہے جن کی آواز پُرکشش ہو، جو قہقہے لگوائیں، جو کیچڑ اُچھالنے کے ماہر ہوں۔ جو کسی مخالف پر کفر سے کم فتویٰ نہ لگاتے ہوں، جو نقالی اور ایکٹنگ پر ید طولیٰ رکھتے ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ پڑھے لکھے اور باشعور افراد ان خطباء سے بدکنے لگے ہیں اور اُن نام نہاد دانشوروں کی طرف ان کا میلان بڑھتا جا رہا ہے۔ جو ہدایت کے نام پر ان کو ضلالت کا درس دے رہے ہیں تو اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ ہم اپنے سامعین کو ہنسانے، تڑپانے، بھڑکانے اور بدکانے کے بجائے ان کا ذہن بدلنے کی کوشش کریں۔ بات ایسی مدلل اور معقول ہو کہ ہر عام اور خاص متاثر ہو۔ لہجہ ایسا پُرسوز ہو کہ قلب و دماغ کی کایا پلٹ دے، انداز ایسا معتدل ہو کہ خواہ مخواہ کسی کی دل شکنی نہ ہو۔ جھوٹی کہانیاں سُنانے کے بجائے سامعین کو آیات اور احادیث سُنائی جائیں، خطاب کو عام فہم بنانے کے لیے اسرائیلی روایات کے بجائے اسلامی تاریخ کی مستند حکایات پیش کی جائیں۔

کسی فرقے کے پیشوا کا نام لے کر اس پر برسنے کے بجائے اصولی اور عمومی بات کی جائے جس کے ضمن میں اس پیشوا کی گمراہی بھی کھل کر سامنے آجائے۔ زیرِ نظر مجموعہ میں کسی حدتک اسی انداز کو اپنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس مجموعہ کی ہر تقریر کی ابتداء میں کثرت کے ساتھ آیات اور احادیث نقل کی گئی ہیں لیکن اُن کے نقل کرنے کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ یہ ساری آیات اور احادیث خطبۂ تقریر میں تلاوت کی جائیں بلکہ ان کے نقل کرنے کا مقصد موضوع سے متعلق مواد کو جمع کرنا اور تقاریر کے اصل مآخذ اور مراجع کی طرف ذہن کو متوجہ کرنا ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ابتدائی خطبہ میں اگر یہ ساری آیات اور احادیث تلاوت کی جائیں گی تو سامعین اُکتا جائیں گے۔ یہ وضاحت پیش کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بعض احباب نے جب "ندائے منبرومحراب" کے مسودہ کا مطالعہ کیا تو انہوں نے اعتراض اور تعجب کے ملے جُلے انداز میں مجھ سے سوال کیا کہ جناب! اتنا لمبا خطبہ کون پڑھے گا؟۔ اسی طرح بعض خطبات میں آپ محسوس کریں گے کہ درمیان میں کوئی ایسی بات آگئی ہے جس کا اپنے ماقبل سے گہرا ربط اور مناسبت نہیں ہے لیکن چونکہ مجموعی طور پر وہ بات موضوع سے مناسبت رکھتی تھی اس لئے میں نے اسے نقل کر دیا۔

اور درحقیقت میرے پیشِ نظر جو کام تھا وہ یہی تھا کہ مختلف موضوعات پر کتاب وسنّت تاریخ وسوانح اور تفاسیر وشروحات کی مدد سے مواد جمع کر دیا جائے بلکہ ابتداء میں تو پروگرام یہ تھا کہ ان موضوعات کو خطبہ اور تقریر کی شکل بھی نہ دی جائے، بلکہ محض موضوع سے مناسبت رکھنے والی آیات واحادیث، حکایات وواقعات اور اشارات ونکات کو کیف ما اتفق جمع کر دیا جائے باقی یہ کہ ان کو کس ترتیب

سے پیش کرنا ہے بات کیسے کرنی ہے ابتدا کیسی ہو گی، اختتام کیسے ہو گا۔ یہ سب باتیں ہر لیکچرار اور ہر خطیب کی اپنی صوابدید پر چھوڑ دی جائیں لیکن بعد میں اس پروگرام میں ترمیم کر کے ان موضوعات کو تقریر کے سانچے میں ڈھال تو دیا گیا ہے لیکن میں اب بھی چاہتا ہی ہوں کہ اس کتاب سے صرف مواد اور خاص نکات لے لئے جائیں اور ان کو اپنے ہی انداز میں پیش کیا جائے۔

یوں بھی یہ تجربے کی بات ہے کہ جو مقرر لکیر کا فقیر بن جاتا ہے اور لفظ بہ لفظ رٹا لگا کر تقریر کرتا ہے اس کے اندر تقریر کا ملکہ اور صلاحیت کبھی پیدا نہیں ہوتی۔

نو آموز خطباء کے لئے میرا حقیر سا مشورہ ہے کہ وہ کسی بھی تقریر کا خلاصہ اور خاص خاص نکات کسی چھوٹے سے کاغذ پر لکھ لیں پھر تنہائی میں بیٹھ کر ان کو ذہن میں اتارنے اور اپنے انداز میں پیش کرنے کی کوشش کریں پھر میز یا کرسی پر بیٹھنے سے پہلے بھی ایک نظر اس کاغذ کو دیکھ لیں مجھے امید ہے کہ اس طرح کوشش کرنے سے نہ صرف یہ کہ پیش نظر موضوع پہ ان کے لیے بات کرنا آسان ہو جائے گا بلکہ اُن کے اندر خطیبانہ صلاحیت بھی پیدا ہو جائے گی۔

* * *

اس کتاب میں شامل بعض خطبات کافی طویل ہیں۔ اور ایک عام قاری کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اتنی لمبی تقریر کون کرے گا اور کون سُنے گا تو اس سلسلے میں پہلی گذارش تو یہ ہے کہ مقصد چونکہ ہر موضوع سے متعلق مواد کو جمع کرنا تھا، تو جہاں زیادہ مواد دستیاب ہو گیا وہاں قارئین کے فائدے کے لئے طوالت کو بھی برداشت کر لیا گیا دوسری بات یہ ہے کہ میرا اپنا طریقہ یہ رہا ہے کہ جب کسی خاص موضوع کو شروع کرتا ہوں تو میری کوشش یہ ہوتی ہے کہ اُس کے ہر پہلو پہ بات ہو جائے اگرچہ مجھے وہ موضوع کئی قسطوں میں مکمل کرنا

پڑھیے۔ مثلاً اس کتاب کی ایک تقریر جو "اسلام میں عورت کے مقام" پر ہے مجھے یاد ہے کہ میں نے یہ تقریر اپنی مسجد میں پانچ خطباتِ جمعہ میں مکمل کی تھی لیکن پھر بھی میں محسوس کر رہا تھا کہ کسی قدر تشنگی باقی رہ گئی ہے اور تجربہ یہ ہے کہ ادھوری اور نامکمل تقریروں سے عوام کو صرف وقتی لذت حاصل ہوتی ہے جبکہ ذہن سازی اور دینِ اسلام کی افہام وتفہیم کے لئے اسی قسم کی مفصل تقریریں زیادہ مؤثر اور مفید ثابت ہوتی ہیں

خطبات اور تقاریر کے جو مجموعے شائع ہو چکے ہیں وہ عام طور پر چار قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں جن کا انداز خالص علمی اور مفکرانہ ہے یہ صرف مطالعہ کے لئے مفید ثابت ہو سکتے ہیں۔ تقریری مواد ان سے بہت کم حاصل ہوتا ہے۔

دوسرے وہ ہیں جن کا انداز تو عوامی اور مجلسی ہے لیکن وہ ضعیف بلکہ موضوع روایات، رطب و یابس حکایات اور من گھڑت افسانوں پر مشتمل ہیں، یہ مواعظ اور خطبات فائدے کے بجائے نقصان کا سامان بن رہے ہیں

تیسرے وہ ہیں جن میں بزرگوں اور اربابِ مسند وارشاد کے مواعظ جمع کئے گئے ہیں۔ ان مواعظ میں بے تحاشا مواد ہے مگر خالص وعظ بہر حال ایک بزرگ اور صاحبِ حال ہی کی زبان سے اچھا لگتا ہے

چوتھے وہ ہیں جن میں ہمارے دور کے مشہور عوامی خطیبوں اور واعظوں کی تقاریر جمع کی گئی ہیں، یہ تقریریں یوں تو اپنے اندر اچھا خاصا ذخیرہ رکھتی ہیں لیکن چونکہ عوام ان تقاریر کو جلسوں اور کانفرنسوں میں بار بار سن چکے ہوتے ہیں۔ اسی لئے ایک عام خطیب یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ وہ اپنی تقاریر کو اپنے خطبات میں دہرائے اور نقال کہلوائے پھر یہ بھی ہے کہ یہ تقاریر ایک خاص انداز کی ہوتی ہیں جو اُس خطیب کے منہ سے تو اچھی لگتی ہیں لیکن دوسرے خطباء کی زبان پر وہ

چھپتی نہیں ہیں ۔

اس مجموعہ کو آپ ان چار قسموں سے منفرد پائیں گے پھر چونکہ میں کوئی زیادہ مشہور خطیب نہیں ہوں اس لئے کسی ایسے مقرر پر نقالی کا الزام بھی نہیں لگ سکتا جو ان سے استفادہ کرے ۔

بعض اسباب کی بناء پر اس کتاب کو اتنی عجلت میں مرتب کیا گیا ہے کہ اس میں اصلی مآخذ اور مراجع کا حوالہ نہیں دیا جا سکا، اور زیادہ تر اعتماد ثانوی مآخذ اور پہلے سے تحریر شدہ نوٹس پر کیا گیا ہے، میری کوشش ہوگی کہ دوسری جلدوں میں اس غلطی کا اعادہ نہ ہو اور تمام خطبات کو حوالجات سے موثق کر کے پیش کر سکوں ۔ اس غلطی اور کوتاہی کے علاوہ یقیناً اس کتاب میں دوسری بہت ساری غلطیاں بھی ہوں گی ، مجھے ہمہ دانی کا غرہ نہیں بلکہ ہیچمدانی کا اقرار ہے نو آموز ہوں ناتجربہ کار ہوں ، اصلاح کا خواستگار ہوں ۔

اہل علم سے دست بستہ التجا ہے کہ وہ اغلاط پر ضرور مطلع فرمائیں اور دعاء بھی فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے یہ کام بطریق احسن کرنے کی توفیق ارزانی فرمائے ۔

اس کتاب کی تالیف و ترتیب کے سلسلہ میں ممنون ہوں :

اُن تمام اکابر اور علماء کا جن کی تصنیفات سے میں نے بے حد استفادہ کیا

اُن تمام خطباء کا جن کی تقاریر کو پڑھ کر اور سن کر میرے لئے کام کرنا آسان ہوگیا ۔

اُن اساتذہ کا جن کی مجلسوں اور شفقتوں نے میری پراگندہ صلاحیتوں کو جلا بخشی ۔

اُن احباب کا جن کے مخلصانہ مشورے ہر قدم پر مشعلِ راہ بنے رہے

اُن والدین کا جن کی دعائیں میری پُشتیبانی کرتی رہیں ،

برادرم مولانا محمد نعیم صاحب کا جو بار بار ان منتشر خطبات کی شیرازہ بندی پر اکساتے رہے

اور خصوصاً مولانا محمد یار صاحب کا جنہوں نے انتہائی محنت کے ساتھ مسوّدہ کو مبیّضہ میں منتقل کیا مختلف کتابوں کے اقتباسات اور آیات و احادیث کے تراجم نقل کیے اور وہ مستقل میرے دست و بازو بنے رہے ۔

محتاجِ دعا
محمد اسلم شیخوپوری
۱۶ ذی الحجہ ۱۴۰۹ھ

وجود باری تعالیٰ

بجہاں در ہمیشہ پیدائی
لیک در چشم من نمی آئی
اے کہ در ہیچ جا نداری جا
بوالعجب ماندہ ام کہ ہر جائی

کھلتے ہوئے عقدے نظر آتے ہیں ہزاروں
معلوم ہوا عقدہ کشا بھی ہے کوئی چیز
تدبیر سدا، راست جو آتی نہیں اکبر
انسان کی طاقت سے سوا بھی ہے کوئی چیز

"کائنات کا حسن وہ سب سے پہلی چیز ہے جو صاحبِ ذوق انسان کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ کائنات تو ہوتی مگر اُس پر حُسن و جمال کی نقاب نہ ہوتی، زمین ہوتی مگر اس میں ندی نالوں کا شور نہ ہوتا، ستارے ہوتے مگر روشنی نہ ہوتی، پھول ہوتے مگر رنگ و بو نہ ہوتا، پربت ہوتا مگر ستاروں کا جھرمٹ نہ ہوتا، زمین ہوتی مگر سبزے کی چادر نہ ہوتی، چاند ہوتا مگر چاندنی نہ ہوتی، سورج ہوتا مگر کرنیں نہ ہوتیں، بلبل ہوتی مگر اس کی نواسنجی نہ ہوتی گویا کان ہوتے مگر ان کی حلاوت کا کوئی سامان نہ ہوتا، نگاہ ہوتی مگر نگاہ نوازی نہ ہوتی۔ انسانی علم و نظر آج تک اس سوال کا جواب نہیں دے سکا کہ یہاں تخلیق کے ساتھ حُسن کیوں ضروری ہے مگر قرآن جواب دیتا ہے کہ یہ سب کچھ اس لئے ہے تاکہ انسان کائنات کا مشاہدہ کرے اور بلا اختیار پکار اُٹھے فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ"

وجود باری تعالیٰ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْم
امّابعد، فَاَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم
بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم :
قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ[1]

(سورة ابراهیم پ۱۳)

ترجمہ: ان کے پیغمبروں نے کہا کیا اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک ہے جو کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللهُ مِنْ شَیْءٍ (سورہ اعراف، پ۹۔ ع ۱۳)

ترجمہ: اور کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا آسمانوں اور زمین کے عالم میں اور دوسری چیزوں میں جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ط فِطْرَتَ اللهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا

(سورہ روم پ۲۱ ع ۵)

ترجمہ: تو تم یکسو ہو کر اپنا رُخ اس دین کی طرف رکھو۔ اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کرو جس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ

---

[1] یہ آیات محض کثرت معلومات اور مواد کو جمع کرنے کے لئے لکھی ہیں، خطبہ میں ان کے پڑھنے کی قطعاً ضرورت نہیں۔

فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○

(سورہ بقرہ پ۲ ع ۳)

ترجمہ : بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے میں اور جہازوں میں جو کہ سمندر میں چلنے میں آدمیوں کی نفع کی چیزیں لے کر اور پانی میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسایا پھر اس سے زمین کو تر و تازہ کیا اس کے خشک ہونے کے پیچھے اور ہر قسم کے حیوانات اس میں پھیلا دیئے اور ہواؤں کے بدلنے میں اور ابر میں جو زمین اور آسمان کے درمیان مقید رہتا ہے دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَیْفَ خُلِقَتْ ○ وَاِلَى السَّمَآءِ كَیْفَ رُفِعَتْ ○ وَاِلَى الْجِبَالِ كَیْفَ نُصِبَتْ ○ وَاِلَى الْاَرْضِ كَیْفَ سُطِحَتْ ○ فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ○ (سورۃ الغاشیہ)

ترجمہ : تو کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کس طرح پیدا کیا گیا ہے۔ اور آسمان کو کس طرح بلند کیا گیا ہے۔ اور پہاڑوں کو کہ کس طرح کھڑے کئے گئے ہیں۔ اور زمین کو کہ کس طرح بچھائی گئی ہے۔ تو آپ نصیحت کر دیا کیجئے آپ تو بس صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ (سورۃ النمل پ۲۰ ع۲)

ترجمہ : یہ خدا کا کام ہوگا جس نے ہر چیز کو مضبوط بنا رکھا ہے۔

مَا تَرٰى فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ط فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ○ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ ○ (سورۃ الملک پ۲۹ ع۱)

ترجمہ : تو خدا کی اس صنعت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا۔ سو تو پھر نگاہ ڈال کر دیکھ لے کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے ؟۔ پھر بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ، نگاہ ذلیل اور درماندہ ہو کر تیری طرف لوٹ آوے گی

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ٥ (سورہ روم پ ۲۱ ع ۵)

ترجمہ : اور اس کی نشانیوں میں سے آسمان اور زمین کا بنانا ہے اور تمہارے لب ولہجہ اور رنگتوں کا الگ الگ ہونا ہے اس میں دانشمندوں کے لئے نشانیاں ہیں ۔

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ٥ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ (سورۃ البلد)

ترجمہ : کیا ہم نے اس کو دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دیئے اور ہم نے اس کو دونوں رستے بتلا دیئے ۔

وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ٥ (سورۃ الذٰریت پ ۲۶ ع ۱۸)

ترجمہ : اور خود تمہاری ذات میں بھی تو کیا تم کو دکھلائی نہیں دیتا ۔

گرامی قدر حاضرین !

آج کی نشست میں وجودِ خداوندی کے بارے میں اپنی علمی بساط کے مطابق چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مجھے اور آپ کو حقیقت کا عرفان نصیب فرمائے ۔

اس بوڑھی دنیا کے ہر دور میں مشرکین تو بہت رہے ہیں اور اب بھی بیشمار ہیں لیکن مطلقاً خدا کے وجود ہی کا انکار کرنے والے لوگ بہت کم رہے ہیں ۔

دراصل خدا کے وجود کا اعتراف انسان کی فطرت میں داخل ہے یہی وجہ

ہے کہ جس زمانہ سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے دنیا کے ہر حصہ میں خدا کا اعتقاد کسی نہ کسی صورت میں موجود رہا ہے آثوری ہوں یا مصری، کلدانی ہوں یا اہل حبشہ ہندی ہوں یا یونانی، سب کے سب خدا کے قائل تھے ۔

اگر ہم دنیا پر نظر ڈالیں تو بہت سے صحرا، بہت سی بستیاں، بہت سے غار بہت سی وادیاں ایسی مل جائیں گی ۔ جہاں نہ تمدن و سیاست ہے، نہ صنعت و حرفت، نہ علم کی روشنی ہے، نہ فنون و کمالات کی ہمہ گیری، نہ قلعے ہیں، نہ خوبصورت مکانات لیکن ایسا مقام کوئی نہیں مل سکتا جہاں خدا کا اعتراف نہ ہو۔ دنیا کے بڑے بڑے فلسفی اور محقق جن کی فلسفیانہ موشگافیوں اور تحقیقات پر مغرب و مشرق کو بڑا ناز ہے ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو ایک بالاتر ہستی کے وجود کا منکر ہو، ارسطو اور افلاطون، سسرو اور منوسوں، زرتشت اور دوسرے تمام بڑے بڑے فلاسفہ خدا کی پرستش کرتے تھے ۔

صحیح اور غلط تصوّر

یہ ایک الگ بحث ہے کہ خدا کا صحیح تصوّر اسلام ہی نے دیا ہے اور اس صحیح تصوّر تک انسان نبوّت کے واسطے ہی سے پہنچا ہے ورنہ محض اپنی عقل و فکر پر بھروسہ کرنے والوں نے اس عالمی تسلیم شدہ مسئلہ کی حقیقت تک رسائی کے سلسلہ میں بھی بہت ٹھوکریں کھائی ہیں اور بڑی بڑی گمراہیوں اور کج فکریوں کا دروازہ کھولا ہے ۔ پارسیوں کی عقل میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ نیکی اور بدی، بھلائی اور برائی، خیر اور شر کا خدا ایک کیسے ہو سکتا ہے ۔ چنانچہ انہوں نے دو خداؤں یعنی اہرمن اور یزدان کا تصوّر پیش کیا ۔ عیسائیوں نے ایک میں تین اور تین میں ایک کی بھول بھلیاں میں انسان کو غوطہ زن کر دیا

ہندوؤں کے ہاں کم سے کم تین خدا ضروری ٹھہرے برھما، بشن اور مہیش اور ان کے اوتار تو سینکڑوں بلکہ ہزاروں ہیں انتہا یہ کہ انسانی اور حیوانی شرمگاہ کی عبادت بھی عین مذہب قرار پائی۔ یہودی اگرچہ ایک خدا کے قائل تھے لیکن اس کے اوصاف انھوں نے ایسے بنا رکھے تھے کہ وہ عام آدمی سے بڑھ کر نہ تھا۔

مشرکین عرب کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ سارے کام اکیلا خدا کیسے کرسکتا ہے اور یہ کہ بلا کسی واسطہ کے اس تک کیسے پہنچا جاسکتا ہے چنانچہ انہوں نے گھر گھر میں شجر و حجر اور مختلف دھاتوں کی ہزاروں مورتیاں سجا رکھی تھیں۔

اصل میں ہندو ہوں یا بدھ ہوں یا مصری ہوں یا یونانی، صابی ہوں یا رومن کیتھلک سب خدا کے تصور کے لئے جسمانی تمثّل کے محتاج تھے اسی وجہ سے وہ بت پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ ان گمراہیوں اور ضلالتوں سے قطع نظر نفسِ خدا کے تصور کے بارے میں تمام اقوامِ عالم مشترک دکھائی دیتی ہیں ہر کسی نے کسی نہ کسی انداز میں ایک بالاتر ہستی کا اعتراف کیا ہے۔

ایک سوال :

آپ سوال کرسکتے ہیں کہ وجود باری کا مسئلہ جب اتنا آسان بدیہی اور معروف ہے تو پھر اس کے سمجھنے میں انسان کو مشکل کیوں پیش آتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کے ادراک کی ابتدا حواسِ خمسہ سے ہوتی ہے وہ لامسہ، شامہ، ذائقہ، سامعہ اور باصرہ سے اشیاء کا احساس کرتا ہے وہ اسی چیز کو مانتا ہے جسے چھوتا ہے، جسے سونگھتا، جسے چکھتا ہے، جسے کانوں سے سُنتا ہے اور جسے اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے، اس کے لئے کسی ایسی شئی کو تسلیم کرنا مشکل ہے جو حواس کی گرفت میں نہ آئے اور چونکہ خدا مجردِ محض ہے جس کو حاسہ سے

کسی قسم کا تعلق نہیں وہ تو حواس سے ماوراء ایک ہستی ہے جہاں حواس کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے اس کی ابتداء ہوتی ہے اس لئے خدا کا تعقّل کچھ مشکل معلوم ہوتا ہے مگر جو لوگ حواسِ ظاہرہ کیساتھ حواسِ باطنہ کو بھی استعمال کرتے ہیں ان کے لئے خدا کا تصوّر کوئی مشکل نہیں رہتا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جو لوگ ریاضت و عبادت اور مراقبہ کے ذریعہ اپنی مخفی صلاحیتوں اور باطنی حواس کو استعمال میں لے آتے ہیں اُنھیں اِس کائناتِ رنگ و بو میں سوائے خدا کے کچھ نظر ہی نہیں آتا۔

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے جو شئی جس قدر روشن اور واضح ہوتی ہے اس کا تصوّر بعض اوقات اُسی قدر مشکل ہو جاتا ہے۔ اس دنیا میں آفتاب سے بھی زیادہ روشن کوئی چیز ہمیں معلوم ہے؟ لیکن اس کے باوجود سورج پر نظر جانا سب سے مشکل ہے اور اگر نظر جما ہی لیں تو پھر اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دیتا ہے

سائنس اور وجودِ باری تعالیٰ

چونکہ آج کل سائنس کا زمانہ ہے اس لئے بعض عقل و فکر کے بیماروں کا خیال یہ ہے کہ جس چیز کا اثبات سائنس کرے گی اسے تسلیم کریں گے اور سائنس سے جس چیز کا ثبوت نہیں ملے گا اس کا انکار کردیں گے، ہم مذہب اور سائنس کے اختلاف یا موافقت کو تو انشاء اللہ تعالیٰ ایک مستقل تقریر کا موضوع بنائیں گے سر دست میں چند باتیں عرض کئے دیتا ہوں

پہلی بات: تو یہ جان لیں کہ سائنس اور مذہب کے حدود بالکل الگ الگ ہیں پس غلط فہمی اُسی وقت پیدا ہوتی ہے جب ایک کو دوسرے میں داخل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ان کو اگر اپنی اپنی حدود میں رکھا جائے تو ان میں سے کوئی بھی دوسرے کی نفی نہیں کرتا بلکہ یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ کم از کم

مذہب اسلام سائنس کی نفی کے بجائے اس کا اثبات کرتا ہے اُسے اساسی اصول اور مبادیات مہیا کرتا ہے آخر سائنس کی بنیاد کائناتی مشاہدہ پر ہی تو ہے اور اسلام نے کائنات میں غور و فکر کرنے پر تمام مذاہب سے زیادہ زور دیا ہے

دوسری بات: یہ سمجھ لیں کہ کسی سائنس داں کو آج تک یہ دعویٰ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی کہ ہم نے کائنات کے تمام مخفی رازوں کا پتہ لگا لیا ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جوں جوں سائنس ترقی کرتی جاتی ہے اُسے اپنی نارسائی اور لاچاری کا احساس ہوتا جاتا ہے۔ دنیا بھر کے سائنس دان یہ اعتراف کرنے پہ مجبور ہیں کہ اب تک جو کچھ ہمیں اس کائنات کے بارے میں علوم ہو سکا ہے اُس سے کہیں زیادہ ایسے مخفی کائناتی اسرار ہیں جن کے خوبصورت چہروں پہ اخفاء کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اور میں یقین سے کہتا ہوں کہ سائنس جب ترقی کرتے کرتے اوجِ کمال تک پہنچے گی تو سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اعترافِ خدا کی منادسائنس ہی ہوگی۔

تیسری بات: یہ ذہن نشین کر لیں کہ ہم مانتے ہیں کہ سائنس کی ترقی سے انسان چاند تک پہنچ گیا اُس نے سیارات پر کمندیں ڈال دیں، اُس نے آتشیں اسلحہ ایجاد کر لیا، اس نے تیز رفتار سامانِ نقل و حمل بنایا، اس نے عناصر کی تعداد زیادہ دریافت کر لی، اس نے زمین کو متحرک ثابت کر دیا۔ مگر ان میں سے کسی بھی چیز کے اثبات سے کیا وجودِ باری تعالیٰ کی نفی ہوتی ہے، کیا اس سے توحید کے ثبوت میں کوئی خلل آتا ہے، کیا نبوّت پہ کوئی اثر پڑتا ہے۔

جب ان میں سے کوئی بات نہیں تو اسلام کو سائنس سے خوفزدہ یا الرجک ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ سائنس سے تو وہ مردہ مذاہب ڈریں جن کے پاس دلائل کا ہتھیار نہیں۔ اسلام کے تو ہر عقیدے کے لئے دلائل کا انبار موجود ہے۔

فلاسفہ کے دلائل

ایک زمانہ تھا جب یونانی فلسفے کا بڑا زور تھا اور جیسے آج کا انسان سائنس سے بڑا مرعوب ہے اسی طرح اُس زمانے کے لوگ یونانی منطق اور فلسفے سے بڑے مرعوب تھے۔ ہر عقیدے کو فلسفے کی کسوٹی پر پرکھا جا رہا تھا۔ آج اُن فلسفیانہ موشگافیوں پر ہنسی آتی ہے مگر اس وقت یہ ناقابلِ انکار حقائق کی حیثیت رکھتی تھیں۔ اُس دور کے علماء نے زمانے کے مزاج اور ذوق کے مطابق فلسفے ہی سے ایک ایک اسلامی عقیدے کو ثابت کر کے دکھایا تاکہ کسی کے لئے حجّت باقی نہ رہے۔ اس وقت وجودِ خدا کے اثبات کے لئے جو دلائل دیئے جاتے تھے وہ آج شاید عام آدمی کی سمجھ میں بھی نہ آئیں لیکن اُس دور کا ذوق اور رنگ بتلانے کے لئے چند دلائل عرض کرتا ہوں۔

کسی نے کہا عالَم حادث ہے اور جو حادث ہے وہ محتاجِ علّت ہے اسلئے عالَم محتاجِ علّت ہے اور اسی علت کا نام خدا ہے۔

کسی نے کہا اَعراض مثلاً رنگ و بو وغیرہ حادث ہیں اور کوئی جوہر حادث سے خالی نہیں اور حادث تو محتاجِ علّت ہے لہٰذا عالم محتاجِ علّت ہے۔

کسی نے کہا عالَم کی ہر شئی متحرک ہے اور ہر متحرک کسی محرّک کا محتاج ہے۔ اور وہ محرّک خدا تعالیٰ ہے

کسی نے کہا تمام اجسام متماثل ہیں اور جو چیزیں متماثل ہوتی ہیں وہ خصوصیات خاصہ کے لئے محتاجِ علت ہوتی ہیں۔

ان دلائل سے آپنے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ یہ عالم تو کیا خاص خاص افراد کی سمجھ میں بھی نہیں آتے بلکہ جو لوگ منطق و فلسفہ کی اصطلاحات سے ناآشنا ہیں انھیں خبر ہی نہیں ہوتی کہ آخر کہنے والا کہنا کیا چاہتا ہے۔

قرآنی دلائل

فلسفے کی زبان فلسفی سمجھتا ہے دوسرا کوئی نہیں سمجھتا۔ منطق کی اصطلاحات منطقی ہی جانتا ہے اور کوئی نہیں جانتا۔ سائنسی توجیہات اور تحقیقات سے ایک سائنسدان ہی ہی آگاہ ہوسکتا ہے کوئی دوسرا نہیں لیکن قرآن نے سمجھانے کا جو انداز اختیار کیا ہے ــــ وہ عام کے لئے بھی ہے اور خاص کے لئے بھی

اسے بدوی بھی سمجھتا ہے اور شہری بھی۔

اس سے ایک اُمّی آدمی کو بھی اُسی طرح اطمینان حاصل ہوتا ہے جس طرح ایک تعلیم یافتہ محقق اور پروفیسر کو

اس سے آج کے ترقی یافتہ معاشرے کا فرد بھی اُسی طرح فائدہ اٹھا سکتا ہے جس طرح آج سے چودہ صدیاں پہلے کے غیر ترقی یافتہ معاشرے کا انسان فائدہ اٹھاتا تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ جس طرح سورج کی روشنی سب کے لئے ہے۔ چاند کی چاندنی سب کے لئے ہے۔ زمین کی گود سب کے لئے ہے۔ اسی طرح خدا کی کتابِ ہدایت سب کے لئے ہے۔

پہلی دلیل

کائنات کا حسن وہ سب سے پہلی چیز ہے جو صاحبِ ذوق انسان کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اس کائنات کے ہر ہر جزو سے حسن و زیبائی کا اظہار ہوتا ہے۔

یہ بھی تو ہوسکتا تھا کہ کائنات تو ہوتی مگر اُس پر حسن و جمال کی نقاب نہ ہوتی۔ درخت ہوتے مگر شاخوں کی ترتیب اور پھلوں اور پھولوں کی رنگا رنگی نہ ہوتی۔

زمین ہوتی مگر اس میں ندی نالوں کا شور اور باغ و چمن کا ظہور نہ ہوتا۔
ستارے ہوتے مگر روشنی نہ ہوتی۔
پھول ہوتے مگر رنگ و بو نہ ہوتا۔
پربت ہوتا مگر ستاروں کا جھرمٹ نہ ہوتا۔
زمیں ہوتی مگر سبزے کی چادر نہ ہوتی۔
چاند ہوتا مگر چاندنی نہ ہوتی۔
سورج ہوتا مگر کرنیں نہ ہوتیں۔
بلبل ہوتی مگر اس کی نوا سنجی نہ ہوتی۔
گویا، نگاہ ہوتی مگر نگاہ نوازی نہ ہوتی۔
کان ہوتے مگر ان کی حلاوت کا کوئی سامان نہ ہوتا۔

انسانی علم و نظر آج تک اس سوال کا جواب نہیں دے سکا کہ یہاں تخلیق کے ساتھ حُسن کیوں ضروری ہے مگر قرآن جواب دیتا ہے کہ یہ سب کچھ اس لئے ہے تاکہ انسان حُسنِ کائنات کا مشاہدہ کرے اور بلا اختیار پکار اُٹھے فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ۝

یہ بے حساب اور بے حجاب حُسن اسی لئے ہے تاکہ انسان کو خالقِ حسن تک پہنچنے اور اس کا اعتراف کرنے میں کوئی دقّت نہ ہو۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ۝

(سورہ فاطر پ۲۲ ع ۱۵)

ترجمہ: کیا تو نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا۔ پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے مختلف رنگتوں کے پھل نکالے۔ اور پہاڑوں کے بھی

مختلف حصّے ہیں سفید اور سرخ کہ اُن کی بھی رنگتیں مختلف ہیں اور بہت گہرے سیاہ۔
اے بھولے بھالے انسان! کیا کائنات کا یہ سارا حُسن وجمال، کیا یہ ساری زیبائی اور رعنائی خود بخود بغیر کسی موثّرِ حقیقی کے خود وجود میں آ گئی۔

زمین کو سبزہ،
ستاروں کو روشنی،
پھولوں کو رنگ و بو،
درختوں کو قامتِ زیبا،

خود بخود مِل گیا،
نہیں۔ بلکہ اعلان ہوتا ہے:
ءَ اَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ ۝ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً وَّمَتَاعًا لِّلْمُقْوِیْنَ ۝ (سورۃ الواقعۃ پ ۲۷ ع ۱۵)
ترجمہ: اس کے درخت کو تم نے پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں، ہم نے اُس کو یاد دہانی کی چیز اور مسافروں کے فائدہ کی چیز بنایا ہے۔

دوسری دلیل

دنیا کے ظاہری قانون کے مطابق ضدّین کا اجتماع محال نظر آتا ہے، ہم جنس سے اس کی جنس ہی معرضِ وجود میں آتی ہے ایک جنس سے اس کی خلافِ جنس کا ظہور میں آنا مشکل ہے۔ مگر جب ہم کائنات میں غور کرتے ہیں تو ہمیں یہ قانون ٹوٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے، یہاں تو ضد سے ضد کا وجود ہوتا ہے۔

مُردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ ہوتا ہے۔
جاہل سے عالم اور عالم سے جاہل پیدا ہوتا ہے۔
بہار کی کوکھ سے خزاں اور خزاں سے بہار یہ آمد ہوتی ہے۔

ظلمت شب سے سپیدۂ سحر اور دن کی روشنی سے رات کی تاریکی ظاہر ہوتی ہے۔

سنگین چٹانوں سے جاندار کیڑا نکلتا ہے۔

ہرے بھرے درخت سے چنگاریاں جھڑتی ہیں۔

کیا یہ سب کچھ خود بخود ہو رہا ہے ؟

جبکہ عام ضابطہ بھی یہ چاہتا ہے کہ ایسا نہ ہو لازماً غالب و مختار ہستی کا اقرار کرنا پڑے گا جو عام ضابطوں کو توڑ پھوڑ کر سب کچھ اپنی مرضی کے مطابق کرتی ہے اسی لئے تو فرمایا :

تُوْلِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ

ترجمہ : آپ رات کو دن میں داخل کر دیتے ہیں اور دن کو رات میں داخل کر دیتے ہیں۔ اور آپ جاندار چیز کو بے جان سے نکال لیتے ہیں اور بے جان چیز کو جاندار سے نکال لیتے ہیں۔

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ○

ترجمہ : وہ ایسا ہے کہ ہرے درخت سے تمہارے لئے آگ پیدا کر دیتا ہے پھر تم اس سے آگ سلگا لیتے ہو۔

تیسری دلیل :

زمین ایک ہے، ہوا ایک ہے، پانی ایک ہے۔ لیکن نباتات بے شمار قسم کی اُگتی ہیں۔ پھولوں کی شکل مختلف، ان کا رنگ و بو مختلف، پھلوں کا مزہ اور تاثیر مختلف۔

کیا یہ سارے تنوعات ایک علیم و قدیر کی ہستی کی طرف ہماری رہنمائی نہیں کرتے۔

وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَّنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ○ (سورۃ الرعد پ ۱۳ ع ۷)

ترجمہ: اور زمین میں پاس پاس مختلف قطعے ہیں اور انگوروں کے باغ ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں جن میں بعضے تو ایسے ہیں کہ ایک تنہ سے اوپر جاکر دو تنے ہوجاتے ہیں اور بعضے میں دو تنے نہیں ہوتے، سب کو ایک ہی طرح کا پانی دیا جاتا ہے اور ہم ایک کو دوسرے پر پھلوں میں فوقیت دیتے ہیں۔ ان امور میں سمجھداروں کے واسطے دلائل ہیں۔

پہاڑ ایک ہے۔ مگر اسی سے بجری کا پتھر نکلتا ہے، اسی سے جواہر و یواقیت برآمد ہوتے ہیں، ان میں سرخ بھی ہیں، سفید بھی اور سیاہ بھی۔

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ○

(سورۃ فاطر پ ۲۲ ع ۱۵)

ترجمہ: اور پہاڑوں کے بھی مختلف حصے ہیں سفید اور سرخ کہ ان کی بھی رنگتیں مختلف ہیں اور بہت گہرے سیاہ۔

چوتھی دلیل:

سائنس ہمیں بتاتی ہے کہ کائنات پانچ سو ملین (ایک ملین دس لاکھ کے برابر) کہکشانوں پر مشتمل ہے اور ہر کہکشاں میں ایک لاکھ ملین یا اس سے کم و بیش ستارے پائے جاتے ہیں اور یہ ساری کہکشائیں مسلسل گردش کر رہی ہیں، چاند مسلسل گھوم رہا ہے، زمین اپنے محور پر ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے

گھوم رہی ہے، سورج چھ لاکھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گردش کر رہا ہے، پھر ستاروں میں سے کسی کے بھاگنے کی رفتار آٹھ میل فی سیکنڈ ہے، کسی کی ۳۳ میل فی سیکنڈ، کسی کی ۸۴ میل فی سیکنڈ،

اگر یہ ستارے آپس میں ٹکرا جائیں تو تمام نظامِ عالم زیر و زبر ہو جائے اگر ان ستاروں کی رفتار میں فرق آ جائے تو ہمارے دن اور رات اور موسم تک بدل جائیں ۔

ہم اپنی آنکھوں سے شب و روز دیکھتے ہیں کہ ایک ایک شہر میں ہر روز گاڑیوں کے ٹکرانے سے سینکڑوں جانیں تلف ہو جاتی ہیں اس لیئے نہیں کہ ان کا ڈرائیور نہیں ہوتا بلکہ صرف اس لئے کہ ڈرائیور سے لمحہ بھر کی غفلت ہو جاتی ہے اگر ایک ڈرائیور کی لمحہ بھر کی غفلت کیوجہ سے گاڑی ایکسیڈنٹ کا شکار ہو سکتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ کائنات میں رہنے کے باوجود آج تک لاکھوں کروڑں سیارات کے مسلسل حرکت میں رہنے کے باوجود آج تک کوئی ایکسیڈنٹ نہیں ہوا ؟ کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا ! کیا یہ سب کچھ اتفاق کا نتیجہ ہے ؟

نہیں ۔ بلکہ یہ اس سلئے ہے کہ اس وسیع نظام کو ایک حیّ و قیوم ذات سنبھالے ہوئے ہے ۔

إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ أَنْ تَزُولَا ۚ وَلَئِنْ زَالَتَا إِنْ أَمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ بَعْدِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ۝

(سورۃ فاطر پ۲۲ ع ۱۷)

ترجمہ : یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ موجودہ حالت کو چھوڑ نہ دیں ۔ اور اگر وہ موجودہ حالت کو چھوڑ بھی دیں تو پھر خدا کے سوا اور کوئی ان کو تھام بھی نہیں سکتا ۔ وہ حلیم و غفور ہے ۔

پانچویں دلیل :

یوں تو کائنات کا ایک ایک جزء خدا تعالیٰ کی موجودگی کی گواہی دے رہا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے وجود کی سب سے بڑی نشانی اور سب سے بڑی گواہی تو خود انسان ہے۔ اسی لئے قرآن میں کہا گیا وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ

انسان کے عصبی نظام پر غور کیجیے کہ کس قدر دقیق اور مربوط ہے۔ جدید تحقیق بتلاتی ہے کہ انسان کے اندرونی مواصلاتی نظام کا مرکز اس کا بھیجا ہے، ہر بھیجے میں تقریباً ایک ہزار ملین عصبی خانے ہیں۔ ہر خانے سے بہت باریک تار نکل کر تمام جسم کے اندر پھیلے ہوئے ہیں ان تاروں پر خبر وصول کرنے اور دوسرے اعضاء کو حکم بھیجنے کا ایک نظام تقریباً ۷۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جاری رہتا ہے انھیں اعصاب کے ذریعے ہم چکھتے ہیں، سُنتے ہیں، دیکھتے ہیں، محسوس کرتے ہیں اور سارا عمل کرتے ہیں۔ زبان میں تین ہزار ذائقے خانے ہیں جن میں ہر ایک علیحدہ عصبی تار کے ذریعہ دماغ سے جڑا ہوا ہے۔ کان میں ایک لاکھ کی تعداد میں سماعتی خانے ہیں انھیں خانوں سے ایک نہایت پیچیدہ عمل کے ذریعہ ہمارا دماغ سُنتا ہے۔

ہر آنکھ میں ۱۳۰ ملین خانے ہوتے ہیں جو تصویری مجموعے دماغ کو بھیجتے ہیں۔

تمام جلد میں بھی حسیاتی ریشوں کا ایک جال بچھا ہوا ہے۔ اگر ایک گرم چیز جلد کے سامنے لائی جائے تو تقریباً تین ہزار گرم خانے اس کو محسوس کر کے فوراً دماغ کو اس کی خبر دیتے ہیں اسی طرح جلد میں دو لاکھ پچاس ہزار خانے ایسے ہیں جو سرد چیزوں کو محسوس کرتے ہیں۔

کہاں تک بتایا جائے سوچنے کی بات یہ ہے کہ اتنا منظّم اور مربوط نظام

کیا خود بخود اتفاقاً وجود میں آگیا ہے ؟ انسان کا خلیاتی اور اعصابی نظام چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ نہیں ایسا ہرگز نہیں بلکہ یہ تو کسی بہت ہی باریک بین اور لطیف و خبیر صناع کی کاریگری ہے جو بانگِ دہل کہہ رہا ہے کہ :-

میرے وجود کے دلائل طلب کرنے والو ،
میرے ہونے کی نشانیاں تلاش کرنے والو ،
مجھے بحر و بر میں ڈھونڈنے والو ،
مندروں اور ویرانوں میں میری جستجو کرنے والو ،
مجھے کہیں اور تلاش نہ کرو میں تو تمہارے اندر موجود ہوں ،
میرے وجود کی نشانیاں خارج میں کیوں تلاش کرتے ہو. اپنے باطن میں کیوں نہیں نظر ڈالتے ۔ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○

ایک دیہاتی کا استدلال

امام ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ ایک اَن پڑھ بدّو سے ایک عقل کے مارے ہوئے نے جب وجودِ خداوندی کی دلیل مانگی تو اُس نے مظاہرِ فطرت سے استدلال کرتے ہوئے کہا

یَا سُبْحَانَ اللّٰہِ اِنَّ الْبَعَرَ لَیَدُلُّ	سبحان اللہ! حیرت ہے کہ اونٹ کی مینگنی تو
عَلَی الْبَعِیْرِ وَاِنَّ آثَارَ الْاَقْدَامِ	اس کے وجود پر قطعی دلالت کرتی ہے اور قدموں
لَتَدُلُّ عَلَی الْمَسِیْرِ فَالسَّمَاءُ ذَاتُ	کے نشان تو زمین پر دیکھ کر یہ معلوم ہوجاتا ہے
الْاَبْرَاجِ وَالْاَرْضُ ذَاتُ الْفِجَاجِ	کہ کوئی یہاں سے گذرا ہے، پس یہ بُرجوں والا
وَالْبِحَارُ ذَاتُ الْاَمْوَاجِ اَلَا یَدُلُّ	آسمان، یہ گھاٹیوں والی زمین یہ موجیں مارتے
ذٰلِکَ عَلٰی وُجُوْدِ اللَّطِیْفِ الْخَبِیْرِ الْعَلِیْمِ	ہوئے سمندر، ایک صانع، ایک ماہر کاریگر جو باریک بین

الْعَلِیْمِ الْقَدِیْرِ — اور خبردار ہے، جو بڑے علم والا اور قدرت والا ہے، کے وجود پر دلالت نہیں کر سکتے؟

شیخ سعدیؒ کا استدلال

شیخ سعدی فرماتے ہیں :

برگ درختانِ سبز درنظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتریست از معرفتِ کردگار

سرسبز درختوں میں غور وفکر کیا جائے تو ان کا ایک ایک پتہ مالکِ حقیقی کی معرفت کا منہ بولتا نشان ہے۔

آپ خود ہی غور فرمائیں کہ :

درختوں میں قد و قامت کی بلندی

پھیلاؤ کی موزونیت ،

شاخوں کی ترتیب ،

پتّوں کی سبزی ،

پھولوں کی رنگا رنگی ،

اور سائے کا سکڑنا اور پھیلنا ،

کسی دستِ صنّاع کا غماز نہیں ہے

امام شافعیؒ کا استدلال

امام شافعیؒ نے بھی ایک سبز درخت کی عجوبہ کاریوں میں غور وفکر کیا اور خالق ومالک کو پہچان لیا ، فرماتے ہیں :

میں نے توت کے درخت کو دیکھا، ایک ہی درخت سے جڑیں اور تنا

ایک ہے، موسم اور ہوا ایک ہے، زمین ایک ہے، پانی ایک ہے، شاخیں ایک ہیں، اور پتے بھی ایک قسم کے ہیں، پتوں کی رنگت ایک ہے، شکل و صورت ایک ہے، ذائقہ سب کا ایک ہے، سب کا مادّہ ایک ہے۔ اسے گائے بھی کھاتی ہے، بکریاں بھی کھاتی ہیں، ہرن بھی اسے چرتے ہیں، پرند اور کیڑے بھی اسے کھاتے ہیں مگر جب اسے ریشم کا کیڑا کھاتا ہے تو اس سے ریشم نکلتا ہے اور جب شہد کی مکھی کھاتی ہے تو شہد بنتا ہے، ہرن کھاتا ہے تو مشک پیدا ہوتا ہے اور گائے بکریاں کھاتی ہیں تو مینگنیاں دیتی ہیں، تو کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ ایک پتے میں یہ مختلف قسم کی خاصیتیں، مختلف ثمرات اور نتائج پیدا کرنے والا کوئی ہے؟ یہ وہی ذات ہے جس کو ہم اللہ مانتے ہیں۔ یہ سب اُسی کی کرشمہ سازی اور عجوبہ کاریاں ہیں۔

امام احمد کا استدلال

امام احمدؒ نے فرمایا:

میں نے ایک روز بڑے غور و فکر سے دیکھا، میرے سامنے ایک محل ہے، مضبوط قلعہ ہے، جو چاروں طرف سے بند ہے، جس کی دیواریں بڑی مضبوط ہیں، اس میں کوئی روشندان نہیں، کوئی کھڑکی نہیں، کوئی دروازہ نہیں، رسد اور خوراک کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ہوا کے آنے جانے کا بھی کوئی ذریعہ نہیں، محل کو باہر سے سفیدی کردی گئی ہے چاندی کی طرح چمک رہا ہے اور اندر سے رنگ کر دیا گیا ہے، سونے کی طرح دمک رہا ہے، اوپر نیچے، دائیں بائیں ہر طرف سے بند ہے۔ اچانک اس کی ایک دیوار گر پڑتی ہے اور اس بند محل سے ایک جاندار آنکھوں والا، کانوں والا بولتا چالتا ہوا، خوبصورت شکل والا، پیاری بولی

والا، چلتا پھرتا نکل آتا ہے اور اُسی لمحے وہ اپنے دشمن کو بھی پہچانتا ہے اور اپنے مہربان کو بھی پہچانتا ہے وہ کھانا چُگنا بھی جان لیتا ہے

بتاؤ! اس محفوظ مکان میں اور بند محل میں اسے پیدا کرنے والا، اس کی ہڈیاں، اس کا جسم، اس کا گوشت، اس کی چونچ، اس کی ٹانگیں، اس کو بلی سے بچنے اور ماں کے دامن میں پناہ لینے کا شعور دینے والا کوئی ہے کہ نہیں؟[له]

یقیناً ہے اور وہ ایسی ذات ہے جس کی قدرت غیر محدود ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کا استدلال

دہریوں کی ایک جماعت نے امام صاحب پر حملہ کر دیا اور آپ کو قتل کرنا چاہا۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے اس مسئلہ میں مجھ سے بحث کر لو اس کے بعد تمہیں اختیار ہے انھوں نے اس بات کو منظور کر لیا۔ چنانچہ مناظرہ کی تاریخ اور وقت طے ہو گیا۔ مگر ہوا یوں کہ آپ مجلسِ مناظرہ میں دیر سے پہنچے انھوں نے اس پر بڑا شور و غوغا کیا۔

آپ نے فرمایا پہلے میری بات سُن لو شاید آپ مجھے اس تاخیر میں معذور سمجھیں۔

انہوں نے کہا اچھا بتائیے

آپ نے فرمایا، آج تو عجیب و غریب صورت دیکھنے میں آئی۔ ہوا یوں کہ جب میں دریا کے کنارے پہنچا تو وہاں دُور تک کشتی کا نام و نشان نہ تھا۔ حیران تھا کہ کس طرح دریا عبور کروں گا۔ اسی اثناء میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک درخت خود کٹ گیا اور اس کے تختے بن گئے، پھر بغیر کسی کاریگر اور بغیر کیلوں کے اُن تختوں نے جُڑنا شروع کر دیا یہاں تک کہ کشتی تیار ہو گئی پھر وہ بغیر کسی

له یہ محل ہر گھر میں موجود ہے اور وہ ہے مرغی کا انڈا۔

ملّاح کے پانی کے دوش پر اٹھکیلیاں کرتی میرے پاس آگئی، میں سوار ہوگیا تو وہ چلنے لگی یہاں تک کہ ساحل پر آگئی۔

دہریوں نے یہ واقعہ سُنا تو اپنی بے ہنگم آوازوں سے آسمان سر پر اٹھالیا کہنے لگے ایسا بھی بھلا کہیں ہوسکتا ہے کہ بغیر کاٹنے کے درخت کٹ جائے اور بغیر کاریگر کے کشتی تیار ہوجائے اور بغیر ملّاح کے کشتی چلنے لگے

امام صاحبؒ نے فرمایا بدبختو! اگر ایک درخت بغیر کاٹنے والے کے نہیں کٹ سکتا،

تختے بغیر جوڑنے والے کے نہیں جُڑ سکتے،
کشتی بغیر کاریگر کے تیار نہیں ہوسکتی،
ایک کشتی تیار ہوکر بھی بغیر ملّاح کے نہیں چل سکتی
تو کیا کائنات کا

یہ سارا نظام
یہ شجر و حجر
یہ نہریں اور دریا
یہ شمس و قمر
یہ گل و گلزار
یہ حیوان اور انسان
یہ طویل و عریض آسمان
یہ ستاروں کے جھرمٹ اور کہکشاں
یہ سب کچھ خود از خود وجود میں آگیا

اور یہ اتنا بڑا کارخانۂ عالم خود بخود چل رہا ہے اُسے کوئی چلانے والا نہیں!!

ان دہریوں کی سمجھ میں بات آگئی اور انہوں نے تائب ہو کر ایمان قبول کر لیا۔

بڑھیا کا استدلال

ایک بڑھیا بیٹھی چرخے پر سوت کات رہی تھی اور منہ میں اپنی عادت کے موافق خدا کا پیارا پیارا نام گنگنا رہی تھی، ایک جنٹلمین صاحب کو یہ بڑا ناگوار گذرا اور اُس نے ناک بھوں چڑھاتے ہوئے بڑھیا سے پوچھا :

یہ جس خدا کا نام تم لیتی رہتی ہو آخر اس کے ہونے پر تمہارے پاس کیا دلیل ہے ؟

بڑھیا نے چرخہ چلانا چھوڑ دیا اور کہا دلیل ولیل تو میں کیا جانوں تو مجھے یہ بتا یہ چرخہ کیوں نہیں چل رہا ؟

جنٹلمین صاحب نے کہا اس لئے کہ تم نہیں چلا رہی جب چلاؤ گی تو چل پڑے گا۔

بڑھیا نے کہا ارے عقل کے کورے بدّو اگر ایک چرخہ بغیر چلانے والے کے نہیں چل سکتا تو اتنا بڑا کارخانۂ حیات بغیر کسی چلانے والے کے کیسے چل رہا ہے۔

سورج اپنے وقت پر طلوع ہوتا ہے اور اپنے وقت پر غروب ہوتا ہے۔
چاند اپنی معینہ تاریخوں میں گھٹتا اور بڑھتا ہے۔
موسم اپنے مقررہ اوقات میں ادلتے بدلتے ہیں۔
جنٹلمین صاحب اپنا سا منہ لیکر رہ گئے اور ان کو راہ ناپتے بنی۔

گنوار کاشتکار کا استدلال

ایک دیہاتی کاشتکار ہل چلا رہا تھا کہ اتنے میں تعلیم یافتہ بابو آگیا اور اس

نے اس سے خدا کے وجود کے بارے میں بحث شروع کر دی، کاشتکار نے تنگ آکر پوچھا تو مجھے اتنا بتا دے کہ جب خدا کوئی نہیں تو پھر یہ دنیا کا نظام کیسے چل رہا ہے؟

بابو جی کہنے لگے یہ سارا نظام کششِ ثقل کی وجہ سے چل رہا ہے ہر بڑی چیز چھوٹی چیز کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے یوں یہ نظام چل رہا ہے۔

کاشتکار کو غصہ آگیا اس نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ ڈنڈے مار مار کر بابو جی کی کھوپڑی لہولہان کر دی۔ بابو جی اول فول بکنے لگا۔

کاشتکار نے کہا بابو جی ناراض کیوں ہوتے ہو یہ جو کچھ ہوا ہے کششِ ثقل کا نتیجہ ہے تمہاری کھوپڑی کی مقناطیسی قوت نے میرے ڈنڈے کو اپنی طرف کھینچ لیا اور دو لگ گئیں، فرمائیں قصور میرا ہے یا آپ کی کھوپڑی کا؟

تو اس قسم کے کم عقل لوگوں کے لئے ڈنڈا بڑی اٹل دلیل ہے۔ ظاہر ہے کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔

ایک بڑی دلیل

خدا کی ذات و صفات پہ ایک بہت بڑی دلیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ ہے۔ آپ سوال کریں گے کہ وہ کیسے؟

تو میں عرض کرتا ہوں کہ کتنی ہی چیزیں ایسی بھی ہیں جنھیں میں اور آپ اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ پاتے مگر جب کوئی با اعتماد اور سچا آدمی اس کے متعلق ہمیں خبر دیتا ہے تو ہم مان لیتے ہیں۔

میں نے نیو یارک کو نہیں دیکھا مگر اسے مانتا ہوں
میں نے کوہِ آتش فشاں کو نہیں دیکھا مگر اسے مانتا ہوں

میں نے سمندر سے جواہر و یواقیت نکلتے نہیں دیکھے مگر مانتا ہوں
میں نے سونے کی کان آج تک نہیں دیکھی مگر مانتا ہوں
میں نے انسان کو چاند پر جاتے نہیں دیکھا مگر مانتا ہوں
میں نے ایٹم بم کا عملی مظاہرہ نہیں دیکھا مگر مانتا ہوں
میں نے ابراہیمؑ کو نہیں دیکھا مگر مانتا ہوں
میں نے موسیٰؑ کو نہیں دیکھا مگر مانتا ہوں
میں نے عیسیٰؑ کو نہیں دیکھا مگر مانتا ہوں
میں نے ہلاکو خان اور چنگیز خان کو نہیں دیکھا مگر مانتا ہوں۔
میں کیوں مانتا ہوں ؟ آپ سب کیوں مانتے ہیں ؟
صرف اس لئے کہ ہم نے ان کے وجود کے متعلق با اعتماد لوگوں سے سُنا ہے اس لئے ہم ان کے وجود کو تسلیم کرتے ہیں۔

مجھے کہنے دیجیئے کہ اگر ہم اَن دیکھی چیزوں کے وجود کو عام لوگوں کے کہنے پر تسلیم کر سکتے ہیں تو جس خدا کے وجود کی گواہی لاکھوں سچے اور مقدس انسان دیں، اُس کے وجود کی گواہی کائنات کا ذرّہ ذرّہ دے

جس کے وجود کی گواہی ارض و سماء دیں
جس کے وجود کی گواہی ابر و باراں دیں
جس کے وجود کی گواہی شمس و قمر دیں
جس کے وجود کی گواہی شجر و حجر دیں
جس کے وجود کی گواہی نفسِ انسانی دے
جس کے وجود کی گواہی آدم صفی اللہ دے
جس کے وجود کی گواہی ابراہیم خلیل اللہ دے

جس کے وجود کی گواہی اسماعیل ذبیح اللہ دے
جس کے وجود کی گواہی موسیٰ کلیم اللہ دے
جس کے وجود کی گواہی عیسیٰ روح اللہ دے
اور جس کے وجود کی گواہی

سچوں کا سردار
صدیقوں کا بادشاہ
امینوں کا سرخیل
دیانتداروں کا سپہ سالار
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دے۔

کیا میں اُس کے وجود کو تسلیم نہ کروں ؟
اور کون محمد رسول اللہ ؟
وہ محمد رسول اللہ،
جس کی صداقت پر اس کے دشمنوں کو بھی اعتماد تھا
جس کی امانت و دیانت کا تذکرہ اس کے حاسدوں کی زبان پر تھا۔
جسے اس کے خون کے پیاسوں نے صدیق اور امین کا لقب دیا تھا۔
جس کی زبان نبوت ملنے سے قبل بھی جھوٹ سے ناآشنا رہی تھی۔
تو کیا کائنات کے سردار کے بتانے کے باوجود خدا کے وجود کو تسلیم نہ کروں ؟

اس سے بڑا ستم اور تعصب کیا ہوگا کہ میں عام لوگوں کے کہنے پر تو اَن دیکھی چیزوں کے وجود کو تسلیم کرلوں لیکن محبوبِ کونین کے کہنے پر خدا کے وجود کو تسلیم نہ کروں، بلکہ میں تو ایک قدم آگے بڑھ کر صاف صاف

کہتا ہوں کہ جب میرے آقا و مولا نے کہہ دیا کہ خدا ہے تو اب مجھے خدا کے وجود پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ آپؐ کا فرمودہ میرے لئے کیا بلکہ ہر مسلمان کے لئے آخری حجت ہے اور واشگاف کہتا ہوں کہ:

میں نے عرشِ معلّٰی کو نہیں دیکھا مگر مانتا ہوں
میں نے ملائکہ کو نہیں دیکھا مگر مانتا ہوں
میں نے جنت کو نہیں دیکھا مگر مانتا ہوں
میں نے دوزخ کو نہیں دیکھا مگر مانتا ہوں
میں نے حوروں کو نہیں دیکھا مگر مانتا ہوں
میں نے سدرۃ المنتہیٰ کو نہیں دیکھا مگر مانتا ہوں

صرف اور صرف اس لئے مانتا ہوں کہ:

میرے آقا نے بتایا
کائنات کے سردار نے بتایا
نبیوں کے سالار نے ان سب چیزوں کے وجود کی گواہی دی۔

سمجھ نہیں آتا بعض عقل پرست یہ کہتے ہیں کہ خدا کی ذات وصفات سمجھ نہیں آتیں یہ سمجھ نہیں آتا ہے کہ خدا کیا ہے، کہاں ہے کیسا ہے؟ یہ سمجھ نہیں آتا کہ اگر وہ ہے تو اس کے ہاتھ پاؤں ناک منہ کیوں نہیں؟ تو میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اگر یہ اصول مان لیا جائے کہ جو چیز ہماری سمجھ میں نہ آئے اُس کا انکار کر دیا جائے تو پھر تو ہمیں اس دنیا کی بیشمار چیزوں کا انکار کرنا پڑے گا، کتنی ایجادات ہیں جو لاکھوں لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتیں تو کیا ان ایجادات[1] کا انکار کر دیا جائے۔ میرے دوست وجودِ باری تعالےٰ کے مسئلہ کا تعلق عقل سے ہے ہی نہیں اس کا تعلق تو دل کے ساتھ ہے، اپنے

---

[1] ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر، ٹیلیفون بیشمار لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتے۔

دل سے پوچھو کہ وہ ایک بالاتر ہستی کی ضرورت محسوس کرتا ہے یا نہیں ؟
شاعر نے کیا پیاری بات کہی ہے ؎

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا

بس جان گیا میں تیری پہچان یہی ہے

خدا کی تلاش

اللہ تعالیٰ کی جستجو اور پا لینے کے لئے انسان نے نہ معلوم کیا کیا جتن کئے ہیں اور کیسی کیسی کٹھن عبادتیں اور ریاضتیں کی ہیں

کسی نے خدا کو صحراؤں میں تلاش کیا
کسی نے خدا کو پہاڑوں کی تاریک غاروں میں تلاش کیا
کسی نے خدا کو وحشت ناک جنگلوں میں تلاش کیا
کسی نے خدا کو مندروں میں تلاش کیا
کسی نے خدا کو ایک ٹانگ پر کھڑے رہ کر تلاش کیا

مگر خدا کہتا ہے کہ مجھے غاروں، کہساروں اور ویرانوں میں تلاش کرنے والو میں تو تمہارے بہت قریب ہوں

وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ۝

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ۝

اور پھر مجھے پا لینے کے لئے تمہیں جانکاہ ریاضتیں اٹھانے کی ضرورت نہیں بلکہ اس کا صرف ایک طریقہ ہے میں جس کو بھی ملوں گا اسی راستے سے ملوں گا اس کے علاوہ میرے ملنے کے تمام راستے اور تمام دروازے بند کر دیئے گئے ہیں۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ط
(سورۃ آل عمران پ۳ - ع ۱۱)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے۔

اور بات یہ ہے دوستو جس نے خدا کو پا لیا اُس نے سب کچھ پالیا شاعر کہتا ہے ؎

گر اک تو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری
جو تو میرا تو سب میرا فلک میرا زمیں میری

اور مولانا محمد علی جوہرؒ فرماتے ہیں

تو کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہے
توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

اور خدا جب ملے گا جب انسان اپنی ذات کو پہچانے گا کیونکہ کہا گیا ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ

حضرت مولانا رومی رحمہ اللہ نے حکایت کے انداز میں بڑی قیمتی بات سمجھائی ہے لکھتے ہیں کہ:

ایک جوہری کے ساتھ ایک چور ہمسفر ہو گیا۔ چور نے کیا دیکھا کہ جوہری کے پاس ایک قیمتی ہیرا ہے، دل ہی دل میں کہنے لگا کہ جب رات کو کہیں یہ جوہری سویا تو میں اس کے اسباب سے یہ ہیرا نکال کر فرار ہو جاؤنگا جوہری اپنے ہمسفر چور کی نیّت سے آگاہ ہو چکا تھا۔ جب رات آئی تو سونے سے

پہلے جوہری نے اپنا ہیرا چور کے اسباب میں رکھ دیا، اور بے فکر ہو کر سو گیا۔ چور رات بھر جوہری کے اسباب میں ہیرا تلاش کرتا رہا، مگر حیران تھا کہ نہ جانے جوہری نے ہیرا کہاں چھپا دیا ہے۔ مسلسل تین راتیں اسی طرح مایوسی کے عالم میں گذر گئیں۔ آخر چور نے جوہری سے کہا کہ دن کے وقت تو ہیرا تمہارے پاس ہوتا ہے، رات کو کہاں جاتا ہے۔ مجھے متواتر تین راتیں جاگتے ہوئے گزر گئیں، مگر رات کو ہیرا کہیں نہیں ملتا۔ جوہری نے کہا تم میرے اسباب میں ہیرا تلاش کرتے رہے ہو۔ کاش! کبھی اپنے اسباب میں بھی اُسے ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ۔ تو تمہیں مل جاتا۔

تو بات یہ ہے دوستو کہ خدا کو اِدھر اُدھر تلاش کرنے کی ضرورت نہیں اپنے مَن میں جھانک کر دیکھو لو انشاء اللہ خدا مل جائے گا۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو نہیں بنتا ہے میرا تو نہ بن اپنا تو بن

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

مقامِ نبوّت

کس نے ذرّوں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا
کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا
سات پردوں میں چھپا بیٹھا تھا حسنِ کائنات
پھر کسی نے اس کو عالم آشکار کر دیا

ہری چند اختر، وفات ۱۹۵۸ء

"میں اپنا یہ علم انبیاء کے پاکیزہ قلوب پر نازل کروں گا۔ سینے ان کے ہوں گے کتاب میری ہوگی، زبان ان کی ہوگی علم میرا ہوگا تبلیغ ان کی ہوگا پیام میرا ہوگا، محنت ان کی ہوگی کام میرا ہوگا، تنفیذ ان کی ہوگی، حکم میرا ہوگا، خلافت ان کی ہوگی ہدایت میری ہوگی، اطاعت ان کی ہوگی عبادت میری ہوگی، امت ان کی ہوگی خلقت میری ہوگی، شفاعت ان کی ہوگی مغفرت میری ہوگی، دعاء ان کی ہوگی اجابت میری ہوگی، ہاتھ ان کے ہوں گے رحمت میری ہوگی، دامن ان کے ہوں گے عنایت میری ہوگی"

مقامِ نبوّت

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم، امّا بعد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

(۱) وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَیْنٰهَآ	اور یہ ہماری حجت تھی وہ ہم نے ابراہیم
اِبْرٰهِیْمَ عَلٰی قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ	کو ان کی قوم کے مقابلہ میں دی تھی۔ ہم
دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ	جس کو چاہتے ہیں مرتبوں میں بڑھا دیتے
حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ	ہیں۔ بیشک آپ کا رب بڑا علم والا، بڑا
اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَیْنَا ۚ	حکمت والا ہے۔ اور ہم نے ان کو اسحٰق
وَنُوْحًا هَدَیْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ	دیا اور یعقوب ہر ایک کو ہم نے ہدایت
ذُرِّیَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ وَ	کی۔ اور پہلے زمانہ میں ہم نے نوح کو ہدایت
اَیُّوْبَ وَیُوْسُفَ وَمُوْسٰی	کی اور ان کی اولاد میں سے داؤد کو اور سلیمانؑ
وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی	کو اور ایوب کو اور یوسف کو
الْمُحْسِنِیْنَ ۝ وَزَكَرِیَّا وَ	اور موسیٰ کو اور ہارون کو اور اسی طرح ہم
یَحْیٰی وَعِیْسٰی وَاِلْیَاسَ ؕ	نیک کام کرنے والوں کو جزا دیا کرتے ہیں
كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝	اور نیز زکریّا کو اور یحییٰ کو اور عیسیٰ کو اور الیاس
وَاِسْمٰعِیْلَ وَالْیَسَعَ وَیُوْنُسَ	کو، سب پورے شائستہ لوگوں میں تھے۔
وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا	اور نیز اسماعیل کو اور یسع کو اور یونس کو
عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَمِنْ	اور لوط کو۔ اور ہر ایک کو تمام جہان والوں

اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَ اِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○	پر ہم نے فضیلت دی۔ اور نیز ان کے کچھ باپ دادوں کو اور کچھ اولاد کو اور کچھ بھائیوں کو اور ہم نے ان کو مقبول بنایا اور ہم نے ان کو راہِ راست کی ہدایت کی ۔
(سورۃ الانعام پ ۷ ع ۱۵)	
② وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ○ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ○	اور کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا۔ کیا یہ لوگ آپ کے رب کی رحمت کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ دنیوی زندگی میں ان کی روزی ہم نے تقسیم کر رکھی ہے۔ اور ہم نے ایک کو دوسرے پر رفعت دے رکھی ہے تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے۔ اور آپ کے رب کی رحمت بدرجہا اس سے بہتر ہے جس کو یہ لوگ سمیٹتے پھرتے ہیں ۔
(سورۃ الزخرف پ ۲۵ ع ۸)	
③ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○	اور نہ آپ اپنی نفسانی خواہش سے باتیں بناتے ہیں، ان کا ارشاد نری وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے ۔
(سورۃ النجم پ ۲۷ ع ۵)	
④ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ○ فَمَا مِنْكُمْ	اور اگر یہ ہمارے ذمہ کچھ باتیں لگا دیتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑتے ۔ پھر ہم ان کی رگِ دل کاٹ ڈالتے پھر تم میں کوئی ان کا

مِنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ

اس سزا سے بچانے والا بھی نہ ہوتا۔

(سورۃ الحاقۃ پ ۲۹ ع ۱۴)

⑤ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ط

اور ہم نے تمام پیغمبروں کو ان ہی کے قوم کی زبان میں پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تاکہ اُن سے بیان کریں۔

(سورۃ ابراھیم پ ۱۳ ع ۱۳)

⑥ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ○

اور کوئی امّت ایسی نہیں ہوئی جس میں کوئی ڈر سنانے والا نہ گذرا ہو۔

(سورۃ الفاطر پ ۲۲ ع ۱۴)

⑦ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ○ قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ○

اور جس وقت ان لوگوں کے پاس ہدایت پہنچی اس وقت ان کو ایمان لانے سے بجز اس کے اور کوئی بات مانع نہیں ہوئی کہ انہوں نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا ہے آپ فرما دیجیے کہ اگر زمین پر فرشتے ہوتے کہ اس میں چلتے بستے تو البتہ ہم ان پر آسمان سے فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے۔

(سورۃ بنی اسرائیل پ ۱۵ ع ۱۱)

⑧ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۔

(سورۃ الشوریٰ پ ۲۵ ع ۲)

اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

نبی کون ہوتا ہے ؟

آج کی نشست میں مقامِ نبوّت کے حوالے سے چار باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں، پہلی بات یہ کہ نبی منتخب ہوتا ہے ، دوسری یہ کہ نبی کا علم حتمی اور یقینی ہوتا ہے ،تیسری یہ کہ نبی معصوم ہوتا ہے ،چوتھی بات یہ کہ نبی بہرحال بندہ اور کامل انسانؐ ہوتا ہے ۔

کائنات میں جو کچھ موجود ہے اس میں سے سب سے پہلا مرتبہ عناصر کا ہے ، عناصر متنوع اور متعدد ہیں ان میں سے بعض بڑے قیمتی اور بعض بڑے ارزاں ہیں ۔

عناصر کے بعد جمادات ہیں۔ جمادات میں سے کچھ تو وہ ہیں جن کی کوئی قدر و قیمت اور معتدبہ فائدہ نہیں اور کچھ وہ جواہر و یواقیت اور زمرّد و پکھراج ہیں جنہیں بادشاہ بڑے فخر سے اپنے تاجوں اور انگشتریوں میں سجاتے ہیں ۔

جمادات کے بعد نباتات کا مرتبہ ہے ۔ نباتات بہت مختلف ہیں ۔
کچھ وہ ہیں جو بغیر بیج کے پیدا ہوتے ہیں اور ان کا تنہ وغیرہ بھی نہیں ہوتا ۔
کچھ وہ ہیں جن کا تنہ ، شاخ ، پھل ، اور پھول ہوتے ہیں ۔
کچھ وہ ہیں جن میں حیوانیت کے خواص پائے جاتے ہیں ان میں نر اور مادہ دونوں ہوتے ہیں اور بغیر اتّصال کے پھل نہیں دیتے ۔
کچھ وہ بھی ہیں جنہیں قرآن نے "شجرۃ طیّبۃ " قرار دیا میری مراد کھجور ہے ۔
نباتات کے بعد حیوانات کا مرتبہ ہے حیوانات میں سے ۔
کچھ تو وہ ہیں جن میں حیوانی اور نباتاتی دونوں خواص پائے جاتے ہیں جیسے مونگا، سیپ اور آدم خور گھاس ۔
پھر وہ کیڑے مکوڑے ہیں جن میں اختیاری حرکت کے سوا کوئی چیز نباتات سے بڑھ کر نہیں ۔

پھر وہ حیوانات ہیں جن میں لامسہ کے علاوہ دیگر حواس بھی پائے جاتے ہیں یہاں تک کہ ان میں حواسِ خمسہ یعنی لامسہ، ذائقہ، شامہ، باصرہ، سامعہ پائے جاتے ہیں۔

پھر ان میں سے بعض ایسے ذہین ہوتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سوائے نطق کے باقی ساری انسانی صلاحیتیں پائی جاتی ہیں۔

موجودات اور مخلوقات میں سے اعلیٰ ترین مرتبہ انسان کا ہے لیکن دیگر موجودات کی طرح انسانوں میں بھی بے حد تفاوت ہے

بعض وہ ہیں جن میں وحشی پن اس قدر ہے کہ ان پر حیوان ہونے کا گمان گزرتا ہے۔ افریقہ کے جنگلات اور پسماندہ علاقوں میں آج بھی ایسے انسان دیکھے جاسکتے ہیں جو حیوانوں کی سی بود و باش رکھتے ہیں۔

بعض وہ ہیں جو کسی قدر علم و سلیقہ اور ڈھنگ اور طریقہ جانتے ہیں۔ انسانیت کا بلند ترین مرتبہ وہ ہے جب انسان ملکوتیت کی حد تک پہنچ جاتا ہے بلکہ بسا اوقات ملکوتیت اس پر رشک کرنے لگتی ہے اسی مرتبے کو ہم نبوّت اور رسالت سے تعبیر کرتے ہیں۔

اصطفائی مقام :

مگر یاد رکھیں نبوت کا مرتبہ ارتقائی نہیں بلکہ اصطفائی ہے میرا مقصد یہ ہے کہ نبی کو خدا کی جانب سے منتخب کیا جاتا ہے ایسا نہیں ہے کہ جس کا دل چاہے وہ عبادت و ریاضت اور مجاہدوں اور مراقبوں کے ذریعہ مقامِ نبوّت تک پہنچ جائے۔

ایک انسان اپنی محنت سے حافظ و قاری بن سکتا ہے،
ذہانت سے ڈاکٹر و انجنیئر بن سکتا ہے،
اپنی ذکاوت سے عالم اور اسکالر بن سکتا ہے،

جہدِ مسلسل سے محدث و مفسر بن سکتا ہے ،
اپنا تزکیہ کر کے مرشدِ وقت بن سکتا ہے ،
عبادت و ریاضت سے ولی اللہ بن سکتا ہے ،
تابعی کی زیارت سے تبع تابعی بن سکتا ہے ،
صحابی کی زیارت سے تابعی بن سکتا ہے ،
نبی کی زیارت سے صحابی بن سکتا ہے ،
پھر وہ صحابی صدیق رضؓ بن سکتا ہے ،
فاروق رضؓ بن سکتا ہے ،
ذوالنورین رضؓ بن سکتا ہے ،
حیدر کرار رضؓ بن سکتا ہے ،
مگر سُن لیجئے :
کوئی بھی شخص ،

ذکاوت و ذہانت	سے	نبی نہیں بن سکتا
عبادت و ریاضت	سے	نبی نہیں بن سکتا
تزکیہ و تربیت	سے	نبی نہیں بن سکتا

اس میں شک نہیں کہ

نبی سب سے زیادہ	ذہین اور ذکی ہوتا ہے
نبی سب سے زیادہ	عابد اور زاہد ہوتا ہے
نبی سب سے زیادہ	تزکیہ والا ہوتا ہے

مگر اس کو نبوّت ، ذکاوت و ذہانت اور عبادت و ریاضت کی وجہ سے نہیں ملتی ۔ بلکہ نبی کا انتخاب سراسر اللہ تعالیٰ خود کرتا ہے ۔ اسی لئے فرمایا :

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۝ (سورۃ الحج پ۱۷ ع ۱۷)	اللہ تعالیٰ منتخب کرلیتا ہے فرشتوں میں سے احکام پہنچانے والے اور آدمیوں میں سے

دوسری جگہ فرمایا :

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ (سورۃ آل عمران پ۳ ع ۱۲)	بیشک اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا ہے آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کی اولاد کو اور عمران کی اولاد کو تمام جہان پر

تیسری جگہ فرمایا :

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ	اس موقع تو خدا ہی خوب جانتا ہے جہاں جہاں اپنا پیغام بھیجتا ہے ۔

چوتھی جگہ فرمایا :

وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝	اور ہم نے ان کو منتخب کیا اور ہم نے ان کو ہدایت دی سیدھے راستے کی طرف

بہرحال عرض یہ کر رہا تھا کہ نبوت کے لئے کسی بہترین انسان کا انتخاب اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں ایسا نہیں ہے کہ کوئی بھی شخص عبادت و ریاضت کی ارتقائی منزلیں طے کرتا کرتا منصبِ نبوّت تک پہنچ جائے ۔

بلکہ ، جیسے ہر پتھر زمرّد و پکھراج نہیں ہوسکتا ،

ہر نباتات کھجور نہیں ہوسکتی ،

ہر حیوان عقاب اور شیر نہیں ہوسکتا ،

اسی طرح ہر انسان نبی نہیں ہوسکتا ،

نبی کا علم : یہ بات تو آپ سمجھ گئے کہ کوئی انسان اپنی جہد و سعی سے نبی نہیں بنتا بلکہ اللہ تعالیٰ اس عظیم منصب کے لئے جس عظیم انسان کا انتخاب کرتا ہے وہی نبی بنتا ہے۔ اب میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ سلسلۂ نبوت جاری کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ اور وہ کونسا علم ہے جو نبی کے بغیر انسانیت کو نہیں مل سکتا؟

تو سمجھ لیجئے کہ موجودات کو جب زندگی ملتی ہے تو انھیں زندگی کے مسائل سے نمٹنے کے لئے سب سے پہلے علم جبلّت عطا کیا جاتا ہے۔ ایک بچہ پیدا ہوتے ہی جان لیتا ہے کہ چونچ کھولوں تو غذا ملے گی، روؤں گا تو دودھ ملے گا۔

جبلّت کے بعد علم حواس کا مرتبہ ہے۔ بہت سی باتیں جو جبلّت سے معلوم نہیں ہوسکتیں حواسِ خمسہ کے ذریعہ معلوم ہوجاتی ہیں۔

حواس کے بعد عقل کا درجہ ہے، عقل سے علم کا دائرہ بہت وسیع ہوجاتا ہے اور عقل کی وجہ سے انسان خیر و شر اور نفع و مضرت میں امتیاز کرنے لگتا ہے مگر عقل حصولِ علم میں مستقل بالذات نہیں ہے بلکہ وہ محتاج ہوتی ہے حواسِ خمسہ کی اور انھیں کے محسوسات سے وہ نتائج اخذ کرتی ہے اور عین ممکن ہے کہ ایک ہی قسم کے واقعہ سے ہر شخص کی عقل کوئی مختلف نتیجہ اخذ کرلے یہی وجہ ہے کہ عقل والوں میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے۔ پھر عقل وہ ترازو ہے جس سے تولے اور ماشے کا تو وزن ہو سکتا ہے مگر ٹنوں اور منوں کو نہیں تولا جاسکتا، جو باتیں حواس سے ماوراء ہیں ان کے بارے میں عقل ہماری کوئی رہنمائی نہیں کرتی،

عقل کے بعد کشف و وجدان کا مرتبہ ہے جو لوگ اپنے نفس اور روح کا تزکیہ کرلیتے ہیں اور مراقبوں اور مجاہدوں کے ذریعہ اپنی صلاحیتوں کو اُجاگر کرلیتے ہیں ان کے دل میں علم کی شمع روشن ہوجاتی ہے جو باتیں عقل و حواس کے ذریعہ معلوم نہیں ہوسکتیں ان کا علم کشف و وجدان سے ہوجاتا ہے۔

لیکن علم کے یہ سارے ذرائع طبعی اور ذاتی ہیں جن سے قطعی اور یقینی علم حاصل نہیں ہو سکتا اگر ایسا ہو سکتا تو اہلِ وجدان اور اصحابِ عقل میں کوئی اختلاف نہ ہوتا جبکہ ہمارا مشاہدہ اس کے بالکل برعکس ہے۔

انسان کی خواہش ہے کہ مجھے قطعی اور یقینی علم حاصل ہو،
میرا علم شکوک و شبہات سے پاک ہو،
مجھے اپنے مبدا و منتہا کا علم ہو،
مجھے اس کائنات کے آغاز اور انجام کا علم ہو

انسان پکارتا ہے اے ربِ کائنات تو نے میری ظاہری پیاس بجھانے کا تو انتظام کر دیا میری باطنی تشنگی کو بھی دور فرما۔

مجھے یقین کی منزل تک پہنچا دے
مجھے حقیقی علم عطا فرما دے

آواز آئی میرے بندے!

میں نے تجھے جبلت عطا کی مگر وہ تیرے سارے مسائل حل نہ کر سکی
میں نے تجھے حواس دیئے مگر وہ تیرے لئے کافی نہ ہوئے
میں نے تجھے عقل سے نوازا مگر تجھے یقین نصیب نہ ہوا
میں نے تجھے کشف و وجدان کی دولت عطا کی مگر تجھ پہ سربستہ راز منکشف نہ ہوئے۔

تو آ!

اب میں تجھے اپنا علم عطا کرتا ہوں
جو سراسر روشنی ہے
جو اوّل تا آخر قطعی اور یقینی ہے

جس پر شکوک و شبہات کی پرچھائیں بھی نہیں پڑ سکتی
جس میں باطل کا دخل ہو ہی نہیں سکتا
ھاں ھاں! کائنات کی ہر چیز بدل سکتی ہے
مگر میرا علم نہیں بدل سکتا
زمین و آسمان بدل سکتے ہیں
شمس و قمر بدل سکتے ہیں
روز و شب بدل سکتے ہیں
مگر میرا علم نہیں بدل سکتا
پس میں اپنا یہ علم انبیاء کے پاکیزہ قلوب پر نازل کروں گا

سینے ان کے ہوں گے	کتاب میری ہوگی
زبان ان کی ہوگی	علم میرا ہوگا
لب ان کے ہوں گے	باتیں میری ہوں گی
تفسیریں ان کی ہوں گی	متن میرا ہوگا
تبلیغ ان کی ہوگی	پیام میرا ہوگا
محنت ان کی ہوگی	کام میرا ہوگا
تنفیذ ان کی ہوگی	حکم میرا ہوگا
خلافت ان کی ہوگی	ہدایت میری ہوگی
اطاعت ان کی ہوگی	عبادت میری ہوگی
امّت ان کی ہوگی	خلعت میری ہوگی
شفاعت ان کی ہوگی	مغفرت میری ہوگی
دُعا ان کی ہوگی	اجابت میری ہوگی

ہاتھ ان کے ہوں گے   رحمت میری ہو گی
دامن ان کے ہوں گے   عنایت میری ہو گی

پھر، جس کسی کو ہدایت اور علم و یقین کی طلب ہو گی اُسے درِ نبوت پر دستک دینا ہو گی

علم کا سفر آدم سے شروع ہوا اور ارتقائی منزلیں طے کرتا ہوا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آکر ختم ہو گیا۔

تمام انبیاء کو جتنا جتنا علم مختلف اوقات میں دیا گیا تھا وہ سارے کا سارا سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دیا گیا۔

اب اگر کسی کو ہدایت مل سکتی ہے تو آپ ہی کے درِ فیض بخش سے مل سکتی ہے۔

اگر کسی کو علم الٰہی مل سکتا ہے تو مکتبِ محمدی ہی سے مل سکتا ہے۔

اسی علم کے بارے میں فرمایا

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۝ (سورۃ البقرہ پ۱ ع۱)

یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔

اسی علم کے بارے میں کہا گیا:

لَا يَأْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝ (سورۂ حٰم سجدہ پ۲۴ ع ۱۹)

جس میں غیر واقعی باتیں نہ اس کے آگے کی طرف سے آسکتی ہے اور نہ اس کے پیچھے کی طرف سے۔ یہ خدائے حکیم محمود کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔

اسی علم کے بارے میں کہا گیا:

لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۝ سورۂ یونس پ۱۱ ع ۱۲

اللہ کی باتوں میں کچھ فرق ہوا نہیں کرتا۔

اس علم کے علاوہ جو کچھ ہے وہ شک ہے، گمان ہے، قیاس ہے، تخمین ہے اٹکل ہے۔

تیسری بات: جو آج کی نشست میں بیان کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نبوت ملنے سے پہلے بھی معصوم ہوتے ہیں اور نبوّت ملنے کے بعد بھی معصوم ہوتے ہیں۔ نبی سے کبھی کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا وہ خواہشات اور جذبات سے کبھی مغلوب نہیں ہوتا۔

آپ غور فرمائیں کہ اگر نبی بھی گناہ کا ارتکاب کرے تو اس کی زندگی نمونہ کیسے بن سکتی ہے، اور پھر لوگوں کو علی الاطلاق نبی کی اطاعت کا حکم کیسے دیا جا سکتا ہے؟ کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہوگا کہ ساری انسانیت کو بھی گناہ میں مبتلا کر دیا جائے جبکہ ہمیں بار بار اَطِیۡعُوا اللّٰہَ کے ساتھ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ بھی کہا گیا ہے۔

نبی کیوں معصوم ہوتا ہے

اور نبی کے معصوم ہونے کی پہلی وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی طینت اور مادہ اتنا پاک رکھا جاتا ہے کہ اس کے اندر گناہ کی کھیت ہی نہیں ہوتی۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء کا بدن جنّت کی مٹی سے بنایا جاتا ہے اور دنیا کی مٹی میں ظلمت اور کدورت ہے اور جنّت کی مٹی میں طہارت، لطافت اور نورانیت ہے

مشہور قاعدہ ہے "کُلُّ شَیۡءٍ یَرۡجِعُ اِلٰٓی اَصۡلِہٖ" انبیاء چونکہ جنتی الاصل ہیں اس لئے وہ اپنی اصل یعنی طہارت اور تقدس کی طرف جاتے ہیں اور ہماری اصل میں چونکہ کدورت اور ظلمت ہے اس لئے ہم گناہوں کی ظلمت کی طرف بڑھتے ہیں انبیاء چونکہ پاک طینت ہوتے ہیں اس لئے شریعت نبی کی طبیعت پر اُترتی ہے، جتنے افعال انبیاء سے صادر ہوتے ہیں وہی شریعت بنتے ہیں۔

دوسری وجہ: نبی کے معصوم ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام

کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال کا مشاہدہ ہوتا ہے، ان کا دل ہر وقت حق تعالیٰ کی تجلّیات کا مشاہدہ کرتا رہتا ہے اور ظاہر بات ہے کہ اگر آپ بادشاہ کے دربار میں جائیں اور بادشاہ سامنے تخت پر جلوہ افروز ہو تو اس وقت آپ کو یہ تصوّر آئیگا؟ کہ آپ اُس بادشاہ کے سامنے اس کی حکم عدولی کریں، اس کی نافرمانی کریں، نافرمانی تو کیا غایتِ ادب کی وجہ سے نگاہ بھی نہ اُٹھ سکے گی۔ جب ایک معمولی بادشاہ کے مشاہدہ کا اثر انسان پر یہ پڑتا ہے کہ وہ نہ بے ادبی کر سکتا ہے نہ نافرمانی کر سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا مشاہدہ جس کو ہر وقت حاصل رہے اس کے لئے کیا ممکن ہے کہ وہ احکم الحاکمین کی نافرمانی کا تصوّر بھی کرلے،

تیسری وجہ : نبی کے معصوم ہونے کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کی حفاظت کرتا ہے۔ اگر کسی وجہ سے بتقاضائے بشریّت اس کی طبیعت گناہ کی طرف مائل ہو بھی جائے تو اُسے ایسا کرنے نہیں دیا جاتا۔ قرآن حکیم میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا :

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰى بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۝ (سورۃ یوسف پ۱۲ ع ۱۴)	اور اس عورت کے دل میں تو ان کا خیال جم ہی رہا تھا اور ان کو بھی اس عورت کا کچھ کچھ خیال ہو چلا تھا اگر اپنے رب کی دلیل کو انہوں نے نہ دیکھا ہوتا تو زیادہ خیال ہو جانا عجب نہ تھا۔

خدائی حفاظت : پیغمبر کی غیبی حفاظت کا اندازہ اُن دو واقعات سے لگایا جا سکتا ہے جو آپ نے خود بیان فرمائے۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ میری عمر چودہ سال کی تھی، مکہ میں قریش میں کوئی شادی تھی، ہم عمروں نے پروگرام بنایا کہ ہم بھی شادی میں شریک ہوں اور کھیل تماشے دیکھیں۔

آپؐ فرماتے ہیں کہ میں بھی ساتھ چلا گیا۔ کھیل تماشے ابھی شروع نہیں ہوئے

تھے کہ مجھ پر اتنی شدید نیند طاری ہوئی کہ مجھے ہوش نہ رہا اور یوں میں ساری رات بے خبر سوتا رہا یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور محفل ختم ہو گئی۔[1]

دوسرا واقعہ کچھ یوں ہے کہ قریش سال میں ایک مرتبہ بوانہ نام کے ایک بُت کا دن منایا کرتے تھے، وہ رات بھر اس کے گرد بیٹھ کر جاگتے، گاتے، اُسے چھوتے اور جانور ذبح کرتے تھے، آج کل کی زبان میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ:

وہ بوانہ بابا کا عرس مناتے تھے،
محفلِ سماع ہوتی تھی،
قوال اور فنکار اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کرتے تھے،
مرادیں مانگی جاتی تھیں،
نذریں چڑھائی جاتی تھیں،
اور، لنگر تقسیم ہوتا تھا۔

ابو طالب نے اپنے لاڈلے بھتیجے کو بھی چلنے کو کہا، دوسرے لوگوں نے بھی اصرار کیا مگر آپ نے انکار فرمایا، چند منچلوں نے آپ کو اُٹھا لیا اور زبردستی لے گئے، وہ آپ کو بوانہ بُت کے قریب لے جاتے ہی کو تھے کہ آپؐ بیہوش ہو گئے، بعد میں آپؐ نے چچا ابو طالب کو بتایا کہ جب یہ لوگ مجھے بُت کے قریب لیجانا چاہ رہے تھے تو مجھے گورے رنگ کا ایک لمبا تڑنگا مرد دکھائی دیا جس نے مجھے ڈانٹا اور چلّا کر کہا محمدؐ! اس بت کے قریب نہ جانا اس سے دور ہی رہنا۔

اس واقعہ کے بعد آپؐ کو کبھی کسی نے ایسی محفلوں میں چلنے پر مجبور نہ کیا۔

سب سے بڑی دلیل نبی کے معصوم ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ نبی کے کٹّر مخالفوں نے بھی کبھی نبی کی سیرت اور کردار پر انگشت نمائی نہیں کی۔

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے خطباتِ حکیم الاسلام جلد اوّل

آپ جانتے ہیں کہ انسان، دشمنی میں صحیح اور غلط، جھوٹ اور سچ کا فرق بھی اٹھالیتا ہے لیکن نبی کا کردار اتنا اُجلا اور اتنا صاف ستھرا تھا کہ نبی کے خون کے پیاسوں کو بھی یہ جُراَت نہ ہوئی کہ وہ نبی کے کریکٹر میں کیڑے نکالتے ،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں نے یہ تو کہا کہ :

آپ ساحر ہیں ،

آپ شاعر ہیں ،

آپ دیوانے ہیں ،

آپ ہمارے جیسے انسان ہیں ،

لیکن وہ یہ نہ کہہ سکے کہ :

آپ نے کبھی خیانت کی ،

کبھی کسی کا کوئی حق دبایا ،

کبھی کسی کی طرف غلط نگاہ اُٹھائی

کبھی وعدہ خلافی کی ،

بلکہ آپ نے تو خود اپنے آپ کو محاسبے کے لئے پیش کیا۔ کوہِ صفا پر کھڑے ہو کر فرمایا :

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (سورۃ یونس پ۱۱ ع ۲)	کیونکہ اس سے پہلے بھی تو ایک بڑے حصے عمر تک تم میں رہ چکا ہوں، پھر کیا تم اتنی عقل نہیں رکھتے ۔

میں نے تمہارے اندر رہ کر چالیس سال گزارے ہیں ۔

تم نے میرا بچپن دیکھا ہے ،

تم نے میری جوانی دیکھی ہے ،

تم نے میرے شب و روز دیکھے ہیں ،
تم نے میرے معاملات دیکھے ہیں ،

بتاؤ! تم نے مجھے سچّا پایا یا جھوٹا ؟

جواب میں پوری قوم پکار اُٹھی مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ كِذْبًا ہم نے آپ کو آج تک جھوٹ بولتے نہیں دیکھا ۔

دراصل نبی کی حفاظت خدا تعالیٰ خود فرماتے ہیں اسی لئے نبی کا بچپن اور نبوت ملنے سے پہلے کا زمانہ بھی ایسا پاکیزہ اور روشن ہوتا ہے کہ دشمن بھی انگشت نمائی نہیں کر سکتا ۔

اوصاف و خصوصیات

چوتھی بات جو آج کی تقریر میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ نبی تمام فضائل و کمالات کے باوجود ایک انسان اور خدا کا فرمانبردار بندہ ہوتا ہے ۔ وہ خدا یا خدا کا اوتار نہیں ہوتا ۔ ہر نبی اپنی بشریت اور بندگی کا اقرار علی الاعلان کرتا ہے ۔ حضرت عیسیٰ ؑ نے فرمایا :

اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۝	میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھ کو کتاب دی اور اس نے مجھ کو نبی بنایا ۔

(سورۃ مریم پ ۱۶ ع ۵)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی تو یوں فرمایا

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ ج اِنْ اَتَّبِعُ	آپ کہہ دیجیے کہ نہ تو میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا تعالےٰ کے خزانے ہیں اور نہ میں تمام غیبوں کو جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ

إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ط
(سورۃ انعام پ ۷ ع ۱۱)

ہوں۔ میں تو صرف جو کچھ میرے پاس وحی آتی ہے اس کا اتباع کر لیتا ہوں۔

اور کبھی یوں فرمایا

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝
(سورۃ انعام پ ۸ ع ۷)

بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادات اور میرا جینا اور مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو مالک ہے سارے جہان کا، اس کا کوئی شریک اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں سے پہلا ہوں۔

اور کبھی یوں فرمایا

اَللّٰهُمَّ إِنِّي عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ أَمَتِكَ نَاصِيَتِي بِيَدِكَ مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ

اے اللہ میں بندہ ہوں تیرا اور بیٹا ہوں تیرے بندے کا اور بیٹا ہوں تیری بندی کا میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے اور میرے بارے میں تیرا حکم نافذ ہے۔

ایک صحابی قیس بن سعد کو دوسرے ملک جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں انہوں نے دیکھا کہ لوگ جب رئیس شہر کے دربار میں جاتے ہیں تو سجدہ کرتے ہیں، لوٹ کر آئے تو حضور سے عرض کیا کہ آپ کو سجدہ کیا جائے، آپ تو (ان بادشاہوں سے) زیادہ مستحق ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میری قبر پر گذرو گے تو سجدہ کرو گے؟ کہا جی نہیں۔ آپ نے فرمایا تو پھر جیتے جی بھی سجدہ نہ کرنا چاہئے[۱]۔

ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں جا رہے تھے راستہ میں آپ کو دیکھ کر ایک شخص پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ کانپنے لگا آپ اس کے قریب تشریف لے گئے اور فرمایا ڈرو مت میں ایک ایسی قریشی خاتون کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کے ٹکڑے

---

[۱] ابوداؤد۔ کتاب النکاح

کھایا کرتی تھی (ترمذی)

اصل بات یہ ہے کہ بعض لوگ انسان کے مرتبے کو نہیں پہچانتے

وہ دیکھتے ہیں کہ انسان تو گنہگار خطاکار بھی ہوتا ہے،

وہ دیکھتے ہیں کہ انسان تو شرابی، زانی اور چور اچکا بھی ہوتا ہے،

وہ دیکھتے ہیں کہ انسان تو فریبی، مکار اور دغاباز بھی ہوتا ہے

وہ دیکھتے ہیں کہ انسان تو قارون، فرعون اور ابوجہل بھی ہوتا ہے،

وہ دیکھتے ہیں کہ انسان تو قاتل سنگدل اور خونخوار بھی ہوتا ہے۔

وہ دیکھتے ہیں کہ انسان تو ہلاکو خان اور چنگیز خان بھی ہوتا ہے۔

یہ بھولے بھالے لوگ جب اس قسم کے انسانوں کو دیکھتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ نبی انسان نہیں ہو سکتا، تو ایسے کم عقل لوگ حقیقت میں حقیقی انسان کے مرتبہ سے ناواقف ہیں۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے

گر بصورت آدمی انسان بُدے　　احمد و بوجہل ہم یکساں بُدے

کہ اگر صرف شکل ہی سے انسان ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل میں کچھ فرق نہ ہوتا۔ اور یہ کہ ؎

این کہ می بینی خلافِ آدم اند　　نیستند آدم غلافِ آدم اند

یہ جو تم دیکھتے ہو کہ انسانوں کے برعکس کام کرتے ہیں، یہ انسان نہیں ہیں، انسان کا غلاف ہیں۔ اور یہ کہ ؎

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست　　پس بہر دستے نباید داد دست

اے انسان بہت دفعہ ابلیس انسان کی شکل بنا کر آجاتا ہے، اس لئے ہر ہاتھ میں ہاتھ دے کر پیر نہ بنا لینا چاہیئے۔

سن لیجئے! ایک کامل انسان کا مرتبہ فرشتوں سے بھی بڑھ کر ہے اسی لئے

تو کہا گیا ہے ؎

فرشتوں سے بڑھ کر ہے انسان ہونا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

فرشتے گناہ نہیں کرتے تو کیا کمال ہے ان کے اندر گناہ کی صلاحیت ہی نہیں
فرشتے زنا نہیں کرتے تو کیا ہوا ان کے اندر تو شہوت ہی نہیں، فرشتے قتل و قتال اور جدل و نزاع نہیں کرتے تو کیا ہوا ان کو تو غصّہ ہی نہیں آتا، فرشتے چوری چکاری نہیں کرتے تو کیا کمال ہے ان کی تو ضروریات ہی نہیں۔

کمال تو اس انسان کا ہے جسے غصّہ آتا ہے مگر دبا لیتا ہے،
جس کی آنکھیں ہیں مگر غیر محرم کی طرف نہیں اٹھاتا،
جس کے اندر شہوت ہے مگر نا جائز محل میں استعمال نہیں کرتا،
جس کی بے پناہ ضروریات ہیں مگر کسی کے مال میں نا جائز تصرف نہیں کرتا،

انسان کا تو حال وہ ہے جو ایک فارسی شاعر نے بیان کیا ہے :

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہٗ
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

اگر انسان ہونا کمال کی بات نہ ہوتا تو پھر
فرشتوں سے انسان کو سجدہ نہ کرایا جاتا،
انسان کی خدمت کے لئے ملائکہ کو مقرر نہ کیا جاتا،
انسان کے دل پر علم ربّانی کو نازل نہ کیا جاتا،
انسان کو منصبِ خلافت پر فائز نہ کیا جاتا،
اگر انسان ہونا کوئی کمال نہ ہوتا تو انسان کو معراج میں اس مقام تک نہ لے جاتا جہاں فرشتے بھی نہیں جا سکتے۔

اگر انسان ہونا کوئی کمال نہ ہوتا تو ۔

انسان خلیل اللہ نہ ہوتا

انسان کلیم اللہ نہ ہوتا ،

انسان روح اللہ نہ ہوتا ،

انسان حبیب اللہ نہ ہوتا ،

اپنی انسانیت پر پیغمبروں کی انسانیت کو قیاس نہ کرو ، ان کی انسانیت کے سامنے تو ملکوتیت ہاتھ باندھے کھڑی ہے ۔

کیا نورانیوں کی کیا مجال ہے کہ خاکیوں کا مقابلہ کریں ، ہاں شرط ہے تو صرف یہ کہ خاکی انسان خدا کا کامل بندہ بن جائے اور انبیاء چونکہ بندگی کے اعلیٰ ترین مقام پر تھے اس لئے وہ بشر ہونے کے باوجود فرشتوں سے اعلیٰ و افضل تھے ۔

ایک دوسرے پہلو سے بھی غور کریں وہ یہ کہ :

خدا نے زمین بنائی	تو	انسان کے لئے
آسمان کو سجایا	تو	انسان کے لئے
سورج اور چاند محوِ گردش ہیں	تو	انسان کے لئے
ندی نالے نہریں اور دریا رواں ہیں	تو	انسان کے لئے
نباتات اور جمادات کو وجود دیا	تو	انسان کے لئے

حیوانات کا گوشت ، دودھ اور جملہ منافع انسان کے لئے

کعبہ تعمیر کرایا	تو	انسان کے لئے
قرآن کو نازل کیا	تو	انسان کے لئے

جس انسان کے لئے خدا نے اتنا کچھ کیا ہے خدارا ٹھنڈے دل سے سوچئے اس انسان کی کوئی قدر و قیمت نہیں !!

جس انسان کے حسنِ تخلیق کو بیان کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے سورۂ تین میں چار قسمیں کھائی ہیں، وہ انسان اتنا ذلیل و حقیر ہے کہ ہم انبیاء کی بشریت ہی کا انکار کر دیں۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کیسے پیارے دو شعر کہے ہیں

میری ہستی میں ہے مضمر ہستیٔ عالم کا راز | ہے یہ سب ایجاد شورِ کن فکان میرے لئے
کیوں نہ ہو روزِ ازل میں ہو چکی تقسیمِ کار | میں ہوں مالک کے لئے اور کل جہاں میرے لئے

انسان تو اشرف المخلوقات ہے۔ البتہ ہم میں سے بعض لوگ حیوانیت کی سطح تک پہنچ چکے ہیں۔ آئیے! ہم انبیاء کی اقتداء کر کے اپنے اندر انسانیت پیدا کر کے خدا کے محب اور محبوب بن جائیں

وما علینا الا البلاغ

محبتِ نبوی ﷺ

حبیبِ پاک کسی کا خطاب کیا ہوگا
وہ لاجواب ہیں ان کا جواب کیا ہوگا

مدارِ کار ہے حُبِّ رسول پر ورنہ
عمل ہزار ہوں اچھے، ثواب کیا ہوگا

جو مستِ نکہتِ زلفِ نبی ہے اس کا دماغ
رہینِ منّتِ مُشک و گلاب کیا ہوگا

جلیل مانکپوری، المتوفی ۱۹۴۶ء

"میں تو صاف کہتا ہوں کہ جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے محبّت نہیں اُسے صفاتِ کریمانہ اور اخلاق حسنہ
سے محبّت نہیں، اُسے صداقت و دیانت سے محبّت نہیں، اُسے
نجابت و شرافت سے محبّت نہیں، اُسے ایثار اور شفقت و رأفت
سے محبّت نہیں، اُسے جود و سخا اور ہمدردی و غمخواری سے محبّت
نہیں، اسے شرم و حیا اور عفّت و پاکدامنی سے محبّت نہیں اور
جسے ان اخلاق سے محبّت نہیں وہ انسان نہیں بلکہ انسان کے
لباس میں ایک حیوان ہے، ایک وحشی درندہ ہے"

❋ ❋ ❋

محبّتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْم

اَمَّا بَعْد !

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

○ اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْهِمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

سورۃ الاعراف پ ۹ ع ۹

جو لوگ ایسے رسول نبی اُمّی کا اتباع کرتے ہیں، جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بُری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو اُن کے لئے حلال بتلاتے ہیں اور گندی چیزوں کو اُن پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں، سو جو لوگ اس نبی پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے اور اُس نور کا اتباع کرتے ہیں جو اُن کے ساتھ بھیجا گیا ہے۔ ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔

○ قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ (سورۃ التوبۃ پ ع ۹)

آپ کہدیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کُنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو، تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیجدیں۔

○ اَلنَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ (سورہ احزاب پ ع)

نبی مومنین کے ساتھ خود اُن کے نفس سے بھی زیادہ تعلق رکھتے ہیں اور آپ کی بیبیاں ان (مومنوں) کی مائیں ہیں۔

○ لا یؤمن احدکم حتّٰی اکون احبّ الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین

کوئی شخص تم میں سے مومن نہیں بن سکتا جب تک اُسے رسول اللہ کے ساتھ ماں باپ اور اولاد اور باقی سب اشخاص سے بڑھ کر محبت نہ ہو۔

○ لا یؤمن أحدکم حتّٰی أکون أحبّ إلیہ من أھلہ و مالہ (صحیح ابن خزیمۃ)

تم میں سے کوئی مومن نہیں بن سکتا جب تک میں اُسے اُس کے اہل و عیال و مال سے زیادہ محبوب نہیں ہوتا

○ من أحبّنی کان معی فی الجنّۃ

جو کوئی مجھ سے محبّت رکھتا ہے وہ میرے ساتھ جنّت میں ہوگا۔

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز !

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ بڑے بڑے حق ہم پر لازم ہیں. آپ کا پہلا حق یہ ہے کہ آپ پر ایمان لایا جائے ،

آپ کا دوسرا حق یہ ہے کہ زندگی کے تمام مسائل میں آپ کی اطاعت کی جائے۔

آپ کا تیسرا حق یہ ہے کہ آپ کی یعنی آپؐ کے لائے ہوئے دین کی نصرت کی جائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چوتھا حق یہ ہے کہ آپ کی تعظیم وتکریم کی جائے۔

اور سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پانچواں حق یہ ہے کہ آپؐ سے محبّت کی جائے اور یہ تعظیم ہی کا لازمی نتیجہ ہے۔ کیونکہ جو شخص آپ کی تعظیم کرے گا وہ آپؐ سے محبت بھی کرے گا۔ اور جس بدبخت کے دل میں آپؐ کی تعظیم نہیں ہوگی اس کا دل محبّت سے بھی خالی ہوگا۔

آج کی نشست میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت کے بارے میں قرآنِ حکیم احادیثِ مبارکہ اور صحابہ کے واقعات کی روشنی میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سچّی محبّت نصیب فرمائے۔

کہا جاتا ہے کہ جو لوگ کسی سے دلی محبت کرتے ہیں تو اس کے بڑے بڑے اسباب تین ہوتے ہیں ○ کمال ○ جمال ○ احسان

کیا مال سببِ محبّت ہے؟ بعض لوگوں نے ان اسباب میں مال کو بھی شمار کیا ہے لیکن میں مال کو اس لئے شمار نہیں کرتا کیونکہ مال داری کی وجہ سے خوشامد اور چاپلوسی تو کی جاتی ہے، محبّت نہیں کی جاتی۔ ویسے اس میں شک نہیں کہ ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کا سب سے بڑا مال دار انسان تھا، کیونکہ مال داری

روپے پیسے کی کثرت کا نام نہیں بلکہ دل کی غنا اور سخاوت کا نام ہے اور سخاوت میں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال چشمِ فلک نے آج تک نہیں دیکھی۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں :

ماسئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیئاً قطّ فقال لا ۔ (بخاری و مسلم)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی کسی چیز کا سوال نہیں کیا گیا جس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لا (نہیں) فرمایا ہو

اسی حدیث کا مفہوم کسی نے یوں ادا کیا ہے

نرفت لا بہ زبانِ مبارکش ہرگز
مگر بہ اَشْهَدُ اَن لَّآ اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰه

شاعر کہتا ہے کہ کلمہ شہادت کے لا کے علاوہ آپ کی زبان مبارک پر کبھی لا نہیں آیا۔

حضرت ابوھریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام اعلان فرما رکھا تھا

من ترك دیناً فعلیّ ومن ترك مالاً فلورثته (مشکوٰۃ)

جو مسلمان قرضہ چھوڑ کر مریگا میں اسے ادا کروں گا اور جو مسلمان ورثہ چھوڑ کر مرے گا اُسے اس کے وارث سنبھالیں گے۔

ایسا بھی ہوا کہ آپ کے پاس تھوڑی سی چاندی تھی کوئی لینے والا نہ ملا تو آپؐ کو رات بھر نیند نہیں آئی۔ اُم المومنینؓ نے بے قراری کی وجہ پوچھی تو ارشاد فرمایا مجھے ڈر ہے کہ مبادا یہ میرے پاس ہو اور مجھے موت آجائے۔

بعض اوقات آپ کے پاس سائل آیا مگر اسے دینے کے لئے آپ کے پاس کچھ نہیں تھا تو آپؐ نے قرض لے کر اُس کی حاجت پوری کی۔

تو عرض یہ کر رہا تھا کہ اگر مالداری کو بھی اسبابِ محبت میں شمار کیا جائے تو ہمارا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دل کا غنی اور بہت بڑا مالدار تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ مالداری

کی وجہ سے کسی سے قلبی محبّت ہوتی نہیں ہاں چاپلوسی اور کاسہ لیسی کرنے والے بہت ہوتے ہیں۔

محبت کے اصل اسباب تین ہی ہیں کمال جمال احسان

محبّت کا پہلا سبب کمال | محبت کا پہلا سبب کمال ہے ہزاروں لوگ ایسے گذرے ہیں جن کو ہم نے نہ دیکھا ہے، نہ ان سے ہماری قرابت داری ہے، نہ ان سے ہمیں کوئی مالی فائدہ حاصل ہو رہا ہے مگر ہم ان سے صرف اُن کے کمالات کی وجہ سے محبت کرتے ہیں

ہم حاتم طائی سے محبّت رکھتے ہیں اس کی جود و سخا کی وجہ سے،

ہم نوشیروان سے محبت رکھتے ہیں اس کے عدل و انصاف کی وجہ سے،

ہم رستم و اسفندیار کا تذکرہ بڑے فخر سے کرتے ہیں ان کی شجاعت اور مردانگی کی وجہ سے،

ہم سقراط و افلاطون کا نام پیار سے لیتے ہیں اُن کے علم و حکمت کی بنا پر

ہم فردوسی اور سعدی سے عقیدت رکھتے ہیں ان کی قوتِ گویائی کی بنا پر،

ہم سحبان سے محبّت کرتے ہیں اس کی خطابت اور طلاقتِ لسانی کی بنا پر،

ہم لبید و متنبّی کا تذکرہ کرتے ہیں ان کی فصاحت و بلاغت کی بنا پر،

ہم شکسپیر اور ہومر کی بات کرتے ہیں ان کے ادبی کمال کی بنا پر،

ہم مصر کی قلوپطرہ کا نام لیتے ہیں اُس کے حُسن و جمال کی بنا پر

ہم مجنوں اور رانجھے کی مثال دیتے ہیں اُن کے کمالِ عشق کی وجہ سے تو ہم اُس ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبّت کیوں نہ کریں جو تمام کمالات کا مجموعہ تھی، پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان لوگوں میں جو کمال پایا جاتا تھا وہ ناقص تھا اور میرے پیغمبر کا ہر کمال کامل تھا۔

میں حاتم طائی کی سخاوت کو مانتا ہوں مگر حاتم کی سخاوت اُس ذاتِ اقدس کی سخاوت کا مقابلہ کیسے کر سکتی ہے جس نے دوست کو بھی فائدہ پہنچایا، دشمن کو بھی

جس نے ظاہر کو بھی مالا مال کیا باطن کو بھی

جس کی زبان پہ کلمۂ شہادت کے لا کے علاوہ کبھی لا آیا ہی نہیں،

جس کی سخاوت کا سلسلہ اُس کے دنیا سے چلے جانے کے بعد جاری ہے،

جو دنیا میں بھی نوازتا رہا آخرت میں بھی اپنی امت کو نوازے گا

میں نوشیروان کے عدل و انصاف کو تسلیم کرتا ہوں مگر نوشیروان کے عدل کو اس رسولِ ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کے عدل سے کیا نسبت ؟

جس نے عرب کے انتقامی اور ظالمانہ ماحول میں عدل کے میٹھے چشمے جاری کئے۔

جس نے اعلان کیا کہ اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا

جس نے بدلہ لینے کے لئے اپنی کمر امت کے عام آدمی کے سامنے ننگی کر دی۔

جس کے غلاموں نے قیصر و کسریٰ کے استبداد کا خاتمہ کر کے میزانِ عدل قائم کر دی۔

میں رستم واسفندیار کی شجاعت تسلیم کرتا ہوں مگر اُس عظیم بہادر کے کیا کہنے جس نے بغیر لشکر اور بغیر ہتھیاروں اور مال و دولت کے سالہا سال تک عرب کے وحشی درندوں کا تنہا مقابلہ کیا،

میں سقراط و افلاطون کے علم و حکمت سے انکار نہیں کرتا مگر اُس باب العلم والحکمۃ کے کیا کہنے جس کے فیضانِ علم سے سقراط و افلاطون جیسے سینکڑوں اربابِ علم و حکمت پیدا ہو گئے۔

مجھے سحبان کی قوّتِ خطابت سے انکار نہیں مگر اُس عظیم خطیب کے کیا کہنے جس کی تاثیرِ خطابت سے پتھر بول پڑے اور سنگدل انسانوں کی زندگیوں کی کایا پلٹ گئی۔

مجھے شیکسپیئر اور ہومر، متنبّی اور لبید کی فصاحت وبلاغت سے انکار نہیں مگر اُس فصیحِ اعظم کے کیا کہنے جس کی فصاحت وبلاغت کا عرب وعجم میں سے کوئی بھی جواب نہ دے سکا۔

قلوپطرہ کے حُسن کی بات نہ کرو کیونکہ خاک کو آسمان سے اور ذرّہ کو ریت سے کیا نسبت ماہِ عرب کے حُسن وجمال کا مقابلہ تو مصر کا وہ حسین بھی نہیں کرسکتا جس کے حُسن نے چند بازاری عورتوں کے ہوش وحواس گم کردیئے تھے تو اگر ان لوگوں سے ان کے کمالات کی وجہ سے محبّت کی جاتی ہے تو پھر اُس عظیم انسانؐ سے محبّت کیوں نہ کی جائے جس میں یہ سارے کمالات علی وجہ الکمال پائے جاتے ہیں۔

مجموعۂ کمالات | پھر بات صرف اتنی نہیں کہ صرف یہی کمالات ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں پائے جاتے ہیں بلکہ ہمارا تو دعویٰ ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو جو کمالات فرداً فرداً عطا کیے گئے وہ سارے کمالات ربِّ کائنات نے خاتم النبیّین رحمۃ للعالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع کردیئے تھے آپ کی ذات میں۔

آدمؑ کا خُلق
شیثؑ کی معرفت
نوحؑ کا جوشِ تبلیغ
ابراہیمؑ کا ولولۂ توحید
اسماعیلؑ کا ایثار

اسحاقؑ کی رضا
صالحؑ کی فصاحت
لوطؑ کی حکمت
موسیٰؑ کا جلال
ھارونؑ کا جمال
یعقوبؑ کی تسلیم و رضا
داؤدؑ کی آواز
ایوبؑ کا صبر
یونسؑ کی اطاعت
یوشعؑ کا جہاد
دانیال کی محبت
الیاسؑ کا وقار
یوسفؑ کا حُسن
یحییٰؑ کی پاکدامنی
اور عیسیٰؑ کا زُہد جیسے اوصاف یکجا جمع کر دیئے گئے تھے۔

حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں :

جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں
تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

اور ایک دوسرا شاعر کہتا ہے :

حُسنِ یوسُف، دمِ عیسٰی، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

پیکرِ اخلاق | وہ کونسا خلق، وہ کونسی صفت اور کونسا کمال ہے جو محبوب رب العالمین میں نہیں تھا۔

حیا کا یہ عالم تھا کہ حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پردہ نشین کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیادار تھے۔

تواضع کی یہ حالت تھی کہ غلاموں اور خادموں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا لیتے غریبوں کی عیادت فرماتے، فقراء کے ہمنشین ہوتے، امتیازی نشست اختیار نہ فرماتے، گھر کے چھوٹے موٹے کام اپنے ہاتھ سے کرتے، ضعیفوں کا بوجھ خود اٹھا لیتے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں ایک شخص نے آپ کے ہاتھ کو بوسہ دینا چاہا، آپؐ نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا اور فرمایا :

ھذا تفعله الاعاجم بملوکھا	یہ تو عجمی لوگ اپنے بادشاہوں کے ساتھ
ولست بملكٍ انما أنا رجلٌ	کیا کرتے ہیں، میں بادشاہ نہیں ہوں، تم
منکم۔	میں سے ایک ہوں

خوش اخلاقی کی یہ حالت تھی کہ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں دس برس تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا، آپ نے مجھے کبھی اُف تک نہیں کہا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تو نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔

عبداللہ بن حارثؓ کہتے ہیں کہ میں نے کسی شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوش خلق اور خوش مزاج نہیں دیکھا۔

شجاعت کا یہ عالم تھا کہ جنگ حُنین میں جب مشرکوں کے سخت حملے کی تاب نہ لاکر مسلمان اِدھر اُدھر بکھر گئے تو آپ خچر پر سوار ہو کر دشمن کو للکارتے ہوئے یہ رجز یہ شعر پڑھ رہے تھے :

انا النبیّ لا کذب	انا ابن عبد المطلب
میں سچا پیغمبر ہوں	میں ابن عبد المطلب ہوں

عفو و درگذر کی انتہا یہ تھی کہ فتح مکہ کے موقع پر اپنے خون کے پیاسوں کو ۔ صحابہ پر مکہ کی زمین تنگ کرنے والے درندوں کو
بلال رضؓ و خبیب رضؓ پر ظلم ڈھانے والے ظالموں کو
سمیہ رضؓ اور یاسر رضؓ کو شہید کرنے والے وحشیوں کو یہ کہکر معاف کر دیا :
لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ آج تم پر کچھ الزام نہیں، اللہ تم کو معاف کر دے اور بے شک وہ رحم کرنے والوں میں سے سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے ۔
حضرت حمزہ رضؓ کے قاتل وحشی اور کلیجہ چبانے والی ہندہ تک کو معاف کر دیا ۔
صبر و شکر کی انتہا یہ تھی کہ سیدہ عائشہ رضؓ کے بقول بعض دفعہ ایک ہفتہ تک گھر میں چولھا نہ جلتا تھا اور صرف کھجوروں اور پانی پر گذارہ ہوتا تھا، مگر آپؐ پھر بھی انتہائی صبر کے ساتھ خدا کا شکر ادا کرتے تھے
محبّت و شفقت کا یہ عالم تھا کہ انسانوں کے علاوہ حیوانوں پر بھی آپ بے حد شفیق تھے اور آپؐ کی شفقت کا نتیجہ تھا کہ حیوانوں پر ظلم ہوتا تو وہ بھی آپؐ کے پاس شکایت لے کر آتے ،
سچّائی کا یہ عالم تھا کہ دشمنوں تک نے آپؐ کے سچّا ہونے کا اقرار کیا ، جنگِ بدر میں اخنس بن شریق نے ابوجہل سے پوچھا، اے ابوالحکم ! یہاں ہم دونوں کے سوا تیسرا نہیں سچ بتانا کہ محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچا ہے یا جھوٹا؟
ابوجہل نے جواب دیا خدا کی قسم بے شک محمّد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچ بولتا ہے اور اس نے کبھی غلط بیانی نہیں کی۔[1]
حضرت علی رضؓ سے روایت ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپؐ کا طریقہ کیا ہے؟ فرمایا :

---

[1] الشفا

المعرفة رأس مالی — میرا رأس المال (اصل سرمایہ) تو — معرفت ہے

والعقل أصل دینی — میرے دین کی جڑ — عقل ہے

والحب أساسی — میری بنیاد — محبّت ہے

والشوق مرکبی — میری سواری — شوق ہے

وذکر اللہ أنیسی — میرا انیس — ذکرِ الٰہی ہے

والثقة کنزی — میرا خزانہ — اعتماد برخدا ہے

والحزن رفیقی — میرا ساتھی — غمِ دل ہے

والعلم سلاحی — میرا ہتھیار — علم ہے

والصبر ردائی — میرا لباس — صبر ہے

والرضاء غنیمتی — میرا مالِ غنیمت — رضائے سبحانی ہے

والعجز فخری — میرا فخر — عجز بدرگاہ ربانی ہے

والزھد حرفتی — میرا پیشہ — زُھد ہے

والیقین قوّتی — میری خوراک — یقین ہے

والصدق شفیعی — میرا شفیع — صدق ہے

والطاعة حسبی — میرا اندوختہ — طاعتِ الٰہی ہے

والجھاد خلقی — میرا خُلق — جہاد ہے

وقرّة عینی فی الصلوٰة — میری آنکھوں کی ٹھنڈک — نماز میں ہے

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیّب صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپؐ کے اخلاق کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

خُلقِ عظیم

اخلاق کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اخلاق میں بھی سب سے اونچا مقام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا، اور یہ قاعدہ کی بات

ہے کہ جو مقام سب سے آخری اور اونچا ہوتا ہے تو نیچے کے سارے مقامات اس میں جمع ہوتے ہیں۔ مثلاً آپ یوں کہیں کہ فلاں آدمی "بخاری" پڑھا ہوا ہے، تو بخاری آدمی کب پڑھے گا؟ پہلے میزان منشعب پڑھے، پھر قدوری پڑھے پھر شرح وقایہ پڑھے، پھر ھدایہ پڑھے، تب جا کے بخاری پڑھے گا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جسے بخاری آگئی اُسے میزان بھی آگئی۔ اُسے منشعب بھی آگئی، اُسے شرح وقایہ بھی آگیا، ھدایہ بھی آگیا، ساری نیچے کی کتابیں آگئیں۔ لیکن جو میزان پڑھ چکا ہے ضروری نہیں کہ اسے بخاری بھی آجائے۔ تو نیچے کی چیز جاننے سے اوپر کی چیز کا جاننا ضروری نہیں، مگر اوپر والی چیز کو جان جائے تو نیچے کی ساری چیزیں جان جائے گا۔

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اخلاق کا اعلیٰ مقام دے دیا گیا، تو اس کے نیچے جتنے مقامات تھے وہ خود بخود آگئے۔ تو آپؐ جامعِ اخلاق بھی ہیں۔

اور وہ کس طرح سے؟

وہ یہ کہ ہم نے جہاں تک غور کیا تو قرآن واحادیث سے اخلاق کی تین قسمیں معلوم ہوتی ہیں ایک اخلاقِ حسنہ، ایک اخلاقِ کریمانہ اور ایک اخلاق عظیم۔

خلق حسن یہ اخلاق کا ابتدائی درجہ ہے۔ حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خطاب فرمایا کہ یا خلیلی حسّن خلقك اے میرے خلیل اپنے اخلاق کو حَسَن بناؤ اگرچہ کفار کے ساتھ معاملہ پڑے تب بھی اخلاقِ حسنہ سے پیش آؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک خُلق ہے جس کی تعلیم حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی گئی۔

ایک **خلق کریم** ہے جسے حدیث میں آپؐ فرماتے ہیں بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الاخلاق میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ کریمانہ اخلاق مکمل کر کے تمہارے سامنے

پیش کر دوں

اور ایک **خلق عظیم** ہے جو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی خلق ہے جس کو قرآن میں فرمایا گیا وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ اے نبی آپ خُلقِ عظیم کے اوپر ہیں، تو تین قسمیں نکلیں

ان تینوں میں فرق کیا ہے؟ خُلقِ حسن ابتدائی درجہ ہے، خلقِ کریم درمیانہ درجہ ہے اور خلق عظیم انتہائی درجہ ہے۔

خلق حسن کہتے کسے ہیں؟ عدلِ کامل کو۔ یعنی معاملہ میں کوشش کرو کہ اس میں حدِ اعتدال سے نہ گزرو۔ اگر آپ کو کوئی خدانخواستہ ایک تھپڑ مار دے تو آپ نے بھی اتنے ہی زور سے مار دیا جتنی زور سے اس نے مارا تھا تو کہا جائیگا کہ آپ خُلقِ حسن کے اوپر ہیں۔ اگر آپ تھپڑ کے جواب میں مُکّہ مارتے تو کہا جاتا کہ بڑے بداخلاق آدمی ہیں، اس نے تھپڑ مارا تھا آپ نے مُکّہ مار دیا، تعدّی کی اور زیادتی کی۔ تو تعدّی اور ظلم سے بچ جانا یہ خُلقِ حسن ہے۔ یعنی عدل کے اوپر قائم رہنا، بال برابر اس چیز کا پورا پورا بدلہ دے دینا یہ خلق حسن کا مفہوم ہے۔

اسی طرح اگر آپ نے کسی کو ایک روپیہ دیا ہے اور آپ خواہش مند ہیں کہ بدلے میں وہ بھی مجھے ایک دے تو یہ خلق حسن کی بات ہے، اور اگر آپ یوں کہیں کہ میں تو دوں ایک اور اس سے دو وصول کروں یا پانچ۔ تو کہا جائے گا کہ یہ بداخلاقی کی بات ہے۔ یہ زیادتی کی بات ہے تو خلق حسن کا حاصل اعتدال اور معاملات کا عدل ہے

علیٰ ہذا القیاس اگر کوئی شخص کسی کے اوپر حملہ کر کے اس کی آنکھ پھوڑ دے تو اسے بھی حق حاصل ہے کہ حملہ کر کے آنکھ پھوڑ دے مگر ایک ہی پھوڑے گا، دو نہیں پھوڑیگا دو پھوڑے گا تو کہا جائے گا کہ ظالم ہے۔ تو غرض خلق حسن کا حاصل یہ ہوا کہ اَدَل بَدَل ہو

پورا پورا ہو، عدل کے مطابق ہو، انصاف کے مطابق۔ اس سے گذرنا بداخلاقی ہے۔

دوسرا درجہ خُلقِ کریم کا ہے اس میں اَدَل بَدَل تو نہیں ہوتا۔ اس میں ایثار ہوتا ہے کہ دوسرا زیادتی کرے آپ اسے معاف کر دیں۔ ایک نے تھپڑ مارا، آپ نے کہا مجھے حق تو تھا بدلہ لینے کا مگر اس احمق اور بے وقوف سے کیا بدلہ لوں۔ جاہیں معاف کرتا ہوں۔ یہ کریمانہ خلق ہے۔ دوسرے نے گالی دی، آپ کو بھی حق تھا کہ اتنی زیادتی آپ بھی کرتے لیکن آپ نے معاف کر دیا تو یہ ایثار کا درجہ ہے اس کو خلق کریم کہیں گے

اور تیسرا درجہ خلق عظیم کا ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کے ساتھ کوئی زیادتی کرے تو نہ صرف یہ کہ آپ معاف ہی کر دیں بلکہ اُلٹا اس کے ساتھ احسان بھی کریں، یہ خلق عظیم کہلاتا ہے جس کو حدیث میں فرمایا گیا کہ "صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ وَأَحْسِنْ إِلَىٰ مَنْ أَسَاءَ إِلَيْكَ" جو تمہارے ساتھ قطع تعلق کرے تم جوڑنے کی کوشش کرو، جو تمہارے ساتھ بُرائی کرے تم اس کے ساتھ بھلائی کرنے کی کوشش کرو۔ یہ خلق عظیم کہلاتا ہے اور یہ خلق جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔

محبّت کیوں نہ ہو! آپ خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ جس ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے اوصاف وکمالات جمع ہوں اُس سے محبت کرنی چاہیے یا نہیں؟

دنیا والے ——— کسی کی ذہانت پر ناز کرتے ہیں

کسی کی شجاعت پر ناز کرتے ہیں

کسی کی جود وسخا پر ناز کرتے ہیں

کسی کے عدل وانصاف پر ناز کرتے ہیں
کسی کے ایثار اور خدمتِ خلق پر ناز کرتے ہیں

تو میں اُس پیغمبر پر ناز اور اس سے محبت کیوں نہ کروں جس کے اندر یہ ساری صفات اور کمالات علی وجہ الکمال پائے جاتے تھے، اور جس نے لاکھوں کروڑوں انسانوں کو یہ اخلاق و اوصاف سکھا دیئے۔ اُس نے کسی کو صدیق بنا دیا، کسی کو عادل بنا دیا، کسی کو سخی بنا دیا، کسی کو شیرِ خدا بنا دیا

میں تو صاف کہتا ہوں کہ جس کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہیں اُسے ان صفات و اخلاق سے محبت نہیں

اُسے صداقت و دیانت سے محبت نہیں
اُسے نجابت و شرافت سے محبت نہیں
اُسے ایثار اور شفقت و رافت سے محبت نہیں
اُسے جود و سخا اور ہمدردی و غمخواری سے محبت نہیں
اُسے شرم و حیا اور عفت و پاکدامنی سے محبت نہیں
اُسے تواضع، سادگی اور عجز و انکساری سے محبت نہیں
اُسے وقار و متانت اور عفو و درگزر سے محبت نہیں

اور جسے ان اخلاق سے محبت نہیں اسے انسانیت سے محبت نہیں

اور جسے انسانیت سے محبت نہیں وہ انسان نہیں بلکہ انسان کے لباس میں ایک حیوان ہے، ایک وحشی درندہ ہے۔ ورنہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کمالات اور اخلاق سے محبت رکھنے والا اور ان سے متصف ہونے کی خواہش رکھنے والا انسان اخلاق و صفات کے ایسے پیکر کو دیکھے اور سُنے، مگر اُس سے محبت نہ کرے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ ایسے شخص کے سینے میں دل نہیں، پتھر کا

ٹکڑا ہے، اس کے سر میں دماغ نہیں بھس بھرا ہے۔

تو محبت کا پہلا سبب جس کی وجہ سے محبت کی جاتی ہے وہ کمال ہے اور چونکہ آپ کمالات کا اعلیٰ ترین مرقع تھے لہذا آپ کی محبت انسانی فطرت کا تقاضا ہے

محبت کا دوسرا سبب جمال! بعض لوگ کسی سے اس کے حسن وجمال کی وجہ سے بھی محبت کرتے ہیں۔ اگرچہ حسن وجمال محبت کا حقیقی اور دائمی معیار نہیں ہے تاہم ایسے افراد کی کمی نہیں جو حسن وجمال سے متاثر اور مرعوب ہوتے ہیں۔

یہ بات یاد رکھیں کہ خدا کا ہر پیغمبر حسین ہوتا ہے، تاکہ کسی مخالف کو نہ تو اس کے کسی اخلاقی عیب پر انگشت نمائی کی جرات ہو اور نہ ہی اس کے کسی جسمانی نقص کا مذاق اڑانے کی جسارت ہو۔

نبی کا چہرہ اس کی صداقت کا گواہ ہوتا ہے، عام آدمی بھی دیکھ کر پکار اٹھتا ہے، خدا کی قسم یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں

- عبداللہ بن سلام یہودیوں کے بڑے عالم تھے فرماتے ہیں:

  فلما استبنت وجهه عرفت أن وجهه ليس بوجه كذاب

  میں نے چہرہ دیکھتے ہی پہچان لیا تھا کہ یہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں

- حضرت ابو رافعؓ قریش کے پیغامبر بن کر آئے، فرماتے ہیں:

  فلما رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ألقي في قلبي الاسلام

  جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو میرے دل میں اسلام کا چراغ روشن ہو گیا۔

- حضرت ابو ہریرہؓ نے اس چہرہ کو دیکھا تو فرمایا:

  ما رأيت شيئاً أحسن من رسول الله صلى الله عليه كأن الشمس

تجری فی وجھہٖ

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوبصورت کسی کو نہیں دیکھا محسوس ہوتا تھا گویا سورج آپ کے چہرۂ اقدس میں رواں دواں ہے

④ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس چہرۂ انور کو دیکھا تو لوگوں کو بتلایا :

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أزھر اللّون کان عرقه اللؤلؤ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ سفید روشن تھا ۔ پسینہ کی بوند حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پر ایسی نظر آتی تھی جیسے موتی ۔

⑤ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس پیکرِ حسن وجمال کو یوں بیان کیا :

من رآه بدیھة ھابه ومن خالطه معرفة أحبّه یقول ناعته لم أر قبله ولا بعده مثله ۔

جو کوئی اچانک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتا وہ ہیبت زدہ رہ جاتا، جو جا کر پاس بیٹھتا وہ والہ وشیدا ہو جاتا، دیکھنے والا کہا کرتا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کوئی بھی نہ اس سے پہلے دیکھا نہ بعد میں ۔

⑥ حضرت براء رضی اللہ عنہ نے کہا :

ما رأیتُ من ذی لمّة فی حلّةٍ حمراء احسن من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

میں نے لمبے بالوں والا سُرخ چادر میں ملبوس سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین کوئی نہیں دیکھا ۔

⑦ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا سرّ استنار وجھه کأنه قطعة من القمر ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوتے تھے تو آپ کا چہرۂ مبارک ایسا منوّر

ہو جاتا کہ چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا۔

○ حضرت ربیع ؓ بنت معوّذ نے فرمایا :

لو رأیتہ رأیت الشمس طالعة

اگر تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیتے تو سمجھتے کہ سورج نکل آیا ہے

○ حضرت جابر بن سمرہ ؓ سے کسی شخص نے پوچھا کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ تلوار جیسا چمکیلا تھا تو آپ نے جواب دیا :

لا، بل کان مثل الشمس والقمر

نہیں نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ تو آفتاب و مہتاب جیسا تھا۔

لیکن ایک شاعر کو تو چاند سے تشبیہ دینا بھی برداشت نہیں۔ اس نے کہا :

چاند سے تشبیہ دینا بھی کوئی انصاف ہے
چاند کے چہرے پہ چھائیاں مدنی کا چہرہ صاف ہے

○ حضرت حسان ؓ نے اس چہرۂ پرنور کو دیکھا تو پکار اُٹھے :

وأحسن منك لم تر قط عيني — وأجمل منك لم تلد النساء

میری آنکھ نے آپ سے زیادہ حسین کبھی دیکھا ہی نہیں — آپ سے زیادہ جمیل کسی ماں نے کوئی جنا ہی نہیں

خلقت مبرأ من كل عيب — كانك قد خلقت كما تشاء

آپ کو ہر عیب سے پاک پیدا کیا گیا ہے ۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ویسا ہی پیدا کیا گیا جیسا آپ چاہتے تھے

○ حضرت جبرئیل نے دیکھا تو شاعر کہتا ہے کہ جبرئیل بھی کہہ اٹھا

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام — بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

میں کائنات کا کونہ کونہ پھرا ہوں، میں نے مشرق و مغرب کی سیاحت کی ہے، میں نے حسن و جمال کے اعلیٰ شاہکار دیکھے ہیں، میں نے ایسے بھی دیکھے ہیں جن کے حُسن کی بتوں کی طرح پرستش ہوتی ہے لیکن اے آمنہ کے لال! جب تیرے رُخِ انور کو دیکھا تو میں اس

نتیجے پر پہنچا کہ تو ایک انوکھے اور بے مثال حُسن کا مالک ہے، تو چیز ہی دوسری ہے

رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ ایسا دوسرا آئینہ
نہ کسی کی بزمِ خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

کہا جاتا ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے حُسن کو دیکھ کر بازاری عورتوں نے وارفتہ ہوکر اپنے ہاتھ کاٹ لیے مگر جن پاکیزہ انسانوں نے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ جہان آرا کو دیکھا انہوں نے اپنی گردنیں کٹوالیں۔

تو اگر حُسن وجمال محبت کا سبب ہے تو آپ حسن وجمال کا عظیم ترین شاہکار تھے لہذا آپؐ سے محبت بھی عظیم ترین ہونی چاہیئے۔

محبت کا تیسرا سبب احسان : محبت کا تیسرا سبب احسان ہے۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ اپنے محسن سے محبت کرتا ہے، عربی کا محاورہ ہے "الانسان عبد الاحسان" انسان احسان کا غلام ہے یعنی اگر کسی کو اپنا مطیع بنانا ہو تو اس پر احسانات کرو، اگر اس میں انسانیت ہوئی تو تمہارے احسانات کی وجہ سے وہ ضرور تمہارا غلام بن جائے گا، اور یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ ہم پر ربِّ کائنات کے بعد سب سے زیادہ احسانات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔

سُن لیجئے ! ہمارے سب سے بڑے محسن نہ دوست احباب ہیں، نہ رشتہ دار ہیں، نہ اساتذہ ہیں، نہ والدین ہیں، بلکہ ہمارے بلکہ ساری انسانیت کے سب سے بڑے محسن وہ رسولِ ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

جنہوں نے ہمیں خدا سے ملایا،

جنہوں نے انسانوں کو خدا کا جلوہ دکھایا،

جنہوں نے فلک کی بلندی، زمین کی پستی، رات کی تاریکی، دن کی روشنی سورج کی چمک، جگنو کی دمک، ذرّہ کی پرداز اور قطرہ کی طراوت میں عرفانِ ربّانی کی سیر کرائی۔

جن کی تعلیم نے درندوں کو چوپانی، بھیڑیوں کو گلہ بانی، رہزنوں کو جہاں بانی، غلاموں کو سلطانی اور شاہوں کو داخوانی سکھائی،

جنہوں نے خشک میدانوں میں علم و معرفت کے دریا بہائے،

جنہوں نے اونٹوں کے چرواہوں کو زمانے کا امام بنایا،

جو غریب کے محب، مسکین کے ساتھی،

غلاموں کے محسن، یتیموں کے سہارا

بے آسروں کے آسرا، بے خانمانوں کے ماوٰی

دردمندوں کی دوا اور چارہ گردوں کے دردمند تھے۔

پھر یہ بھی دیکھئے کہ دنیا میں کوئی تو صرف اپنی اولاد پر احسان کرتا ہے کوئی صرف اپنے دوستوں پر احسان کرتا ہے، کسی کا احسان ایک فرد پر اور کسی کا احسان ایک خاص طبقے پر ہوتا ہے مگر آپؐ چونکہ رحمۃ للعالمین تھے اس لئے آپؐ کے احسانات بھی ہر ہر طبقے اور ہر ہر فردِ بشر پر ہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ حیوانوں پر بھی آپؐ کے احسانات ہیں کیونکہ آپؐ نے ان کے حقوق بنا کر ان کو ظلم و ستم سے بچا لیا۔

یتیموں کا مال اُڑا لیا جاتا تھا آپؐ نے اُسے تحفظ عطا فرمایا،

بیواؤں سے نفرت کی جاتی تھی، آپؐ نے اُنھیں گھر میں بسا کر اُمّت کے لئے مثال قائم کی۔

مزدوروں کے حقوق غصب کر لئے جاتے تھے، آپؐ نے فرمایا کہ پسینہ

خشک ہونے سے پہلے ان کی مزدوری ادا کر دی جائے۔

عورتیں حیوانوں کی سی زندگی بسر کرتی تھیں، آپؐ نے انہیں ماں، بیوی اور بیٹی کی حیثیت سے عظیم مقام عطا کیا۔

بیوی کے بارے میں فرمایا کہ تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو اپنے اہلِ خانہ کے لئے بہتر ہو۔

ماں کے بارے میں فرمایا کہ اس کے قدموں کے نیچے جنّت ہے

بیٹیوں کو زندہ در گور کر دیا جاتا تھا مگر آپ نے اس جرم کا دروازہ بند کر دیا اور فرمایا کہ جو باپ اپنی بیٹی کی تربیت اور پرورش کا حق ادا کرے گا وہ جنت میں میرے ساتھ یوں ہوگا جیسے یہ دو انگلیاں (درمیانی انگلی اور انگشتِ شہادت کو ملا کر دکھایا)

انسانی خون کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی آپؐ نے اُسے کعبہ سے بھی زیادہ محترم قرار دیا

شجر و حجر اور کیڑے مکوڑوں کے سامنے جُھکنے والے انسان کو آپؐ نے خدائے واحد کے سامنے جھکا دیا۔

انسان ذاتوں اور برادریوں میں تقسیم تھا کوئی اعلیٰ تھا کوئی ادنیٰ تھا، آپؐ نے "لا فضل لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ" کا اعلان کیا

ایک اور پہلو پر بھی غور کیجئے وہ یہ کہ:

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر اور مجنون کہا گیا تو کس لئے؟

آپؐ کے جسم اطہر پر غلاظت ڈالی گئی تو کس لئے؟

آپؐ کا سوشل بائیکاٹ کیا گیا تو کس لئے؟

آپؐ پر سنگباری کر کے جسم کو لہو لہان کیا گیا تو کس لئے؟

آپؐ کو ہجرت کرنے پر مجبور ہونا پڑا تو کس لئے ؟

حقیقت یہ ہے کہ آپؐ نے یہ ساری مصیبتیں اور پریشانیاں امت کی خاطر برداشت کیں، آپ کی خواہش نہ مال کی تھی نہ عہدہ و منصب کی بلکہ خواہش تھی تو صرف یہ کہ انسان جہنّم کا ایندھن بننے سے بچ جائے اور جنّت کا حقدار بن جائے۔

جس پیغمبر نے ہمارے لئے اتنی تکلیفیں برداشت کیں کیا اُس پیغمبر کا یہ حق نہیں ہے کہ اس سے قلبی محبت کی جائے

پیغمبر کو جس حالت میں دیکھیں اُسے امت کی فکر تھی

رات کی خلوتوں میں امت کی فکر، دن کی جلوتوں میں فکر،

مکّہ اور مدینہ میں امّت کی فکر،

بدر و اُحد میں امّت کی فکر

صحت اور تندرستی کی حالت میں امّت کی فکر

بڑھاپے اور بیماری میں امت کی فکر

فرش پر ہیں تو امّت کی فکر

معراج پر ہیں تو امّت کی فکر

دنیا سے جانے کے بعد بھی امت کی فکر

قیامت کے ہولناک منظر میں جب آدم صفی اللہ نفسی نفسی کہہ رہے ہوں گے، ابراھیم خلیل اللہ نفسی نفسی کہہ رہے ہوں گے، موسیٰ کلیم اللہ نفسی نفسی کہہ رہے ہوں گے، عیسیٰ روح اللہ نفسی نفسی کہہ رہے ہوں گے آقائے دو جہاں، سردارِ کون و مکان، شفیع عالمیان صلی اللہ علیہ وسلم امّتی امّتی کہہ رہے ہوں گے ۔

جس عظیم پیغمبر کو اپنی گنہگار امت سے اتنی محبت ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس امت کو اپنے آقا اور محسنِ اعظم سے محبت نہ ہو۔

اور یہ حقیقت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و کمالات، حُسن و جمال اور امتنان و احسان کی وجہ سے ہمیں آپ سے کائنات کی ہر چیز سے زیادہ محبت ہے اور اگر کسی کو آپؐ سے محبت نہیں تو اگر وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا بھی ہو تو یقیناً اس میں ایمان نہیں وہ حیوان ہے انسان نہیں، وہ ڈھانچہ ہے اس میں روح نہیں، وہ لاشہ ہے اس میں جان نہیں۔ ہماری تاریخ گواہ ہے کہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنے جسم و جان سے بھی زیادہ محبت ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ سچے عاشقانِ رسول کے چند واقعات آپ کو سناؤں تاکہ میرا اور آپ کا ایمان تازہ ہو جائے۔

ایسی محبت کہیں نہیں دیکھی

زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو کفار نے پکڑ لیا اور قریش نے قتل کے لئے اُن سے خرید لیا تھا، جب ان کو سولی دینے کے لئے لے چلے تو ابوسفیان بن حرب نے اُن سے کہا: زید تجھے خدا کی قسم کیا تم چاہتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پھانسی دی جاتی اور تم اپنے گھر میں آرام سے ہوتے؟

زیدؓ نے کہا: خدا کی قسم میں تو یہ بھی نہیں چاہتا کہ میری رہائی کے بدلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک میں اپنے گھر کے اندر بھی کانٹا لگے۔

ابوسفیان حیران رہ گیا اور یوں کہا کہ میں نے تو کسی کو بھی نہ دیکھا جو دوسرے شخص سے ایسی محبت رکھتا ہو، جیسے اصحابِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہے۔

جنگِ اُحد کا ذکر ہے۔ ایک عورت کا بیٹا، بھائی، شوہر قتل ہو گئے تھے

وہ مدینہ سے نکل کر میدانِ جنگ میں آئی، اُس نے پوچھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں لوگوں نے کہا بحمداللہ وہ تو بخیریت ہیں، جیسا کہ تو چاہتی ہے، بولی مجھے دکھا دو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لوں، جب اُس کی نگاہ چہرۂ مبارک پر پڑی تو وہ جوشِ دل سے بول اٹھی: کل مصیبۃ بعدك جلل تو اب ہر مصیبت کی برداشت آسان ہے۔

کسی نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے ؎

میں بھی اور باپ بھی، شوہر بھی، برادر بھی فدا
اے شہِ دیں تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین تھا اور اس کا فرزند عبداللہ صادقین میں تھا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گذارش کی لوشئت لاتیتُ برأسہ اگر حضور چاہیں تو میں اپنے باپ کا سر کاٹ کر لے آؤں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمادیا۔

ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابوقحافہ نے کفر کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی ناشائستہ کلمہ منہ سے نکالا اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فوراً ان کے منہ پر طمانچہ کھینچ مارا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا تو عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت میرے پاس تلوار نہ تھی ورنہ ایسی گستاخی پر اس کی گردن اُڑا دیتا اُسی وقت آپ کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

تو نہ پائے گا ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور روزِ آخرت پر، وہ ایسوں سے دوستی کریں جو مخالف ہوئے اللہ

وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَ اَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَ يُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○

(سورۃ المجادلۃ پ۲۸ ع ۳)

کے اور اس کے رسول کے گو وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی ہوں یا ان کے کنبے کے، یہی ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھدیا ہے اور اُن کی تائید کی اپنے فیضانِ غیبی سے اور ان کو داخل فرمائے گا ایسے باغوں میں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ وہیں رہیں گے اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی یہ خدائی لشکر ہے، خبردار ہوجاؤ اللہ کا لشکر ہی فلاح پانے والے ہیں۔

محبوب کا ساتھ عبید اللہ رضی اللہ عنہ بن یزید صحابی کا ذکر ہے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی حضور آپ مجھے اہل ومال سے زیادہ پیارے ہیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے یاد آتے ہیں تو میں گھر میں ٹک نہیں سکتا، آتا ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر تسلّی پاتا ہوں، مگر میں اپنی موت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا تصوّر کر کے کہا کرتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو فردوسِ بریں میں انبیاء کے درجۂ بلند پر ہوں گے میں اگر بہشت میں پہنچا بھی تو کسی ادنیٰ مقام میں ہوں گا اور وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نہ پاسکوں گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے یہ آیت پڑھ کر سنائی اور اُس کے قلب کو سکینہ عطا فرمایا

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ

جو کوئی اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طاعت کرتا ہے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر خدا کا انعام ہوا۔

ایک اور صحابی کا ذکر ہے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی جانب تاک لگائے دیکھتے رہتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ وہ بولے میں سمجھتا ہوں کہ دنیا ہی میں اس دیدار کی بہار لوٹ لوں، آخرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام رفیع تک تو ہماری رسائی بھی نہ ہوگی۔ اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ نے آیتِ بالا "وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ" کو نازل فرمایا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثِ انسؓ میں صاف فرما دیا:

مَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّۃِ جو کوئی مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

اپنی فکر نہیں ابتدائے اسلام میں ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جوارِ کعبہ میں اسلام کا جب پہلا خطبہ دیا تو مشرکین آپ پر ٹوٹ پڑے اور اس قدر مارا کہ تمام چہرہ لہولہان ہوگیا، پہچانے نہ جاتے تھے، شام تک بیہوش رہے، عزیز و اقارب سب ارد گرد جمع تھے، شام کو تھوڑی سی ہوش آئی تو سب سے پہلا جملہ جو آپ کی زبان سے ادا ہوا وہ یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے۔ لوگوں نے بہت ملامت کی کہ انہی کی وجہ سے تو یہ مصیبت آئی ہے اور انہیں اب انہی کی فکر ہے، اپنی حالت اور زخموں کی کوئی فکر نہیں والدہ نے کچھ نہ کچھ کھانے پر اصرار کیا مگر حضرت ابوبکرؓ کی ایک ہی صدا تھی کہ حضورؐ کا کیا حال ہے۔ حضرت عمرؓ کی بہن اُمِ جمیل مزاج پرسی اور عیادت کے لئے تشریف لائیں، تو اُن سے بھی یہی سوال کیا انہوں نے بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحیح سالم ہیں۔ آپ نے پوچھا اس وقت کہاں ہیں انہوں نے بتایا کہ ارقمؓ کے گھر تشریف رکھتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ مجھ کو خدا کی قسم ہے کہ اس وقت تک کوئی چیز نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہ کر لوں۔ رات گئے آستانۂ محبوب پہنچے

محبوبِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے سینہ سے لگا لیا، مسلمان رونے لگے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ حالت دیکھ کر رو رہے تھے، مگر ابوبکر زخموں کی کلفت اور ضربوں کی شدت بھول چکا تھا، اسے وصال حاصل ہوگیا تھا۔ اس کے بعد ابوبکر نے درخواست کی کہ یہ میری والدہ ہیں ان کی ہدایت کے لئے بھی دعا کیجئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اُٹھا دیئے۔ غالباً کہا ہوگا خداوندا ابوبکر میرا ہے میری محبت کی خاطر زخمی ہوا ہے اس کی دلجوئی فرما، اس کی والدہ کو ہدایت عطا فرما۔

دعا ء کو شرفِ قبولیت حاصل ہوا اور امّاں نے اسلام قبول کر لیا۔

حضرت عمرؓ کی محبت حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایامِ خلافت میں رات کو گشت کے لئے نکلے، سنا کہ ایک عورت دھنک رہی ہے اور یہ اشعار پڑھ رہی ہے

علیٰ محمدٍ صلاۃ الابرار ۔۔۔ صلّی علیہ الطیبون الاخیار

قد کان قواماً بکی بالاسحار ۔۔۔ یا لیت شعری والمنایا أطوار

ھل تجمعنی وحبیبی الدار

حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہیں بیٹھ گئے، روتے رہے اور چند دن تک صاحبِ فراش رہے، آپ ہی کے حالات میں لکھا ہے کہ جب وہ صحابہؓ کے روزینے مقرر کرنے لگے تھے تو عبداللہ بن عمرؓ (اپنے فرزند) کا روزینہ تین ہزار مقرر کیا، اور اسامہ بن زیدؓ کا تین ہزار پانچسو سالانہ، عبداللہ نے کہا اسامہ کو کونسی فضیلت حاصل ہے، وہ کسی غزوہ میں میری طرح حاضر نہیں رہا۔ فاروقؓ نے کہا اُس کا باپ تیرے باپ سے اور وہ خود تجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ پیارے تھے اس لئے میں نے اپنے پیارے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے کو ترجیح دی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو تمام تر جاہ وجلال کے باوجود اس صدمہ

کو برداشت نہ کر سکے اور ہوش و حواس کھو بیٹھے، تلوار لئے پھرتے تھے کہ جو شخص یہ کہے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا ہے تو اس کی گردن اُڑا دوں گا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر تشریف لے گئے تھے، عنقریب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے اور اُن لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں گے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کی جھوٹی خبر اُڑا رہے ہیں

حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اپنی جان کے علاوہ اور سب چیزوں سے آپ زیادہ محبوب ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کو میری محبت اپنی جان سے بھی زیادہ نہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "الآن یا عمر" (اس وقت اے عمر) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اس وقت ایمان کامل ہوا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ بات پہلے کیوں نہ پیدا ہوئی، اب پیدا ہو رہی ہے۔

آقا کے بغیر طواف | حدیبیہ کی لڑائی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو اپنی طرف سے قاصد بنا کر سردارانِ مکہ کے پاس بھیجا مسلمان ہونے کے باوجود حضرت عثمانؓ کی مکہ میں بہت عزّت تھی وہ تشریف لے گئے تو صحابہؓ کو رشک ہوا کہ عثمانؓ تو مزے سے کعبے کا طواف کر رہے ہونگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے امید نہیں کہ وہ میرے بغیر طواف کریں۔

چنانچہ حضرت عثمان مکّہ میں داخل ہوئے تو ابان بن سعید نے ان کو اپنی پناہ میں لے لیا اور ان سے کہا جہاں دل چاہے چلو پھرو تم کو کوئی روک نہیں

سکتا۔ حضرت عثمان ابوسفیان وغیرہ، مکّہ کے سرداروں سے ملتے رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام پہنچاتے رہے۔ جب واپس ہونے لگے تو کفّار نے خود درخواست کی کہ تم مکہ میں آئے ہو تو طواف بھی کرتے جاؤ، آپ نے جواب دیا کہ مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ آقا کے بغیر طواف کروں۔

غور فرمائیں کہ طواف کتنی بڑی عبادت ہے اور صحابہ کو کعبہ سے کتنی محبت اور کعبہ میں عبادت کا کتنا اشتیاق تھا، سالہا سال سے کعبہ سے فراق تھا اور اب وصال ہو رہا ہے تو بھی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر طواف کرنا گوارا نہیں کیا۔

گویا حضرت عثمان نے زبانِ حال سے کہا ہوگا ظالمو! تم نے میرے محبت و عقیدت کے کعبے کو تو حدیبیہ میں روک رکھا ہے، میں اُس کعبہ کے بغیر اِس کعبہ کا طواف نہیں کرسکتا۔

اس واقعہ سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے صحابہ پر کتنا اعتماد تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں کہدیا تھا کہ عثمان میرے بغیر طواف نہیں کرسکتا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

کوئی عذر قبول نہ ہوگا | اُحد کی لڑائی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ سعد بن ربیع کا حال معلوم نہیں ہوا کہ کیا گذری۔ ایک صحابی کو تلاش کے لئے بھیجا۔ وہ شہداء کی جماعت میں تلاش کر رہے تھے کہ شاید وہ زندہ ہوں، پھر پکار کر کہا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے کہ سعد بن ربیع کی خبر لاؤں، تو ایک جگہ سے بہت ضعیف سی آواز آئی، یہ اُس طرف بڑھے جا کر دیکھا کہ سات مقتولین کے درمیان پڑے ہیں اور ایک آدھ سانس باقی ہے جب یہ قریب پہنچے تو حضرت سعد نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو میرا سلام

عرض کر دینا اور کہہ دینا کہ اللہ تعالیٰ میری جانب سے آپ کو اس سے افضل اور بہتر بدلہ عطا فرمائیں جو کسی نبی کو اس کے امتی کی طرف سے بہتر سے بہتر عطا کیا ہو اور مسلمانوں کو میرا پیام پہنچا دینا کہ اگر کافر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئے اور تم میں سے کوئی ایک آنکھ بھی چمکتی ہوئی رہے یعنی وہ زندہ رہے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی عذر بھی تمہارا نہ چلے گا اور یہ کہکر جاں بحق ہوگئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئیں اور آکر عرض کیا کہ مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کرادو، حضرت عائشہ رضؓ نے حجرہ شریف کھولا، انہوں نے زیارت کی اور زیارت کرکے روتی رہیں اور روتے روتے انتقال فرماگئیں رضی اللہ عنہا وارضاہا

جانوروں اور درختوں کی محبت انتہا تو یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جانور اور درخت بھی محبت رکھتے تھے، آپؐ کے پاس یعفور نامی ایک گدھا تھا، جس پر آپؐ سواری فرمایا کرتے تھے، جس دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو صحابہ کو تو آپؐ کی جدائی کا غم تھا ہی یہ بے زبان گدھا بھی جدائی کا صدمہ برداشت نہ کرسکا، اور روتے ہوئے ایک کنویں میں گرکر مرگیا۔

مشکوٰۃ شریف کی کئی احادیث سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ درخت اور پتھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے تھے اور بخاری شریف میں مذکور یہ واقعہ تو آپ نے بارہا سُنا ہوگا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ پڑھتے تھے تو کھجور کے ایک خشک تنہ کے ساتھ ٹیک لگاتے تھے، جب آپ کے لئے باقاعدہ منبر بنا دیا گیا تو آپؐ تنے کو چھوڑ کر منبر پر تشریف لے آئے، تو وہ خشک تنہ یوں بلبلا کر رونے لگا جیسے بچہ روتا ہے، معلوم ہوتا تھا کہ وہ شدتِ غم کی وجہ سے پھٹ جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اُتر کر اُس تنے کے

پاس تشریف لائے، اُسے سینے سے لگایا یہاں تک کہ وہ خاموش ہوگیا۔

خالی خولی محبّت

میرے دوستو! دنیا میں زبانی محبت کرنے والے تو بہت ہیں مگر خالی خولی محبت مقصود نہیں اگرچہ یہ بھی فائدے سے خالی نہیں لیکن اصل مقصود وہ محبت ہے جو دل میں بھی ہو زبان سے بھی اس کا اثر ظاہر ہو، اور بدن کا ایک ایک عمل اس بات کی گواہی دے کہ اس شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے۔ دیکھنے والے دیکھ کر کہہ دیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محبّ اور عاشق جا رہا ہے یہ نہ ہو کہ زبان سے بھی آپ کا نام خوب لیا جا رہا ہے۔ آپ کے نام پر مال بھی خوب حاصل کیا جا رہا ہے لیکن نہ تو زندگی کے مسائل میں آپ کی اتباع ہے، نہ دین کے لئے کوئی قربانی ہے، نہ سیرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ہے نہ صورت حضور جیسی اور عاشقِ رسول! بلکہ عشقِ رسول کے واحد رجسٹرڈ ٹھیکیدار۔ جیسے وہ ایک پیر صاحب کے چیلے کا مشہور واقعہ ہے کہ سفر میں جب کھانا پکانے کا وقت آیا تو پیر صاحب نے کہا بھئی جلانے کے لئے جنگل سے لکڑیاں تلاش کرو، چیلہ کہنے لگا حضرت بہت تھکا ہوا ہوں ٹانگوں میں درد ہے یہ کام تو آپ خود ہی کرلیں۔ بیچارے پیر صاحب جیسے تیسے لکڑیاں جمع کر کے لائے تو کہا اٹھو آٹا گوندلو، چیلے نے کہا حضور بالکل سکت نہیں پھر آپ کے گوندنے میں جو برکت ہے وہ ہمارے گوندنے میں کہاں۔ پیر صاحب نے آٹا گوندکر کہا اب سالن روٹی تو پکالو چیلے نے کہا حضرت جوڑ جوڑ دکھ رہا ہے اُٹھنے کی بالکل ہمت نہیں یہ کام بھی آپ ہی کرلیں۔

کھانا تیار ہوگیا تو پیر صاحب نے اُس کاہل اور نامراد مرید کو کھانے کے لئے بلایا، تو کہنے لگا حضور اب تو انکار کرتے ہوتے بھی شرم آتی ہے

وہ اٹھا اور شاملِ طعام ہو گیا پیر صاحب بیچارے لال پیلی آنکھیں نکالتے رہ گئے۔

آج کے دور کے محب بھی تیار شدہ جنّت چاہتے ہیں، کرنا کرانا کچھ نہ پڑے، بس جنت مل جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نہ کرنی پڑے اور عشقِ رسول کی سند حاصل ہو جائے، یہ دودھ پینے والے مجنوں ہیں خون دینے والے نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین مٹتا ہے تو مٹتا رہے، سُنّتیں مردہ ہوتی ہیں تو ہوتی رہیں، اسلام کا مذاق اُڑایا جاتا ہے تو اُڑایا جاتا رہے، صحابہ کو گالیاں دی جاتی ہیں تو دی جاتی رہیں، انسان دوزخ کے رُخ پر چلتا ہے تو چلتا رہے، ان کی بلا سے ان کو کوئی پرواہ نہیں۔

محبوب کی شکل وصورت | محب تو وہ ہوتا ہے جسے محبوب کی ایک ایک ادا سے محبّت ہو، اس کی صورت سے محبّت ہو، اس کی سیرت سے محبت ہو، اس کی عادتوں اور گفتار و رفتار سے محبت ہو تم کیسے محب ہو کہ تمہیں نبی کے دشمنوں کی شکل وصورت سے تو محبّت ہے مگر خدا کے لاڈلے نبی کی شکل وصورت سے محبت نہیں اور کہتے ہو اپنے آپ کو محب اور عاشق۔ اسی قسم کے ایک شاعر صاحب تھے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا میں بے مثال نعتیں اور اشعار لکھے تھے، ایک شخص نے وہ نعتیں اور اشعار سُنے تو اُسے شاعر صاحب سے ملنے کا اشتیاق ہوا وہ بیچارہ سفر کی مشقت اٹھاتا ہوا اور شاعر صاحب کا پتہ پوچھتا پاچھتا جب اس شاعر کے پاس پہنچا تو وہ یہ دیکھ کر ہکا بکّا رہ گیا کہ اتنا بڑا مدّاحِ رسول داڑھی منڈوا رہا ہے۔ اس نے تعجّب سے کہا: شیخ ریش می تراشی؟ (محترم آپ داڑھی منڈوا رہے ہیں) شاعر صاحب نے شاعرانہ ترنگ میں جواب دیا "ریش میتراشم ولے دلِ کسے را نمی خراشم" (داڑھی منڈوا رہا ہوں کسی کا دل تو نہیں دکھا رہا) اس شخص نے کہا:

بلے تو دلِ پیغمبر را می خراشی (ظالم تو کسی اور کا نہیں اپنے پیغمبر کا تو دل دُکھا رہا ہے)

اصلی پروانہ میرے دوستو! یا تو محبت کا دعویٰ چھوڑ دو یا پھر نبی کی شکل وصورت اور سیرت وکردار کو اپنا آئیڈیل اور معیار بنا لو۔ کہتے ہیں کہ ایک کیڑے نے دعویٰ کیا کہ میں پروانہ ہوں، اُسے کہا گیا کہ فلاں جگہ شمع جل رہی ہے، وہاں سے ہو کر آؤ، اس کے بعد ہم تمہیں پروانہ تسلیم کریں گے۔ وہ اُڑتا ہوا گیا اور تھوڑی دیر میں واپس آ گیا کہ اب تو میرے پروانہ ہونے میں کوئی شک نہیں رہا۔ اسے کہا گیا کہ تم اصلی نہیں نقلی پروانے ہو، کہنے لگا کیوں اب تو میں نے پروانہ ہونے کی شرط بھی پوری کر دی ہے، کہا گیا یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ شمع جل رہی ہو اور پروانہ زندہ سلامت واپس آ جائے۔ اصلی پروانہ تو شمع پر قربان ہو جاتا ہے زندہ واپس نہیں آتا۔

تو میرے دوستو! ہم بھی نقلی پروانے ہیں ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم محبوبِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اپنی خواہشات اور اپنے جذبات کو قربان نہ کر دیں۔

یاد رکھیے! ایمان، اسلام اور محبت کے دعوے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر کچے اور ناقص ہیں۔

محمدؐ کی غلامی دینِ حق کی شرطِ اول ہے
اگر ہو اس میں خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

سچے عاشق تو وہ تھے جنہوں نے گردنیں کٹوا کر اپنی سچی محبت کا ثبوت پیش کیا اور ہمارے اندر بھی یہ جذبہ ہونا چاہئے کہ ضرورت پڑنے پر ہم بھی اسلام کی خاطر گردن کٹوانے کے لئے تیار رہیں۔

نماز اچھی روزہ اچھا حج اچھا زکوٰۃ اچھی
مگر میں باوجود اس کے مسلماں ہو نہیں سکتا
نہ کٹ مروں جب تک خواجۂ یثرب کی عزت پہ
خدا شاہد ہے کامل میرا ایماں ہو نہیں سکتا

محبّت کی علامتیں برادرانِ اسلام ! ہر چیز کی کوئی نہ کوئی علامت اور نشانی ہوتی ہے، جس سے وہ پہچانی جاتی ہے۔ محبّتِ نبوی کی بھی چند علامتیں ہیں جن سے پتہ چل جاتا ہے کہ فلاں محبّت کا دعویٰ کرنے والے میں واقعی محبّت ہے یا نہیں۔

محبت کی پہلی علامت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی جائے بلکہ خدا کی محبت کی علامت بھی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی جائے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو تو اللہ تم سے محبت کریگا۔

محبت کی دوسری علامت یہ ہے کہ آپ کا کثرت سے ذکر کیا جائے کیونکہ اصولی طور پر کہا گیا ہے: من احبّ شیئاً اکثر ذکرہ جو کسی کے ساتھ محبت رکھتا ہے اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے، زندگی کے ہر مسئلے میں آپ کا حوالہ ہو، آپ کے واقعات بار بار دہرائے، سیرت اور حدیث کی کتابوں کا مطالعہ رکھے۔

محبت کی تیسری علامت یہ ہے کہ آپ کے لائے ہوئے دین کے ساتھ اتنی محبت ہو کہ اس کے لئے سب کچھ قربان کرنے پر تیار رہے، قرآن و سنّت کی تبلیغ و اشاعت کے لئے ہر تکلیف خوشی خوشی سے برداشت کرلے۔

محبت کی چوتھی علامت یہ ہے کہ آپؐ کی عظمت و حرمت کا ہر حال میں احساس رہے، آپؐ کا ذکر آئے تو درود شریف پڑھے، آپؐ کا نام لے تو تعظیم کے ساتھ لے۔

محبت کی پانچویں علامت یہ ہے کہ آپؐ کی اور آپؐ کے روضہ کی زیارت کا بے حد شوق ہو، ظاہر ہے ایک محب کی سب سے بڑی آرزو یہی ہوتی ہے کہ

مجھے محبوب کا وصال اور ملاقات نصیب ہو۔

محبّت کی چھٹی علامت یہ ہے کہ ہر اُس چیز سے محبت ہو جس کا تعلق اور جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو، آپؐ کے خاندان سے محبت ہو، ازواجِ مطہرات سے محبت ہو، صحابہؓ سے محبّت ہو، آپؐ کے شہر اور اس کے گلی کوچوں سے محبت ہو، آپ کی زبان سے محبّت ہو، ایک حدیث میں آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ عرب سے تین وجوہ سے محبت رکھو، ایک تو اس لئے کہ میں عربی ہوں، دوسرے اس لئے کہ قرآن کی زبان عربی ہے، تیسرے اس لئے کہ جنت والوں کی زبان عربی ہوگی اور ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا جس نے اہلِ عرب کو دھوکہ دیا وہ میری شفاعت میں داخل نہیں ہوگا اور اس کو میری محبت اور دوستی حاصل نہیں ہوگی۔

محبّت کی ساتویں علامت یہ ہے کہ علماء، اولیاء، اتقیاء اور اصفیاء سے محبّت ہو۔

آیئے ہم ایک لمحے کے لئے غور کریں کہ کیا ہمارے اندر یہ علامات پائی جاتی ہیں، اگر نہیں پائی جاتی ہیں تو انہیں اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ ○

علماء کا مقام

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہی کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی
اِن ہی کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے
اِن ہی کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی
رہیں دنیا میں اور دنیا سے بے تعلق ہوں
پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے پانی
اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزہ آئے
اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخندانی

"مولویت نبی کی وراثت کا نام ہے،
مولویت پیامِ نبوت کی دعوت کا نام ہے،
مولویت ابوحنیفہؒ کی فقاہت کا نام ہے،
مولویت امام مالکؒ کی جرأت کا نام ہے،
مولویت احمد بن حنبلؒ کی استقامت کا نام ہے،
مولویت امام ابن تیمیہؒ کی عزیمت کا نام ہے،
مولویت مجدد الف ثانیؒ کی جہدِ مسلسل کا نام ہے،
مولویت شاہ ولی اللہؒ کی بصیرت کا نام ہے،
مولویت سید اسماعیل شہیدؒ کی شہادت کا نام ہے،
مولویت قاسم نانوتویؒ کے علم وحکمت کا نام ہے،
مولویت شیخ الہندؒ کی غیرت کا نام ہے،
مولویت مولانا محمد الیاس کی تبلیغ ودعوت کا نام ہے،
مولویت حسین احمد مدنیؒ کی عظمت ورفعت کا نام ہے"

علماء کا مقام

نَحمدہٗ ونُصلّی علیٰ رسُولہ الکریم امّا بعد

فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیمِ

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

یَرفَعِ اللّٰہُ الَّذِینَ اٰمَنُوا مِنکُم وَالَّذِینَ اُوتُوا العِلمَ دَرَجٰتٍ	اللہ تعالیٰ تم میں ایمان والوں اور ان لوگوں کے جن کو علم عطا ہوا ہے درجے بلند کر دیگا
سورہ مجادلہ پ۲۸ ع ۲	
اِنَّمَا یَخشَی اللّٰہَ مِن عِبَادِہِ العُلَمٰٓؤُا۔	خدا سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔
سورۃ فاطر پ۲۲ ع ۱۶	
مَثَلُ الَّذِینَ حُمِّلُوا التَّوراۃَ ثُمَّ لَم یَحمِلُوھَا کَمَثَلِ الحِمَارِ یَحمِلُ اَسفَارًا ۝	جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھرانہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی حالت اُن گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہے۔
سورہ جمعہ پ۲۸ ع ۱	
وَلَا تَلبِسُوا الحَقَّ بِالبَاطِلِ وَتَکتُمُوا الحَقَّ وَاَنتُم تَعلَمُونَ ۝	اور مخلوط مت کرو حق کو ناحق کے ساتھ اور پوشیدہ بھی مت کرو حق کو جس حالت میں کہ تم جانتے بھی ہو۔
سورۃ البقرہ پ۱ ع	

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَاتَعْلَمُوْنَ ۝ سورة النحل پ ع

سو اگر تم کو علم نہیں تو اہلِ علم سے پوچھ دیکھو

عن[1] ابن عباس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: فقيه واحدٌ اَشدّ على الشيطان من الف عابد (رواه الترمذي وابن ماجه مشكوٰة باب العلم ص ۳۴)

اور حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک فقیہ (یعنی عالمِ دین) شیطان پر ایک ہزار عابدوں سے زیادہ ہے۔

عن كعب بن مالك قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من طلب العلم ليجاري به العلماء او ليماري به السفهاء أو يصرف به وجوه الناس إليه أدخله الله النار۔

رواه الترمذي
مشكوٰة، باب العلم ص ۳۴

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے علم کو اس غرض سے حاصل کیا کہ اس کے ذریعہ علماء پر فخر کرے، بے وقوفوں سے جھگڑے اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے (جہنم کی) آگ میں داخل کرے گا۔

عن ابن مسعود قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لاحسد إلّا في اثنين رجلٌ أتاه الله مالاً فسلّطه على هلكته في الحق ورجلٌ أتاه الله الحكمة فهو يقضي بها ويعلّمها۔

متفق عليه
مشكوٰة، باب العلم ص ۳۲

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، دو شخصوں کے بارے میں حسد کرنا ٹھیک ہے ایک تو وہ شخص جسے خدا نے مال دیا اور پھر اسے راہِ حق میں خرچ کرنے کی توفیق عنایت فرمائی۔ دوسرا وہ شخص جسے خدا نے علم دیا چنانچہ وہ اس علم کے مطابق حکم کرتا اور (دوسروں کو) سکھاتا ہے

---

[1] تقریر کے آغاز میں احادیث کو صرف معلومات میں اضافہ کے لئے لکھا گیا ہے، خطبہ میں پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

عن ابی هریرۃ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: إذا مات الانسان إنقطع عنہ عملہ إلّا من ثلاثۃ من صدقۃ جاریۃ أو علم ینتفع بہ أو ولد صالح یدعو لہ۔ رواہ مسلم
مشکوٰۃ باب العلم ص۳۲

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے عمل کے ثواب کا سلسلہ اس سے منقطع ہوجاتا ہے مگر تین چیزوں کے ثواب کا سلسلہ باقی رہتا ہے۔ صدقہ جاریہ، علم جس سے نفع حاصل کیا جائے، صالح اولاد جو مرنے کے بعد اس کے لئے دعا کرے۔

وعن أبی امامۃ الباھلی قال: ذکر لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ رجلان أحدھما عابدٌ والآخر عالمٌ فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: فضل العالم علی العابد کمثلی علی أدناکم ثم قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: انّ اللّٰہ وملائکتہ و اھل السمٰوٰت والارض حتی النملۃ فی جُحرھا وحتی الحوت لیصلّون علی معلّم الناس الخیر۔
رواہ الترمذی
مشکوٰۃ، باب العلم ص۳۴

حضرت ابی امامہ باہلی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو آدمیوں کا ذکر کیا گیا، جس میں سے ایک عابد تھا اور دوسرا عالم (یعنی آپ سے پوچھا گیا کہ ان دونوں میں افضل کون ہے؟) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عالم کو عابد پر ایسی فضیلت ہے جیسی کہ میری فضیلت اس شخص پر جو تم سے ادنیٰ درجہ کا ہو۔ پھر اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے اور آسمانوں و زمین کی تمام مخلوق یہاں تک کہ چیونٹیاں اپنی بلوں میں اور مچھلیاں اس شخص کے لئے دعائے خیر کرتی ہیں جو لوگوں کو بھلائی (یعنی علم دین) سکھاتا ہے۔

عن كثير بن قيس قال :
كنتُ جالسًا مع أبي الدرداء
في مسجد دمشق فجاءه رجلٌ
فقال يا ابا الدرداء انّي
جئتك من مدينة الرسول
صلى الله عليه وسلم لحديث
بلغني انّك تحدّثه عن
رسول الله صلى الله عليه وسلم
ماجئتُ لحاجة، قال : فانّي
سمعتُ رسول الله صلى الله عليه
وسلم يقول من سلك طريقًا
يطلبُ فيه علمًا سلك الله به
طريقًا من طرق الجنّة
وإنّ الملائكة لتضع
أجنحتها رضًا لطالب العلم
وان العالم يستغفر له من
في السمٰوٰت ومن في الأرض
والحيتان في جوف الماء
وإنّ فضل العالم على
العابد كفضل القمر
ليلة البدر على سائر

حضرت کثیر بن قیس کہتے ہیں کہ میں
(ایک صحابی) حضرت ابو درداءؓ کے پاس
دمشق (شام) کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ
ان کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ میں سرکارِ
دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر سے آپ کے
پاس ایک حدیث کے لئے آیا ہوں جس کے
بارہ میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ اسے آپ
سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل
کرتے ہیں، آپ کے پاس میرے آنے کی
اس کے علاوہ اور کوئی غرض نہیں ہے۔
(یہ سن کر) حضرت ابو درداء نے فرمایا:
میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے
ہوئے سُنا کہ جو شخص کسی راستہ کو (خواہ
وہ لمبا ہو یا مختصر) علم دین حاصل کرنے کے
لئے اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو
بہشت کے راستہ پر چلاتا ہے اور فرشتے
طالب علم کی رضامندی کے لئے اپنے پروں
کو بچھاتے ہیں۔ اور عالم کے لئے ہر وہ چیز جو
آسمانوں کے اندر ہے (یعنی فرشتے) اور جو
زمین کے اوپر ہے (یعنی جنّ وانس) اور
مچھلیاں جو پانی کے اندر ہیں دعائے مغفرت

الكواكب وان العلماء ورثة الأنبياء وان الأنبياء لم يورثوا ديناراً ولا درهماً وإنما ورثوا العلم فمن أخذه أخذ بحظ وافر	کرتی ہیں اور عابد پر عالم کو ایسی ہی فضیلت ہے جیسے کہ چودھویں کا چاند تمام ستاروں پر فضیلت رکھتا ہے اور عالم انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء وراثت میں دینار اور درہم نہیں چھوڑ گئے ہیں ان کا ورثہ علم ہے لہٰذا جس نے علم حاصل کیا اس نے کامل حصہ پایا۔
رواہ احمد والترمذی مشکوٰۃ باب العلم ص۳۳	

یہ دنیا تضادات کا مجموعہ ہے۔ یہاں بلندی ہے تو پستی بھی ہے، سیاہ ہے تو سفید بھی ہے، گرمی ہے تو سردی بھی ہے، بہار ہے تو خزاں بھی ہے، پھول ہیں تو کانٹے بھی ہیں، دن ہے تو رات بھی ہے، سنگ ہے تو موم بھی ہے، صدق ہے تو کذب بھی ہے، مؤمن ہیں تو کافر بھی ہیں، صالح ہیں تو فاسق بھی ہیں، جاہل ہیں تو عالم بھی ہیں، داعی الی الخیر ہیں تو داعی الی الشر بھی ہیں۔

اضداد کی حکمت

اور اس کی حکمت اور فلسفہ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ایک ضد کی پہچان اور قدر و قیمت اسی وقت ہوتی ہے جب اس کی دوسری ضد موجود ہو۔ جیسے عربی کا محاورہ ہے کہ: "تعرف الاشیاءُ بأضدادها" اشیاء کو ان کی ضد سے پہچانا جاتا ہے۔

اگر دنیا میں غریبی کا وجود ہی نہ ہوتا تو امارت کی قدر نہ ہوتی،
اگر بھوک کا نام ونشان ہی نہ ہوتا تو شکم سیری کی قدر کون کرتا،
اگر خزاں نہ ہوتی تو پھولوں کی توقیر کیسے ہوتی،
اگر بیماری نہ ہوتی تو صحت کی قیمت کون جانتا،
اگر موت نہ ہوتی تو زندگی کی حفاظت کون کرتا،
اگر جہالت نہ ہوتی تو حصولِ علم کے لئے انسان مشقت کیوں اٹھاتا،

علماء کی ضرورت

پس جب زمین کی پشت جاہلوں سے خالی نہیں تو ضروری ہے کہ علماء بھی موجود ہوں۔

جب دنیا میں ضلالت وگمراہی کی طرف بلانے والے موجود ہیں تو ضروری ہے کہ حق وصداقت کی دعوت دینے والے بھی ہوں۔

جب وسوسے ڈالنے والے اور شکوک وشبہات پیدا کرنے والے بہت ہیں تو ضروری ہے کہ شکوک وشبہات کے کانٹے نکال کر دلوں میں ایمان ویقین پیدا کرنے والے بھی ہوں۔

جب فرعون اور قارون کے وارثوں سے دنیا خالی نہیں تو ضروری ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے وارثوں سے بھی بزم جہاں خالی نہ ہو۔

سب سے ضروری وجود

بلکہ میرا دعویٰ ہے کہ دنیا میں کسی چیز کا وجود اتنا ضروری نہیں ہے جتنا علماء حق کا وجود ضروری ہے۔ دنیا اور آخرت کی کامیابی کے لئے بھی علماء کا وجود ضروری ہے اور دنیا کی بقاء کے لئے بھی علماء کا وجود ضروری ہے۔ آپ کو میرا یہ دعویٰ بہت بڑا معلوم ہوگا مگر میں دلیل سے ثابت کرتا ہوں کہ اس دنیا کی بقاء علماء حق سے مربوط ہے، اگر علماء حق نہ رہے تو دنیا بھی نہ رہے گی۔

بات یہ ہے کہ اس کائنات کی بزم کو خدا تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے سجایا ہے جب دنیا میں خدا کی عبادت کرنے والا اور خدا کا نام لینے والا کوئی نہ رہیگا تو یہ دنیا بھی نہیں رہے گی، اسی لئے حدیث میں آتا ہے لا تقوم الساعة حتی یقال الله الله۔ یعنی جب تک کوئی بھی اللہ اللہ کہنے والا موجود ہے قیامت نہ آئے گی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں بھی دستور یہ ہے کہ اگر کسی شہر میں باغیوں کی اکثریت ہو جائے تو اس شہر کو تباہ کر دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اپنی

رحمتِ کاملہ کی وجہ سے ایسا تو نہیں کرتے کہ جس علاقے میں خدا کے باغیوں کی کثرت ہوجائے اُسے تباہ کردیں لیکن اگر دنیا میں سارے کے سارے انسان خدا کے باغی اور سرکش ہوجائیں تو پھر انسان کا مقصدِ تخلیق ہی فوت ہوجائے گا لہذا دنیا کو تباہ و برباد کردیا جائے گا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بڑی قیمتی کاریں جو بڑے شوق سے خریدی جاتی ہیں جب وہ بوسیدہ ہوجاتی ہیں اور اپنا مقصد پورا نہیں کرتیں تو ان کو کباڑخانے میں ڈال دیا جاتا ہے۔ تو اتنی بات تو آپ سمجھ گئے کہ دنیا خدا کی عبادت کی وجہ سے قائم ہے اور خدا کی عبادت بغیر علم کے نہیں ہوسکتی اس لئے کہ کوئی بھی عمل بغیر علم کے نہیں ہوسکتا، تو منطق کی زبان میں یوں کہہ لیں کہ دنیا بغیر عبادت کے باقی نہیں رہ سکتی اور عبادت بغیر علم کے نہیں ہوسکتی اور علم بغیر علماء کے حاصل نہیں ہوسکتا تو ثابت ہوا کہ دنیا بغیر علماء کے باقی نہیں رہ سکتی۔ اور یہ بھی ثابت ہوگیا کہ دنیا میں سب سے ضروری وجود علماء کا ہے۔

علماء سے نفرت

بعض بدبخت انسان علماء کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں، اگر کوئی احمق انسان علماء کو ان کے عالم ہونے کی وجہ سے اور حافظ کو اس کے حافظ ہونے کی وجہ سے نفرت کی نظر سے دیکھتا ہے تو اسے اپنے ایمان کی تجدید کرنی چاہیے کیونکہ علم دین اور حفظ قرآن سے نفرت کرنا کفر ہے۔ اور اگر کوئی شخص عالم دین سے اُس کی حرکتوں کی وجہ سے نفرت کرتا ہے تو ایسے شخص کے لئے بھی لازمی ہے کہ دوسرے علماء حق سے محبت اور عقیدت کا رشتہ برقرار رکھے۔ کسی ایک عالم کی حرکات کی وجہ سے تمام علماء سے نفرت کرنا انتہا درجہ کی حماقت ہے۔

کیا آپ اس شخص کو عقلمند کہیں گے جو کسی عطائی ڈاکٹر کی نادانیوں کو دیکھ کر ماہر اور حاذق ڈاکٹروں سے بھی نفرت کرنے لگے۔

یا کسی ماسٹر یا پروفیسر کی غلط کاریوں کو دیکھ کر دنیا بھر کے پروفیسروں کو گالیاں دینے لگے۔

یا چند ایک والدین کی غفلتوں اور نادانیوں کو دیکھ کر سب والدین کو بُرا سمجھنے لگے۔

اگر علماء حق نہ ہوتے

آپ ایک لمحے کے لئے سوچیں کہ اگر علماء حق نہ ہوتے تو کیا ہوتا، اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دین کسی کا محتاج نہیں لیکن یہ عالمِ اسباب ہے جہاں ہر چیز کا کوئی نہ کوئی سبب ہے ہر معلول کی کوئی علت ہے، ہر اثر کا کوئی مؤثر ہے۔ تو اس عالمِ اسباب کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ:

اگر علماء نہ ہوتے تو نبی کے ورثاء اور خلفاء نہ ہوتے،

اگر علماء نہ ہوتے تو اولیاء اور اتقیاء نہ ہوتے،

اگر علماء نہ ہوتے تو قرآن وسنت کے تراجم اور تفسیریں ہوتیں،

اگر علماء نہ ہوتے تو عوام عقائد و عبادات اور حلال وحرام کے مسائل سے غافل رہتے،

اگر علماء نہ ہوتے تو ملحدوں اور بدعتیوں کو دین میں تحریف کرنے سے کوئی نہ روکتا،

اگر علماء نہ ہوتے تو خودسر بادشاہوں کو شریعت میں ہیر پھیر سے روکنے والا کوئی نہ ہوتا،

اگر علماء نہ ہوتے تو اکبر جیسے سرپھروں کو دینِ اکبری کے ایجاد کرنے سے کون روکتا۔

وعیدیں اور تہدیدیں

علماء کو حقارت کی نظر سے دیکھنے والوں کو

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ وعیدیں بھی پیش نظر رکھنی چاہئیں جو آپؐ نے علماء کو بُرا بھلا کہنے والوں اور علماءِ حق کو اذیت دینے والوں کے بارے میں ارشاد فرمائی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث ہے کہ

مؤمن کو گالیاں دینا فسق ہے[1]۔ اگر ایک عام مومن کو گالیاں دینا فسق ہے تو کیا علماء اور اولیاء کو گالی دینا فسق نہیں ہے؟

ایک حدیثِ قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

مَن عادیٰ لِیْ وَلِیًّا فقد اٰذنتُہٗ بالحرب

جو شخص میرے کسی ولی سے دشمنی رکھے میری طرف سے اس کو اعلانِ جنگ ہے[2]۔

حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجدِ نبوی میں تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت معاذ بن جبلؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے قریب بیٹھے رو رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے دریافت کیا، معاذ! کیوں رو رہے ہو؟ عرض کیا کہ میں نے اس (پاک) قبر والے (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ایک بات سُنی تھی اس کی وجہ سے رو رہا ہوں (کہیں ایسا نہ ہو کہ میں بھی اس میں مبتلا ہو جاؤں) میں نے آپ کو یہ کہتے ہوئے سُنا تھا کہ تھوڑا سا دکھلاوا بھی شرک ہے اور جو شخص اللہ کے کسی ولی کے ساتھ دشمنی کرتا ہے وہ اللہ کی لڑائی کے لئے مقابلہ کرتا ہے[3]۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ شخص میری امت میں سے نہیں ہے جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، ہمارے چھوٹوں پہ رحم نہ کرے اور ہمارے علماء کی قدر نہ کرے[4]۔

---

[1] جامع صغیر۔ [2] مشکوٰۃ بخاری۔ [3] مستدرک حاکم۔ [4] الترغیب والترہیب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے کہ تین شخص ایسے ہیں جن کو منافق کے سوا کوئی شخص ذلیل نہیں سمجھ سکتا، ایک وہ شخص جو اسلام کی حالت میں بوڑھا ہو گیا، دوسرا صاحبِ علم، تیسرا عادل بادشاہ[۱]۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

اُغْدُ عالماً اومتعلماً اومستمعاً اومحباً ولاتکن الخامس فتھلک

تم عالم بنو یا طالبِ علم، یا علم سُننے والا، یا (علم اور علماء سے) محبت رکھنے والے، پانچویں قسم میں داخل نہ ہونا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے[۲]۔

حافظ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ پانچویں قسم سے مراد علماء کی دشمنی اور ان سے بغض رکھنا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی فقیہ (عالم) کو اذیت پہنچاتا ہے، اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائی اور جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچائی، اس نے اللہ جل جلالہٗ کو اذیت پہنچائی۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: جب میری اُمت اپنے علماء سے بغض رکھنے لگے گی اور بازاروں کی عمارتوں کو بلند اور غالب کرنے لگے گی اور مال و دولت کے ہونے پر نکاح کرنے لگے گی تو اللہ تعالیٰ ان پر چار قسم کے عذاب مسلط فرما دیں گے ① قحط سالی ہو جائے گی۔ ② بادشاہ کی طرف سے مظالم ہوں گے ③ حکام خیانت کرنے لگیں گے ④ اور دشمنوں کے پے در پے حملے ہوں گے[۳]۔

آج کل ان عذابوں میں سے کونسا عذاب ہے جو امّت پر مسلط نہیں ہے لیکن اس کے باوجود امّت اُن اسباب کو دور کرنے پر تیار نہیں جن کی وجہ

---

[۱] الترغیب۔ [۲] مقاصد حسنہ [۳] حاکم

سے عذاب پر عذاب آرہے ہیں، فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:

مَنْ اَبْغَضَ عَالِماً بِغَیْرِ سَبَبٍ ظَاهِرٍ خِیْفَ عَلَیْهِ الْکُفْرُ

جو شخص کسی عالم سے بلا کسی ظاہری سبب کے بُغض رکھے اس کے کفر کا اندیشہ ہے

محبت و نفرت کا نتیجہ میرے دوستو! نہ علماء حق کی محبت کو حقیر عمل سمجھو اور نہ ان سے نفرت کرنے کو معمولی بات سمجھو کیونکہ بعض اوقات اللہ کے نیک بندوں کی محبت کی وجہ سے ایک گنہگار جنت کا حقدار اور خدا کا پیارا بن جاتا ہے اور بعض اوقات ایک ایسا انسان جو بظاہر نماز روزے کا پابند ہوتا ہے اللہ کے نیک بندوں سے نفرت اور اُن کو ستانے کی وجہ سے مردود اور مبغوض ہو جاتا ہے، یہ مضمون تو کئی حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ آدمی کا شمار اور حشر ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جن سے وہ محبت رکھتا ہے

ایک صحابی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ایک شخص ایک جماعت سے محبت رکھتا ہے لیکن (اعمال کے اعتبار سے) ان تک نہیں پہنچ سکتا ہے۔ (اُس کے بارے میں کیا ہے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی اُنہیں لوگوں میں شمار ہوتا ہے جن سے محبت رکھتا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے دریافت کیا یا رسول اللہ قیامت کب آئے گی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تو نے قیامت کے واسطے کیا تیاری کر رکھی ہے (کہ قیامت کا اتنا انتظار ہے) انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اس کے سوا کوئی تیاری نہیں کی کہ اللہ اور اس کے رسول سے مجھے محبت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو (قیامت کے دن) اُسی کے ساتھ ہو گا جس سے محبت رکھتا ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں

کہ صحابہ کرام کو اس حدیث کے سننے سے جتنی مسرت اور خوشی ہوئی کسی چیز سے نہیں ہوئی۔[1]

اسی لئے تو کسی شاعر نے کہا ہے

حُبِّ درویشاں کلیدِ جنت است
دشمنِ ایشاں سزاوارِ لعنت است[2]

اللہ والے کا ساتھ میرے بزرگو اور دوستو ! اللہ والوں کی دوستی فائدے سے خالی نہیں، اس سلسلے میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہے، حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ اُن کا وجودِ باری تعالیٰ پر ایک دہریے سے مناظرہ ہوا۔ بہت دلیلیں دیں مگر اُس ملحد کے قلب و دماغ پر کفر و شرک کی ایسی ظلمت چھائی ہوئی تھی کہ وہ "میں نہ مانوں" کی رٹ لگاتا رہا آخر کار آپ نے اسے یہ چیلنج دیا کہ میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر آگ میں ڈالتا ہوں ہم میں سے جو جھوٹا ہوگا اس کا ہاتھ جل جائے گا اور سچے کا ہاتھ سلامت رہیگا دہریہ اس پر تیار ہوگیا اور دونوں نے ہاتھ آگ میں ڈال دیئے مگر ہوا یہ کہ ملحد کا ہاتھ بھی سلامت رہا اور حضرت مالک بن دینار کا ہاتھ بھی سلامت رہا۔

حضرت مالک بن دینار نے بارگاہِ رب العالمین میں عرض کیا، اے اللہ تو سچوں کا ساتھی جھوٹوں کا دشمن اور مومنوں کا دوست اور کافروں کا مخالف ہے۔ یہ کیا ماجرا ہے کہ تو نے اپنے اور بیگانے، باوفا اور باغی، مسلم اور منکر سے ایک جیسا سلوک کیا۔ ہاتفِ غیبی نے آواز دی :

مالک ! میری رحمت یہ کیسے گوارا کرسکتی ہے کہ میں اس ہاتھ کو جلا ڈالوں جو میرے محبوب اور مقبول بندے کے ہاتھ میں ہو۔

تو میرے دوستو ! اللہ والوں اور علماء حق کی محبت کسی حال میں بھی

---

[1] مشکوٰۃ شریف۔ [2] تذکرۃ الاولیاء

فائدے سے خالی نہیں۔

ساحران مصر بعض علماء نے لکھا ہے کہ فرعون نے جب حضرت موسیٰ کے مقابلے کے لئے مصر کے نامی گرامی ساحروں کو اکٹھا کر لیا تو ان ساحروں کی تھوڑی دیر پہلے تو یہ حالت تھی کہ وہ فرعون سے یہ طے کر رہے تھے کہ ہم جیت گئے تو ہم کو کیا ملے گا لیکن کچھ ہی دیر بعد دیکھتے ہیں کہ وہ رب العالمین کے سامنے سجدے میں گرے ہوئے رو رو کر کہہ رہے ہیں اٰمنّا بربّ العٰلمین ربّ موسیٰ وَھٰرُوْن ہم ایمان لے آئے جہانوں کے رب پر جو کہ موسیٰ و ھارون کا رب ہے۔

تو اتنی جلدی ان کی دل کی دنیا کیسے بدل گئی۔ تو علماء کہتے ہیں کہ جب یہ جادوگر مقابلہ کرنے کے لئے حضرت موسیٰ کے مقابلہ میں آئے تو حضرت موسیٰؑ کی صورت اور سیرت دیکھ کر اُن کے دل میں آپ کی عزّت وعظمت آگئی تھی اور انھوں نے اظہارِ ادب ہی کے لئے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا "آپ (لاٹھی) پہلے ڈالیں گے یا ہم (رسّیاں) پہلے ڈالیں" تو اللہ کے نبی کا یہ ظاہری ادب واحترام بھی ان کا ضائع نہ گیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو دولتِ ایمان سے نواز دیا۔

علماء کے فضائل پھر یہ بھی تو سوچیں کہ اگر آپ سے کہا جاتا ہے کہ علماء کا ادب واحترام ضروری ہے تو یہ بات کہنے والے مَیں اور آپ تو نہیں بلکہ علماء کی تعظیم وتکریم کا اللہ اور اس کے سچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہے۔

کبھی تو آپؐ نے یوں فرمایا کہ میرے بعد سب سے بڑا سخی وہ ہے جو علم سیکھ کر اسے پھیلاتا ہے۔

کبھی فرمایا عالمِ باعمل کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ امتی پر۔

کبھی فرمایا کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں۔

کبھی فرمایا ایک فقیہ عالم شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے
اور عالم کے زیادہ بھاری ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات ایسا ہو سکتا
ہے کہ ایک عابد و زاہد اور جاہل صوفی اپنی جہالت کی وجہ سے شیطان کی چال
کو نہ سمجھ سکے مگر عالم دین شیطان کی ہر چال کو سمجھ لیتا ہے۔

نادان صوفی | کہتے ہیں ایک بھولے بھالے صوفی صاحب تھے عبادت
تو وہ کرتے تھے مگر بیچارے کے پاس علم نہیں تھا، صوفی صاحب نے کسی سے
سُن لیا کہ نفس کُشی کرنے اور نفس کی مخالفت کرنے سے خدا ملتا ہے انہوں نے
تہیہ کر لیا کہ میں نفس کی مخالفت کروں گا تا کہ واصل باللہ ہو جاؤں۔
اب اگر ان کا دل اچھی غذا کو چاہتا تو وہ گلی سڑی غذا استعمال کرتے، اچھے
کپڑے پہننے کو جی چاہتا، مگر وہ پھٹے پُرانے بوسیدہ کپڑے پہنتے، نیند کا غلبہ
ہوتا مگر وہ زبردستی اپنے آپ کو جگائے رکھتے، خوشبو سونگھنے کو ان کا جی
بہت چاہتا تھا مگر انھوں نے مستقل اپنی جیب میں تھوڑی سی غلاظت رکھ
لی تھی تا کہ جب نفس خوشبو کا تقاضا کرے اِس غلاظت سے اُس کا علاج
کریں، اسی حالت میں وہ نمازیں بھی پڑھتے رہے۔ چند دن بعد ایک عالم دین
سے انھوں نے اپنی نفس کُشی کا طریقہ بیان کیا تو انہوں نے بتایا کہ جناب آپ کی
تو اتنے دنوں کی نماز ہی نہیں ہوئی دوبارہ نماز قضا کریں

صوفی صاحب بہت بھنائے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس عالم دین
نے سمجھایا، حضرت صوفی صاحب! ہمارا دین پاکی کی تعلیم دیتا ہے۔ نماز کے جائز
ہونے کی پہلی شرط بدن اور لباس کا پاک ہونا ہے جبکہ آپ تو غلاظت ساتھ
لیئے پھرتے ہیں۔

بہر حال یہ عرض کر رہا تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے علماء دین

کے بے شمار فضائل بیان فرمائے ہیں ان فضائل کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی آپ مد نظر رکھیں کہ دین کی حفاظت اور تعلیم و تعلّم اور نشر و اشاعت کے سلسلے میں علماء کرام نے جو تکلیفیں اٹھائی ہیں اور جو قربانیاں دی ہیں آج ان کے تصور سے بھی دانتوں کو پسینہ آتا ہے، اگر وہ یہ تکلیفیں نہ اٹھاتے تو علم کی حفاظت کیسے ہوتی اور دین ہم تک کیسے پہنچتا ؟

مشقتیں اور جان کا ہیاں امام بخاریؒ۔ جن کی صحیح بخاری کو اصحّ الکتب بعد کتاب اللہ ہونے کا شرف حاصل ہے، ان کو ایام طالب علمی کے ایک سفر میں غریبی نے اتنا مجبور کیا کہ برابر تین دن انہوں نے جنگل کی بوٹیاں کھا کر گذارہ کیا[1]

فنّ حدیث کے عالی مرتبہ امام ابو حاتم رازیؒ اپنا قصہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں زمانہ طالب علمی میں چودہ برس بصرے میں رہا ایک مرتبہ تنگ دستی کی یہ نوبت پہنچی کہ کپڑے تک بیچ کھائے، جب کپڑے بھی نہ رہے تو دو دن بھوکا رہا آخر مجبوراً ایک دوست کے سامنے اپنا حال ظاہر کیا، خوش قسمتی سے اس کے پاس ایک اشرفی تھی آدھی اس نے مجھ کو دے دی[2]

حافظ الحدیث حجاج بغدادیؒ شبابہؒ کے یہاں تحصیل کے لئے جانے لگے تو ان کی کل کائنات وہ سَو روٹیاں تھیں جو دل سوز والدہ نے پکا کر دے دی تھیں۔ روٹیاں مہربان ماں نے پکا دیں اور سالن ہونہار بیٹے نے خود تجویز کرلیا اور سالن بھی ایسا کثیر و لطیف کہ سالہا سال گزرنے کے باوجود آج تک ویسا ہی تر و تازہ ہے وہ کیا؟ دجلے کا پانی! حجاج ہر روز ایک روٹی دجلے کے پانی میں بھگو کر کھا لیتے اور استاد سے پڑھتے۔ جس روز وہ روٹیاں ختم ہوگئیں ان کو استاد کا فیض بخش دروازہ چھوڑنا پڑا[3]

---

[1] مقدمہ فتح الباری۔ [2] تذکرۃ الحفاظ۔ [3] تذکرۃ الحفاظ

صحیح بخاری کے مصنّف امام بخاریؒ نے چودہ برس کی عمر میں حدیث شروع کردی تھی۔ بخارا سے مصر تک سارے ممالک کا امام بخاریؒ نے سفر کیا۔

امام ابو حاتم رازیؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے تین ہزار فرسخ سے زیادہ مسافت پیدل طے کی ہے لیکن یہ ان کی مسافت کی انتہا نہیں ہے بلکہ ان کے شمار کی حد ہے، کیونکہ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے میلوں کا شمار کرنا چھوڑ دیا۔

امام ابن جوزیؒ مشہور محدّث ہیں تین سال کی عمر میں یتیم ہو گئے تھے، علمی استغراق کی حالت یہ تھی کہ جمعہ کی نماز کے علاوہ گھر سے دور نہیں جاتے تھے ایک مرتبہ منبر پر کہا کہ میں نے اپنی ان انگلیوں سے دو ہزار جلدی لکھی ہیں۔ احادیث لکھتے وقت قلموں کے تراشے جمع کرتے جاتے تھے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میرے نہلانے کا پانی اسی سے گرم کیا جائے۔ کہتے ہیں کہ پانی گرم کرنے کے بعد تراشے بچ گئے تھے۔

اگر یہ جلیل القدر علماء کرام علم کے حصول اور علم کے تحفظ کیلئے اتنی مشقتیں نہ اٹھاتے، اتنے سفر نہ کرتے، وطن سے بے وطن نہ ہوتے، بھوک پیاس برداشت نہ کرتے تو ہم تک صحیح علم نہ پہنچتا۔ ان علماء کے حالات سے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ صحیح عالم دین اور خداشناس بننے میں کس قدر مشقت اٹھانی پڑتی ہے۔ آج لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اردو کی دو چار کتابیں پڑھ لینے سے بندہ عالم بن جاتا ہے۔ اسی قسم کے نام نہاد اسکالر اور علماء آج کل لوگوں کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں علومِ نبوّت کے لئے محنت اور جان سپاری کی ضرورت ہے کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔

ماہہا باید تا یک پنبہ دانہ بعد کشت
جامہ گردد شاہدے را یا شہیدے را کفن

مہینوں کی مدت چاہیئے کہ ایک بنولے کا دانہ منوں مٹی کے اندر جائے اپنی ہستی کو فنا کرے اس میں سے درخت پیدا ہو اس میں سے روئی نکلے اس سے لباس بنے تو بنولہ کا دانہ اگر اپنی ہستی کو مٹا کر روئی کی صورت میں اپنے کو پیش نہ کرتا تو نہ شہید کے لئے کفن میسّر آتا اور نہ شاہد کے لئے لباس، اور کہتے ہیں کہ :

قرنہا باید تا یک سنگ خار زار آفتاب
لعل گردد در بدخشان یا عقیق اندر یمن

قرنہا قرن کی مدت چاہیئے کہ سنگِ خار کا ایک ٹکڑا آفتاب کی گرمی سہتے سہتے صدیوں میں جا کے لعل بدخشانی بنے اور بازار میں لاکھوں روپے اس کی قیمت اُٹھے مگر جب تک وہ سنگِ خار آفتاب کی گرمی نہیں سہے گا اور اپنے کو جلا کر پھونک نہیں دے گا لعل بدخشانی نہیں بنے گا۔ اسی طرح سے کہا کہ :

سالہا باید تا یک کودکے از درسِ علم
عالمے گردد نکو یا شاعرِ شیریں سخن

سالہا سال کی مدت اور محنت چاہیئے کہ ایک نادان بچہ عالم بنے یا شاعرِ شیریں سخن بنے گھر بیٹھے علم کی دولت نہیں ملتی، بلا محنت کے باتیں بنانے سے یہ مقام میسّر نہیں آتا ہے۔

عاشقی شیوۂ زندانِ بلاکش باشد[1]۔

شریعتِ حقہ کی حفاظت | ایک اور پہلو کی طرف بھی آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اگر ہر دور کے علماءِ حق وقت کے فتنوں کا مقابلہ نہ کرتے اور خود سر حکمرانوں کو دین میں من مانی کرنے سے نہ روکتے

---

[1] تفصیل کے لئے خطباتِ حکیم الاسلام دیکھیے۔

تو یہ بدبخت لوگ شریعت کا حلیہ بگاڑ دیتے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ جب کوئی فتنہ رونما ہوا، جب کبھی اسلام میں تحریف کرنے کی کوشش کی گئی علماء حق نے اس کی سرکوبی کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دی

وہ بھوکے پیاسے تو رہے،
انہوں نے طعنے اور گالیاں سُنیں
انھیں جیل کی کال کوٹھڑیوں میں بھی جانا پڑا،
انھوں نے اپنی پیٹھ پر کوڑوں کی ضربات بھی سہہ لیں،
وہ مرحلۂ دار و رسن سے بھی گزرے،
انہوں نے حکمرانوں کی ناراضگی اور مخالفت بھی مول لے لی،
انہوں نے اپنے اعضاء اور گردن کو کٹوانا بھی منظور کر لیا،

لیکن -

انہوں نے کسی ملحد اور بے دین کو کسی جابر اور ظالم حکمران کو شریعت کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ حکم میں بھی تحریف کرنے کی اجازت نہیں دی -

علماء حق کی قربانیاں آپ جانتے ہیں کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کا جنازہ جیل خانے سے اُٹھا -

امام مالکؒ کو وقت کے حکمرانوں کی ہاں میں ہاں نہ ملانے کی وجہ سے بے انتہا ستایا گیا، ان کی ننگی پیٹھ پر انتہائی درندگی سے ستّر کوڑے مارے گئے - آپ کے ہاتھ اس قدر کس کے باندھے گئے کہ شانے اتر گئے، پھر اونٹ پر بٹھا کر ایک مجرم کی حیثیت سے شہر میں گشت کرایا گیا مگر قربان جاؤں اے مہاجرِ مدینہ! تیری جرأت و استقامت پر آپ اس حالت میں بھی حق کہنے سے باز نہ رہے آپ بلند آواز سے کہتے جاتے تھے :

مَن یعرفُنی فہُویعرِفُنِی وَمَن لَایعرفُنی فَاعرِف اَنَا مالکُ بنُ انسٍ ۔ جو مجھے پہچانتا ہے تو وہ مجھے پہچانتا ہے اور جو نہیں نہیں پہچانتا وہ بھی پہچان لے کہ میں مالک بن انس ہوں ۔ میں کل جو فتویٰ دیتا تھا آج بھی وہی فتویٰ دیتا ہوں ۔

امام احمد بن حنبلؒ کو دیکھئے خلقِ قرآن کے مسئلے میں مامون، معتصم اور واثق تین خلفاء کے عہد میں آپ پر مصیبتوں کے پہاڑ توڑے گئے، ظلم و ستم کی چکی چلائی گئی کبھی ہتھکڑیوں، بیڑیوں اور بھاری زنجیروں میں جکڑا گیا اور کبھی نظر بندی اور قیدِ تنہائی میں رکھا گیا، تازہ دم جلاد ننگی پیٹھ پر درندگی اور حیوانیت کے ساتھ دُرّے مارتے لیکن آپ اُف نہ کرتے تھے راوی کہتا ہے کہ آپ کی پیٹھ پر جس شدت کے ساتھ کوڑے مارے گئے اگر کسی ہاتھی کی پیٹھ پر مارے جاتے تو بلبلا اٹھتا مگر امام کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی ۔ امام صاحب کو دہشت زدہ کرنے کے لئے خلیفہ کے دربار میں آپ کے سامنے دو آدمیوں کی گردن اُڑائی گئی لیکن اس خوفناک ماحول میں بھی آپ کے اطمینان کا یہ حال تھا کہ امام شافعیؒ کے ایک شاگرد کو دیکھ کر دریافت کرنے لگے کہ فلاں مسئلہ میں امام شافعیؒ کا قول آپ کو یاد ہے ؟ حاضرینِ مجلس اس اطمینان کو دیکھ کر دنگ رہ گئے آپ سے عناد رکھنے والے ایک درباری ۔ احمد بن ابی داؤد نے تعجب سے کہا اس شخص کو دیکھو اسے یہاں گردن اُڑانے کے لئے لایا گیا ہے مگر وہ فقہی مسائل میں دلچسپی لے رہا ہے ۔

فتنہ اکبری کا مقابلہ پھر آپ اس متحدہ ہندوستان کی تاریخ پر نظر ڈالیں، یہاں ایک وقت ایسا آگیا تھا کہ اسلام کا چراغ ٹمٹماتا ہوا

محسوس ہو رہا تھا دینِ اکبری ایجاد ہو رہا تھا ،
خنزیر اور کتے کی پاکی کا حکم دیا گیا ،
سود، شراب اور جوا حلال سمجھا گیا ،
برہما مھادیو اور کشن وغیرہ کی تعظیم کی جاتی تھی ،
کلمہ تک بدل دیا گیا اور یوں پڑھا جاتا تھا
لا الٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ
بادشاہ کو سجدہ کیا جاتا تھا ،
اسلامی نام رکھنے سے منع کر دیا گیا ،
شیر اور بھیڑیے کا گوشت حلال کر دیا گیا ،
اور بھینس، بھیڑ بکری اور اونٹ کا گوشت حرام قرار دیا گیا ،
فرمان جاری کیا گیا کہ عربی علوم کا پڑھنا پڑھانا ترک کر دیا جائے ،
صحابہ پر تبرّا بازی ہوتی تھی ،
گائے اور اس کے گوبر کی پوجا اکبر خود کرتا تھا۔
کہا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی عمر ایک ہزار سال تھی اب نئے دین کی ضرورت ہے اس دین کا نام توحید الٰہی رکھا گیا ، یہ سب کچھ دیکھ کر واقعی یوں محسوس ہوتا تھا کہ اب کم از کم ہندوستان میں دینِ اسلام باقی نہیں رہ سکے گا

لیکن ! آپ اس پُرآشوب دور میں جانتے ہیں وہ کون مردِ درویش تھا
جس نے دینِ اسلام کی تجدید کا فریضہ سرانجام دیا ؟
آپ یقین کریں کہ وہ کسی یونیورسٹی کا پروفیسر نہ تھا ،
وہ کوئی سائنس دان نہ تھا ،
وہ کوئی انجنیئر اور جدید اسکالر نہ تھا ،

بلکہ وہ مسجد کے ننگے فرش اور مدرسہ کی چٹائیوں پر بیٹھ کر کتاب و سنّت کا علم حاصل کرنے والا ایک خداشناس مولوی تھا ،
وہ شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدّد الف ثانیؒ تھے ،
جنہوں نے فتنۂ اکبری کا بڑی جرأت سے مقابلہ کیا
جنہوں نے گوالیار کے قلعہ میں قید ہونا گوارا کر لیا لیکن جبینِ نیاز کے تقدس کو دربارِ اکبری پر نہیں لٹایا
جنہوں نے شریعت کے روشن چہرے سے بدعات اور تحریفات کے گرد و غبار کو صاف کیا۔

فتنۂ انگریز پھر اسی متحدہ ہندوستان میں جب انگریزوں نے عیسائی مشنریوں کا جال بچھادیا اور اسلامی عقائد کو بگاڑنے اور اسلامی تاریخ کو مسخ کرنے کی ناپاک کوشش کی تو اُن کا مقابلہ کرنے والے بھی یہی علماء کرام ہی تھے ، اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو جاؤ :

مالٹا کے در و دیوار سے پوچھو شیخ الہند محمود الحسنؒ کون تھا ،
کراچی اور انڈیا کی جیلوں سے پوچھو سید حسین احمد مدنیؒ کون تھا ،
جزیرہ انڈمان اور کالے پانی سے پوچھو جعفر تھانیسریؒ کون تھے ،
بالاکوٹ کے سنگریزوں سے پوچھو سید احمد شہیدؒ اور اسماعیل شہیدؒ کون تھے ،
میانوالی اور سکھر کی جیلوں سے پوچھو سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کون تھا

ان درختوں اور پھانسی گھروں سے پوچھو جہاں حق بولنے والے پاکیزہ انسانوں کی نعشیں لٹکتی رہیں کہ وہ عظیم انسان کون تھے جنہوں نے دین کی حفاظت کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا

خوشا وہ آبلہ پا کاروانِ اہلِ جنون
لٹا گیا جو بہاروں پہ اپنی سُرخیِ خون

کیا یہ ڈوب مرنے کی بات نہیں ہے کہ جن علماءِ حق کا صدقہ ہمیں دین ملا
جن کی قربانیوں کا صدقہ ہمیں کتاب اللہ ملی،
جن کی جانفشانیوں سے ہمیں سنتِ رسول اللہ ملی،
جن کی جہد و سعی سے مسجدیں آباد ہیں
جن کی کوششوں اور کاوشوں سے مدارس سے قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں آرہی ہیں۔

آج ! انہیں علماءِ حق کو مطعون کیا جاتے ؟
اُن کو سبّ و شتم کیا جائے ؟
اُن کی ذات کو ہدفِ تنقید بنایا جائے ؟

ان علماء کا یہ احسانِ عظیم کیا کم ہے کہ وہ آج کے گئے گذرے دور میں بھی جبکہ دین کا کوئی قدرشناس نہیں اور اہلِ علم کی قدر و منزلت نہیں وہ پھر بھی دین کی شمع کو روشن کئے ہوئے ہیں اور مدارس کو آباد کئے ہوئے ہیں،

میں مانتا ہوں کہ بعض علماءِ سوء بھی ہیں جو علم کے نام پر دھبّہ ہیں،
جن کا کام سوائے ضمیر فروشی کے کچھ نہیں،
جو کتمانِ حق بلکہ تحریفِ حق سے بھی باز نہیں آتے،
جن کی زندگی ہر حکمران کی کاسہ لیسی میں گزر جاتی ہے،
جو چند ٹکوں کے عوض نقدِ ایمان کا سودا کر لیتے ہیں،
جو کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں۔

میں صاف صاف کہدینا چاہتا ہوں کہ ایسے ضمیر فروشوں کو اللہ تعالےٰ نے اس گدھے کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہو مگر وہ اس سے بے خبر ہو، اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں :

مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا ؕ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ (سورہ جمعہ پ ۲۸ ع ۱۱)	جن لوگوں کو توراۃ پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی حالت اُس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادی ہوئے ہے، ان لوگوں کی بُری حالت ہے جنہوں نے خدا کی آیتوں کو جُھٹلایا، اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

لیکن آپ ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ اس قسم کے چندے عملوں کی وجہ سے اُن بے شمار علماء حق سے نفرت کرنے لگنا کہاں کا انصاف ہے،

جن کی زندگیاں اسلام کی چلتی پھرتی تصویریں ہیں،

جن کی راتیں عبادت میں گذرتی تھیں اور دن تبلیغ و دعوت میں،

جن کا اوڑھنا بچھونا قال اللہ وقال الرسول ہے،

جن کی نظروں میں سیم وزر کی حیثیت سنگریزوں سے زیادہ نہیں

جو کسی ظالم وجابر کے سامنے حق بات کہنے سے باز نہیں آتے،

جنہوں نے اسلام کی خاطر اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا ہے،

میں اس موقع پر مناسب خیال کرتا ہوں کہ آپ کو علماء حق کی نشانیاں بھی بتا دوں تاکہ آپ کو علماءِ دنیا و علماءِ آخرت کے پہچاننے میں کوئی دقت نہ ہو۔

علمائے حق کی علامات | امام غزالیؒ نے علماءِ حق یا علماءِ آخرت کی بارہ ۱۲ علامتیں لکھی ہیں:

پہلی علامت یہ ہے کہ اپنے علم سے دنیا نہ کماتا ہو۔ عالم کا کم سے

کم درجہ یہ ہے کہ دنیا کی حقارت اور اس کے جلد ختم ہو جانے کا اس کو احساس ہو اور آخرت کی عظمت اور اس کے ہمیشہ رہنے کا اس کو خیال ہو۔

دوسری علامت یہ ہے کہ اس کے قول فعل میں تعارض نہ ہو، ایسا نہ ہو کہ دوسروں کو خیر کا حکم کرے اور خود اس پر عمل نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (سورۃ البقرۃ پ۱ ع ۵)	کیا غضب ہے کہتے ہو اور لوگوں کو نیک کام کرنے کو اور اپنی خبر نہیں لیتے حالانکہ تم تلاوت کرتے رہتے ہو کتاب تو پھر کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔

تیسری علامت یہ ہے کہ ایسے علوم میں مشغول ہو جو آخرت میں کام آنے والے ہوں اور نیک کاموں میں رغبت پیدا کرنے والوں ہوں، ایسے علوم سے احتراز کرے جن کا آخرت میں کوئی نفع نہیں۔

چوتھی علامت یہ ہے کہ کھانے پینے اور لباس کی نزاکتوں اور عمدگیوں کی طرف متوجہ نہ رہے بلکہ ان چیزوں میں میانہ روی اختیار کرے اور بزرگوں کے طرز کو اپنائے

پانچویں علامت یہ ہے کہ بادشاہوں اور حکام سے دور رہے۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو فتنوں کی جگہ کھڑے ہونے سے بچاؤ، پوچھا گیا کہ فتنوں کی جگہ کونسی ہے؟ فرمایا امراء کے دروازے کہ ان کے پاس جاکر ان کی غلط کاریوں کی تصدیق کرنی پڑتی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بدترین علماء وہ ہیں جو حکام کے دربار میں حاضر ہوں اور بہترین حاکم وہ ہیں جو علماء کے دروازے پر حاضری

دیں، اسی لئے تو کہا گیا ہے :

نعم الامیر علی باب الفقیر و بئس الفقیر علی باب الامیر

چھٹی علامت یہ ہے کہ فتویٰ صادر کرنے میں جلدی نہ کرے، مسئلہ بتانے میں بہت احتیاط کرے، اگر کوئی دوسرا اہل ہو تو اس کے حوالے کرنے کی کوشش کرے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ صحابۂ کرام چار چیزوں سے بہت احتراز کرتے تھے ① امامت کرنے سے ② وصی بننے سے ③ امانت رکھنے سے ④ فتویٰ دینے سے۔ اور ان کا خصوصی مشغلہ پانچ چیزیں تھیں ① قرآن پاک کی تلاوت ② مساجد آباد کرنا ③ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ④ اچھی باتوں کی نصیحت کرنا ⑤ بُری باتوں سے روکنا۔

ساتویں علامت : یہ ہے کہ اس کو باطنی علم یعنی سلوک کا بہت زیادہ اہتمام ہو، اپنی اصلاحِ باطن اور اصلاحِ قلب میں بہت زیادہ کوشش کرتا ہو۔

آٹھویں علامت : یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کا ایمان اور یقین بہت بڑھا ہوا ہو کیونکہ یقین ہی تو اصل راس المال ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ یقین ہی پورا ایمان ہے۔

نویں علامت : یہ ہے کہ اس کی ہر حرکت و سکون سے اللہ تعالیٰ کا خوف ٹپکتا ہو، اس کی عظمت و ہیبت کا اثر اس شخص کی ہر ادا سے ظاہر ہوتا ہو۔

دسویں علامت : یہ ہے کہ وہ اُن مسائل کا بہت زیادہ اہتمام کرتا ہو جو اعمال سے اور جائز ناجائز سے تعلق رکھتے ہیں۔

گیارھویں علامت : یہ ہے کہ اپنے علوم میں بصیرت کے ساتھ نظر کرنے والا ہو، محض لوگوں کی تقلید میں اُن کا قائل نہ ہو۔

بارھویں علامت : یہ ہے کہ بدعات سے بہت زیادہ شدت اور اہتمام کے ساتھ بچتا ہو، رسموں اور دنیا کی پیروی نہ کرتا ہو۔ حضرت حسن بصریؒ کا ارشاد ہے کہ دو شخص بدعتی ہیں ایک وہ شخص جو یہ سمجھتا ہے کہ دین تو بس وہی ہے جو اس نے سمجھا ہے اور دوسرا وہ شخص جو دنیا کی پرستش کرتا ہے اور اس کا طالب ہے۔

یہ ہیں علماء حق کی بارہ علامتیں اور انہی علامتوں میں غور کرنے سے علماء سوء کی نشانیاں سمجھ میں آجاتی ہیں۔

بہرحال عرض یہ کر رہا تھا کہ علماء حق کی فضیلتیں بھی بے شمار ہیں اور اُن کی قربانیاں اور امتِ مسلمہ پر اُن کے احسانات بھی بہت زیادہ ہیں اسلئے ہمیں ان کے مقام اور مرتبے کا احساس ہونا چاہیئے۔ یہ کتنے تعجب اور اچنبے کی بات ہے کہ ہم ایک سرمایہ دار اور معمولی افسر کے سامنے تو بچھ بچھ جاتے ہیں لیکن جس شخص کے پاس علم کا بے پناہ سرمایہ اور خداشناسی کی بہت بڑی دولت ہو اُسے خاطر میں نہیں لاتے حالانکہ یہ عہدہ اور منصب، یہ مال اور دولت توفانی ہیں آج ہیں کل نہیں۔ اور علم لافانی دولت اور عظیم خزانہ ہے

عظیم خزانہ | سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ علم مال سے کئی درجہ بہتر ہے اس لئے کہ :

علم انبیاء کی میراث ہے اور مال فرعون، ہامان، شداد و نمرود کی میراث ہے
علم خرچ کریں تو اس میں اضافہ ہوتا ہے مگر مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے۔
علم صاحبِ علم کی حفاظت کرتا ہے جبکہ مالدار کو اپنے مال کی حفاظت کرنا پڑتی ہے
مال بے وفا ہے جو مرنے کے بعد دنیا میں رہ جاتا ہے علم قبر میں بھی ساتھ جاتا ہے
مال مومن اور کافر دونوں کے پاس ہوتا ہے اور علم نافع صرف مومن کا حصہ ہے

مالداروں کے سب لوگ محتاج نہیں ہوتے، صاحبِ علم کا ہر شخص محتاج ہوتا ہے
علم پُل صراط پر سے گذرتے وقت سہارا دیگا جبکہ مال موجبِ ضعف ہوگا[1]
مجھے ان مولویوں پر بھی بیحد افسوس ہوتا ہے جو احساسِ کمتری کا شکار رہتے ہیں یا جو سرمایہ داروں کے دروازے پر علم کا وقار خاک میں ملاتے پھرتے ہیں
ہم اپنے آپ کو کسی سے کمتر کیوں جانیں جبکہ :

ہمارے پاس کائنات کی سب سے بڑی دولت ہے۔
ہمارے پاس کتاب اللہ ہے۔
ہمارے پاس سنتِ رسول اللہ ہے۔
ہمارے پاس صحابہ کا ترکہ ہے۔
ہمارے پاس اولیاء و اتقیاء کا ورثہ ہے

دنیا کے چند ٹکے کما لینے والے کی، ایک اللہ والے اور عالمِ باعمل کے مقابلہ میں حیثیت ہی کیا ہے۔

علم پر ناز اگر کسی کو ناز ہے مال و دولت پر،
کسی کو ناز ہے سیم و زر کے انبار پر،
کسی کو ناز ہے سیادت و قیادت پر،
کسی کو ناز ہے عہدہ و منصب پر،
کسی کو ناز ہے وزارت و حکومت پر،
کسی کو ناز ہے بنگلے اور کوٹھی پر،

تو ہمیں ناز ہے انبیاء کی وراثت پر، ہمیں اپنے علم پر غرور اور تکبر تو نہیں لیکن ناز ضرور ہے، ہم بے انتہاء شکر ادا کرتے ہیں اُس مالک و خالق کا جس نے ہم جیسے کمزوروں کو وراثتِ نبوی کے لئے منتخب فرمالیا، اور ہمیں اس علم

---

[1] حاشیہ تفسیر عزیزی

کے وقار کا بھی احساس ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری چھچھوری حرکتوں کی وجہ سے علم نبوت بدنام ہوجائے۔

مولویت کیا ہے؟ افسوس صد افسوس کہ آج کل کے بعض نام نہاد مولویوں کی غلط حرکتوں کی وجہ سے بعض لوگ یہ سمجھنے لگے ہیں کہ :

مولویّت ایک پیشے کا نام ہے

مولویّت لوگوں کے ٹکڑوں پہ پلنے کا نام ہے

مولویّت تیجے، دسویں چالیسویں کھانے کا نام ہے

مولویّت ساتے اور جمعراتے لینے کا نام ہے

مولویت قبروں کی مجاوری اور نذرانوں کے کاروبار کا نام ہے

مولویت مالداروں کی چاکری کا نام ہے

مگر میں علماءِ حق کے تاریخی کردار کی بناء پہ ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں کہ :

مولویت نبی کی وراثت کا نام ہے،

مولویّت صحابہ کی خلافت کا نام ہے،

مولویّت پیام نبوّت کی دعوت کا نام ہے،

مولویت خدا کے دین کی خدمت کا نام ہے۔

مولویت صداقت و حقّانیت کا نام ہے،

مولویت ناموسِ رسالت اور ناموسِ صحابہؓ کی حفاظت کا نام ہے،

مولویت سعید بن جُبیرؓ کی عزیمت کا نام ہے،

مولویت ابوحنیفہؒ کی فقاہت کا نام ہے،

مولویت امام مالکؒ کی حق گوئی کا نام ہے،

مولویت احمدؒ بن حنبل کی استقامت کا نام ہے،

مولویت امام ابن تیمیہؒ کی جرأت کا نام ہے،
مولویت مجدّد الف ثانیؒ کی جہدِ مسلسل کا نام ہے،
مولویت شاہ ولی اللہؒ کی بصیرت کا نام ہے،
مولویت سیّد احمد شہیدؒ اور سیّد اسماعیل شہیدؒ کی شہادت کا نام ہے،
مولویت قاسم نانوتویؒ کے علم و حکمت کا نام ہے،
مولویت شیخ الہندؒ کی غیرت کا نام ہے
مولویت مولانا محمد الیاسؒ کی دعوت و تبلیغ کا نام ہے۔
مولویت عبید اللہ سندھیؒ کی تڑپ کا نام ہے،
مولویت حسین احمد مدنیؒ کی عظمت اور شوقِ شہادت کا نام ہے،

واضح طور پر جان لیجئے کہ ہمارا روحانی رشتہ انہی مذکورہ بزرگوں سے ہے اور ہم فخر سے کہتے ہیں:

اولٰئک آبائی فجئنی بمثلھم اذا جمعتنا یا جریر المجامع

ہم جب تک ان بزرگوں کا نام لیتے رہیں گے، باطل کو للکارتے رہیں گے اور جب حق بات کہنے کی توفیق نہ رہی تو اپنے ان بزرگوں کا نام لینا بھی چھوڑ دیں گے تاکہ یہ بزرگ بدنام نہ ہوں

عالم بنو اور بناؤ آخر میں، میں آپ سے دو باتوں کی اپیل کروں گا ایک تو یہ کہ خود بھی عالم بنو اور اپنی اولاد اور عزیزوں کو بھی عالم بناؤ، آپ کے ذہن میں یہ بات کبھی نہ آئے کہ ہمارے بچے عالم بن گئے تو کھائیں گے کہاں سے، ان کی معاشی ضروریات کیسے پوری ہوں گی۔ مشاہدے اور تجربے کی بات ہے کہ بہت سارے ایف اے اور ایم اے تو بیروزگار پھرتے ہیں لیکن آپ کو کوئی عالمِ دین بے روزگار اور بھوکا نظر نہیں آئے گا۔ جو خدا کتوں اور بلیوں تک کو

روزی دے سکتا ہے کیا وہ دین کے سچے خادموں کو بھوکا رکھے گا؟
جو خدا اپنے دشمنوں تک کو نوازتا ہے کیا وہ اپنے دوستوں کو محروم رکھے گا اور یہ بھی یاد رکھیں کہ علم حقیقت میں دین کا علم ہے جس سے خدا کی معرفت اور دنیا و آخرت کی کامیابی نصیب ہوتی ہے اس کے علاوہ جتنے علوم ہیں وہ حقیقت میں فنون ہیں

دوسری اپیل آپ سے یہ کرنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ خود یا آپ کی اولاد دین کے علم سے محروم ہے تو کم ازکم علماء سے محبت اور تعلق ضرور استوار رکھیں، انشاء اللہ یہ محبت کبھی رائیگان نہیں جائے گی۔

وما علینا الا البلاغ

اتفاق اور اتحاد

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

"اختلاف کا پانچواں سبب یہ ہے کہ پورے دین کو توازن اور اعتدال کے ساتھ اختیار کرنے کے بجائے اپنے ذوق اور مرضی کے مطابق اجزاء اور رسموں پر زور دیا جاتا ہے اور انہی کو دین سمجھ لیا جاتا ہے پھر اُن پر اتنا اصرار اور ہٹ دھرمی اختیار کی جاتی ہے گویا یہ کفر اور ایمان کا مسئلہ ہے۔ جو یہ رسمیں کرتا ہے وہ تو پکّا مومن ہے اور جو ان رسموں سے بچتا ہے وہ ایمان سے خارج ہے، کسی کو سارا دین گیارہویں میں نظر آتا ہے کسی کو سارا دین اسپیکر میں صلوٰۃ وسلام پڑھنے میں نظر آتا ہے، کسی کو سارا دین ماتم اور کالے کپڑوں میں نظر آتا ہے، کسی کو سارا دین رفع یدین اور فاتحہ خلف الامام کے مسئلوں میں نظر آتا ہے، کسی کو سارا دین مراقبوں اور عملیات میں نظر آتا ہے، کسی کو سارا دین رفاہی اداروں میں نظر آتا ہے، کسی کو سارا دین تبلیغ اور چلّوں میں نظر آتا ہے، کسی کو سارا دین مناظروں میں نظر آتا ہے، یوں ہر شخص اپنے اپنے دین پر ڈٹا ہوا ہے اور اس کے لئے لڑنے مرنے کے لئے تیار رہتا ہے"

اتفاق اور اتحاد

نحمدہٗ ونصلی علیٰ سیدنا رسولہ الکریم

اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۗءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْھَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَھْتَدُوْنَ ○

سورۃ آل عمران پ۴ ع۲

اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کی رسی سلسلہ کو، اس طور پر کہ باہم متفق بھی ہو اور باہم نا اتفاقی مت کرو اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا ہے، اس کو یاد کرو جبکہ تم باہم دشمن تھے، پس اللہ تعالیٰ تمہارے قلوب میں الفت ڈالدی سو تم خدا تعالیٰ کے (اس) انعام سے (اب) آپس میں بھائی بھائی ہوگئے اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے سو اس سے خدا تعالیٰ نے تمہاری جان بچائی (یعنی اسلام نصیب کیا) اسی طرح اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اپنی نشانیاں بتلاتے رہتے ہیں، تاکہ تم لوگ راہِ راست پر قائم رہو

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک

۱؎ خطبہ کے آغاز میں آیات و احادیث محض علم میں اضافہ کے لئے ہیں

مِنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ٥

سورۃ الحجرات پ۲۶ ع ۱

عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو، اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ٥

سورۃ النساء پ۴ ع ۱۲

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا، اور اس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا، اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں اور تم خدا تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مطالبہ کیا کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو، بالیقین اللہ تعالیٰ تم سب کی اطلاع رکھتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ٥ لہ

بیشک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ در گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، پس ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے، پھر ان کا کیا ہوا ان کو جتلا دیں گے

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ط وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ٥ (سورۃ آل عمران پ۴ ع ۸)

اور تم لوگ ان کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے دین میں باہم تفریق کر لی اور (نفسانیت سے) باہم اختلاف کر لیا ان کے پاس احکام واضحہ پہنچنے کے بعد اور ان لوگوں کے لئے سزائے عظیم ہوگی۔

لہ سورۃ الانعام پ۸ ع ۷

وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ
مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ
وَكَانُوْا شِيَعًا، كُلُّ حِزْبٍ
بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ○
سورۃ الروم پ۲۱ ع ،

اور شرک کرنے والوں میں سے مت رہو
جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے
کر لیا اور بہت سے گروہ ہو گئے ہر گروہ
اپنے اس طریقہ پہ نازاں ہے جو اُن کے
پاس ہے۔

احادیث :

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو
قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَيَأْتِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِيْ
كَمَا اَتٰى عَلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ
حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حتی ان کان
منهم مَنْ اَتٰى اُمَّهٗ عَلَانِيَةً
لكان فی اُمّتی من يصنع ذٰلِكَ
وَاِنَّ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ تَفَرَّقَتْ
عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً و
تَفْتَرِقُ اُمَّتِيْ عَلٰى ثلاث وسبعين
ملة كُلُّهُمْ فی النَّارِ اِلَّا مِلَّةً
واحدة قالوا من هِيَ يَا
رَسُوْلَ اللّٰه قَالَ مَا اَنَا عَلَيْهِ وَ
اَصْحَابِيْ (رواه الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت پر
ایک ایسا زمانہ آئے گا جیسا کہ بنی اسرائیل
پر آیا تھا بالکل درست اور ٹھیک جیسی کہ
دونوں جوتیاں برابر اور ٹھیک ہوتی ہیں
یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سے اگر کسی
نے اپنی ماں سے علانیہ بدفعلی کی ہوگی تو
میری امت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے
جو ایسا کریں گے اور بنی اسرائیل کی قوم
بہتّر فرقوں میں منقسم ہو گئی تھی، میری امت
تہتر فرقوں میں منقسم ہوگی جن میں سے
ایک فرقہ جنتی ہوگا اور باقی سب دوزخ
میں جائیں گے۔ صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ
جنتی فرقہ کونسا ہوگا؟ آپ نے فرمایا
وہ فرقہ جس میں مَیں ہوں اور میرے اصحاب

وفی روایة احمد وأبی داؤد عن معاویة ثنتان وسبعون فی النار وواحدة فی الجنة وھی الجماعة وانّه سیخرج فی امّتی أقوام تتجاری بھم تلک الأھواء کما یتجاری الکلب بصاحبه لایبقی منه عرق ولامفصل إلّا دخله

اور احمد اور ابو داؤد نے حضرت معاویہ سے جو روایت کی ہے اسمیں یہ الفاظ ہیں کہ بہتّر گروہ دوزخ میں جائیں گے اور ایک گروہ جنّت میں اور جنّتی گروہ جماعت ہے اور البتہ نکلیں گی میری امت میں کئی قومیں جن میں خواہشات اس طرح رائج ہو جائیں گی، جس طرح ہڑک ہڑک والے میں جاری ہو جاتی ہے کہ کوئی رگ اور کوئی جوڑ اس سے باقی نہیں بچتا۔

وعن ابن عمر قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلّم: إنّ الله لایجمع أمّتی أوقال: أمّة محمّد علی ضلالة ویدالله علی الجماعة ومن شذّ شذّ فی النّار۔

(رواہ الترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا کہ خداوند تعالیٰ میری امت کو، یا آپ نے فرمایا کہ امتِ محمدیہ کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا، اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جو شخص جماعت سے الگ ہو اس کو دوزخ میں تنہا ڈالا جائے گا۔

وعنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: اتّبعوا السواد الأعظم فإنّه من شذّ شذّ فی النار

(رواہ ابن ماجة من حدیث أنس)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جماعتِ کثیر کا اتباع کرو پس جو شخص جماعت سے الگ ہو اس کو دوزخ میں تنہا ڈالا جائیگا

وعن أبي أمامة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ماضل قومٌ بعد هدًى كانوا عليه إلّا أوتوا الجدل ثم قرأ رسول الله صلى الله عليه وسلم هٰذه الآية مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ ۝ (رواه احمد والترمذي وابن ماجة)

حضرت ابی امامہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہدایت پانے اور ہدایت پر قائم رہنے کے بعد کوئی قوم گمراہ نہیں ہوئی مگر اس وقت جبکہ اس میں جھگڑا پیدا ہو اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی ترجمہ: " وہ نہیں بیان کرتے تیرے لئے مثال بلکہ جھگڑے کے لئے، بلکہ وہ جھگڑالو قوم ہی ہے۔

عن معاذ بن جبل قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الشيطان ذئب الإنسان كذئب الغنم يأخذ الشاذة والقاصية والناحية وإياكم والشعاب وعليكم بالجماعة والعامّة۔ (رواه أحمد)

حضرت معاذ بن جبلؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان آدمی کا بھیڑیا ہے جیسا بکری کا بھیڑیا ہوتا ہے جو اس بکری کو اٹھالے جاتا ہے جو ریوڑ سے بھاگ نکلی ہو یا ریوڑ سے دور چلی گئی ہو یا ریوڑ کے کنارے پر ہو اور بچو تم پہاڑ کی گھاٹیوں (یعنی گمراہیوں) سے اور جماعت اور مجمع کے ساتھ رہو۔

وعن أبي ذرّ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من فارق الجماعة شبرًا فقد خلع رِبقة الإسلام من عنقه۔ (رواه احمد وأبي داؤد)

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص جماعت سے بالشت بھر (یعنی ایک ساعت کے لئے) جدا ہوا اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے نکال دیا

حضرات گرامی قدر ! یہ بات تو ڈھکی چھپی نہیں کہ اس وقت بحیثیت مجموعی مسلمانوں کی ہوا اکھڑ چکی ہے نہ ان کی کہیں عزت وعظمت ہے نہ رعب و دبدبہ، دنیا کا کوئی ملک بھی ان سے نہیں ڈرتا اور وہ ہر کسی سے ڈرتے ہیں، عالمی سطح پر ان کا مذاق اُڑایا جاتا ہے، ان کو ایک کمزور امت تصور کیا جاتا ہے، حد تو یہ ہے کہ ان کے محبوب رہبر ورہنما اور کائنات کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمسخر کیا جارہا ہے، ازواجِ مطہرات کی بے حرمتی کی جارہی ہے، اسلام کے پہلے جانثاروں یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے خلاف کتابیں لکھی جارہی ہیں یہ سب کچھ اس لئے ہورہا ہے کہ اقوام عالم میں مسلمانوں کا وقار اور رعب و دبدبہ ختم ہوچکا ہے، جس مسلمان سے کبھی قیصر وکسریٰ جیسی سپر طاقتیں لرزہ براندام تھیں آج اس سے اسرائیل جیسا بھاولا درندہ بھی نہیں ڈرتا۔ اور یہ بھی سن لیں کہ عالمی سطح پر مسلمانوں کو کمزور اور ذلیل کرنے والے جو مختلف اسباب ہیں، ان میں سے سب سے بڑا سبب مسلمانوں کا باہمی جدل ونزاع اور اختلاف وافتراق ہے، مسلمان امت چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں، فرقوں اور جماعتوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ہر شخص اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنانے کی فکر میں ہے، کفر کے فتوے لگ رہے ہیں، ایک دوسرے کو ختم کرنے کی کوشش جاری ہیں، مسلمان کا خون مسلمان ہی بہا رہا ہے۔

یہ وہ اُمّت ہے حیرت ہوتی ہے کہ یہ وہی امت ہے جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل محنت اور تربیت کے بعد باہم شیر وشکر بنادیا تھا، آپؐ کے صحابہ مختلف علاقوں کے رہنے والے تھے، مختلف قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے، ان کی زبان اور رنگ بھی مختلف تھے، مگر انہوں نے زبان، نسل اور قومیت کے تمام امتیازات مٹا دیئے تھے اور اب وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر رہتے تھے، آپؐ کے دربار میں سلمان فارسیؓ تھے، بلال حبشیؓ تھے، صہیبؓ

رومی تھے، عداسؓ نینوائی تھے، ابوذرؓ غفاری تھے، طفیلؓ دوسی تھے، ابوسفیانؓ اموی تھے، عدیؓ طائی تھے، ضمادؓ ازدی تھے، سراقہ جشمی تھے، مگر جو بھی تھے بھائی بھائی تھے اور بھائی بھی ایسے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ کی تفسیر عملی طور پر سمجھ آتی تھی، خود بھوکے رہ کر دوسرے کو کھلاتے تھے۔ خود پیاسے رہ کر دوسرے کو سیراب کرتے تھے، بلکہ حد یہ کہ پیاس کی وجہ سے جان سے گزرنا تو گوارا کر لیتے تھے، مگر دوسرے بھائی کو پیاسا دیکھنا انہیں برداشت نہ تھا۔

اخوّت ہو تو ایسی ہو | حضرت ابوجہم بن حذیفہ کہتے ہیں کہ یرموک کی لڑائی میں اپنے چچازاد بھائی کی تلاش میں نکلا کہ وہ لڑائی میں شریک تھے اور ایک مشکیزہ پانی کا میں نے اپنے ساتھ لیا کہ ممکن ہے وہ پیاسے ہوں تو پانی پلاؤں۔ اتفاق سے وہ ایک جگہ اس حالت میں پڑے ہوئے ملے کہ دم توڑ رہے تھے، اور جان کنی شروع تھی، میں نے پوچھا پانی کا گھونٹ دوں؟ انہوں نے اشارے سے ہاں کی، اتنے میں دوسرے صاحب نے جو قریب ہی پڑے تھے اور وہ بھی مرنے کے قریب تھے، آہ کی۔ میرے چچازاد بھائی نے آواز سنی تو مجھے ان کے پاس جانے کا اشارہ کیا، میں ان کے پاس پانی لے کر گیا، وہ ہشام بن العاص تھے، ان کے پاس پہنچا ہی تھا کہ ان کے قریب ایک تیسرے صاحب اسی حال میں پڑے دم توڑ رہے تھے، انہوں نے آہ کی، ہشام نے مجھے ان کے پاس جانے کا اشارہ کیا۔ میں ان کے پاس پانی لے کر پہنچا تو ان کا دم نکل چکا تھا، ہشام کے پاس واپس آیا تو وہ بھی جاں بحق ہو چکے تھے ان کے پاس سے اپنے بھائی کے پاس لوٹا تو اتنے میں وہ بھی ختم ہو چکے تھے۔

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک صحابی کو کسی شخص نے بکرے کی سری ہدیہ کے طور پر دی، انہوں نے خیال فرمایا کہ میرے فلاں ساتھی زیادہ ضرورت مند

ہیں، کنبہ والے ہیں اوران کے گھر والے زیادہ محتاج ہیں، اس لئے ان کے پاس بھیجدی، ان کو ایک تیسرے صاحب کے متعلق یہی خیال پیدا ہوا اوران کے پاس بھیجدی۔ غرض اسی طرح سات گھروں میں پھر کر وہ سری سب سے پہلے صحابی کے گھر لوٹ آئی۔

ایمان اور اتحاد کی طاقت جب تلک مسلمانوں میں اخوّت ومحبّت اور اتفاق واتحاد کا یہ رشتہ برقرار رہا وہ ساری دنیا پر چھائے رہے، اور جب سے انہوں نے ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے اور ایک دوسرے کو گرانے کا عمل شروع کیا ہے، وہ اقوامِ عالم میں ذلیل وخوار ہوتے جارہے ہیں۔

افرادی اعتبار سے دیکھئے تو اس وقت مسلمانوں کی تعداد ایک ارب سے بھی زیادہ ہے، وسائل کے اعتبار سے دیکھئے تو پٹرول جیسے سیّال سونے کے کنویں زیادہ تر مسلمانوں کے قبضے میں ہیں، معدنیات کے ذخائر اور کانیں بھی اسلامی ممالک میں زیادہ ہیں، مالی اعتبار سے نظر ڈالیں تو اکثر اقوام عالم سے مسلمان قوم زیادہ مالدار ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود مسلمان کمزور اور مغلوب ہیں، آخر کیوں؟ اس کی بڑی وجہ ایمانی کمزوری اور آپس کے لڑائی اور جھگڑے ہیں۔

پہلے مسلمانوں کے پاس سونے چاندی کی دولت نہیں تھی بلکہ ایمان کی دولت تھی،

ان کے پاس پیٹرول اور معدنیات کے ذخائر نہیں تھے، البتہ اللہ کی ذات پر یقین اور اعتماد کا عظیم ذخیرہ ان کے پاس تھا۔

ان کے پاس جدید اسلحہ اور ساز وسامان کی طاقت نہیں تھی، لیکن آپس کے اتفاق واتحاد کی قوت ان کے پاس تھی۔

وہ نہتے تین سو تیرہ تھے مگرانہوں نے ایک ہزار کے مسلح اور تجربہ کار لشکر کو شکست دے دی اور ایسا بھی ہوا کہ مسلمان تین ہزار تھے اور انہوں نے دو لاکھ کے لشکر کو شکست دے دی۔

آپ نے کبھی کسی دوسری قوم کی تاریخ میں سُنا کہ اتنے چھوٹے سے لشکر نے اپنے سے چودہ گنا بڑے مسلح لشکر کو شکست دی ہو؟ مگر مسلمانو! تمہیں اپنی تاریخ پر ناز بھی ہونا چاہیئے اور عبرت بھی حاصل کرنا چاہیئے کہ جب تمہارے اندر اتفاق تھا تو تمہارے اکابر نے حضرت زید بن حارثہؓ کی قیادت میں شام کے میدانوں میں دو لاکھ رومیوں کو انکے اپنے گھر میں جا کر شکستِ فاش دی۔

طاقت کا راز اللہ کے بندو! آج تمہاری کمزوری کی وجہ ساز و سامان کی کمی نہیں، تمہاری کمزوری کی وجہ توپ و تفنگ اور گولہ بارود کا فقدان نہیں۔ تمہاری کمزوری کی وجہ تربیت یافتہ فوجوں کی قلّت نہیں

تمہاری کمزوری کی وجہ سائنس اور جدید ٹیکنالوجی کا عدمِ حصول نہیں،

تمہاری کمزوری کی وجہ مال و دولت اور سیم و زر کی قلّت نہیں،

بلکہ تمہاری کمزوری کی وجہ ایمان و یقین اور اتفاق و اتحاد کا فقدان ہے کفر کی بڑی بڑی طاقتیں صحابہؓ سے ان کے سازوسامان اور اسلحہ کی وجہ سے نہیں ڈرتی تھیں، بلکہ ان کے یقینِ محکم اور بے مثال اتحاد کی وجہ سے ڈرتی تھیں جب مسلمانوں میں یہ چیز باقی نہ رہی تو ان کا رعب اور دبدبہ بھی باقی نہ رہا۔

چیتھڑوں والے کسی زمانہ میں کابل پر ایک ترک راجہ کی حکومت تھی، یہ راجہ حضرت امیر معاویہؓ کو دس لاکھ درہم سالانہ خراج دیتا تھا، حضرت امیر معاویہؓ کے زمانۂ خلافت کے بعد اس راجہ نے خراج دینا بند کر دیا، جب وقت کے بادشاہ کے نمائندے اس کے پاس خراج کا مطالبہ لے کر پہنچے

تو اُس نے اُن کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ " وہ لوگ کہاں گئے جو پہلے آیا کرتے تھے، اُن کے پیٹ فاقہ کشوں کی طرح دبے ہوتے تھے، پیشانیوں پر سیاہ نشان پڑے رہتے تھے، اُن کے جسم پر پھٹے پُرانے کپڑے ہوتے تھے، اور وہ کھجوروں کی چپلیں پہنا کرتے تھے "

آنے والوں نے اُسے بتایا کہ وہ تو دنیا سے چلے گئے، اب ہم ان کے نائب ہیں۔ راجہ نے جواب دیا: " اُن سے ہم ڈرتے تھے، مگر تم سے ہم ہرگز خوف نہیں کھاتے، تم جو چاہو کرلو، ہم تمہیں خراج نہیں دیں گے "

اس راجہ کی نظر میں وہ کھجور کی چپل پہننے والے اور چیتھڑوں والا لباس زیب تن کرنے والے طاقت ور تھے لیکن نوکروں اور خادموں کے جلو میں چلنے والوں اور شان وشوکت والا لباس پہننے والوں کی اُس کی نظر میں کوئی وقعت نہ تھی، اس کی کیا وجہ تھی کہ انسان اور جماعت کی طاقت کا راز اس کی ظاہری شان وشوکت نہیں بلکہ اس کی طاقت کا راز اس کا ایمان اور اس کا اتفاق واتحاد ہے، پہلے والوں کا ایمان بھی مضبوط تھا اور اتفاق واتحاد بھی مثالی تھا، اس لئے اُن سے بڑی بڑی طاقتیں ڈرتی تھیں، بعد والوں کا ایمان بھی کمزور اور اتحاد بھی پارہ پارہ ہوچکا تھا لہٰذا ان کا رعب و دبدبہ بھی ختم ہوگیا۔ ہمارے اسلاف کی حالت تو وہ تھی جو کسی شاعر نے بیان کی ہے

قباؤں میں پیوند، پتھر شکم پر — قدم کے تلے تاجِ کسریٰ و قیصر
غذا نانِ جو وہ بھی کمتر میسّر — مگر ہاتھ میں زورِ تسخیرِ خیبر
کبھی اہلِ ایمان کی پہچان یہ تھی — کبھی اہلِ اسلام کی شان یہ تھی

عزت اسلام میں ہے

ایک اور تاریخی واقعہ عرض کرتا ہوں۔ ۱۶ھ میں مسلمان فوجیں حضرت ابوعبیدہؓ کی قیادت

میں شام کو فتح کرتے ہوئے فلسطین تک پہنچ گئیں، عیسائی بیت المقدس میں قلعہ بند ہوگئے، اور مسلم فوجوں نے اس کو اپنے محاصرہ میں لے لیا، اس وقت عیسائیوں کی طرف سے صلح کی پیش کش ہوئی، جس میں ایک خاص شرط یہ تھی کہ خلیفۂ وقت حضرت عمرؓ خود آکر عہد نامہ کی تکمیل کریں، حضرت ابو عبیدہؓ نے عیسائیوں کی اس پیش کش سے امیر المؤمنینؓ کو مطلع کیا، حضرت عمرؓ صحابہؓ کے مشورے سے فلسطین کی طرف روانہ ہوئے

حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ ایک اونٹ تھا اور ایک خادم، جب آپ مدینہ کے باہر پہنچے تو آپ نے خادم سے کہا ہم دو ہیں اور سواری ایک ہے، اگر میں سواری پر بیٹھوں اور تم پیدل چلو تو میں تمہارے اوپر ظلم کروں گا، اور اگر تم سواری پر بیٹھو اور میں پیدل چلوں تو تم میرے اوپر ظلم کروگے اگر ہم دونوں اکٹھے سوار ہو جائیں تو ہم جانور کی پیٹھ توڑ ڈالیں گے اس لئے ہم کو چاہیئے کہ ہم راستہ کی تین باریاں مقرر کرلیں، چنانچہ سفر اس طرح طے ہوا کہ ایک بار عمر فاروقؓ بیٹھتے اور خادم اونٹ کی نکیل پکڑ کر چلتا پھر خادم بیٹھتا اور آپ اونٹ کی نکیل پکڑ کر چلتے۔ اس کے بعد کچھ دور تک اونٹ خالی چلتا اور دونوں اس کے ساتھ پیدل چل رہے ہوتے اس طرح سارا سفر طے ہوتا رہا۔

اس سفر میں یہ واقعہ پیش آیا کہ آپ جب اسلامی لشکر سے ملے تو ان لوگوں نے دیکھا کہ آپ ایک تہ بند باندھے ہوئے ہیں اور آپ کے کرتے پر پیوند لگے ہوئے ہیں حضرت ابو عبیدہؓ نے عرض کیا اے امیر المؤمنین آپ کو عیسائیوں کے فوجی افسروں اور بڑے بڑے مذہبی عہدیداروں سے ملاقات کرنی ہے، یہاں بڑے متمدن لوگ رہتے ہیں، آپ اس لباس میں ان کے سامنے جائیں گے تو ہماری کیا عزت رہ جائے گی حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا اے ابو عبیدہ کاش یہ بات تمہارے سوا کوئی اور کہتا۔ تمہیں

معلوم نہیں ؟ :

انا کنا أذلّ قومٍ فا عزّنا اللہ	ہم دنیا میں سب سے پست قوم تھے پھر اللہ نے
بالاسلام فمہما نطلب العزّ	اسلام کے ذریعہ ہم کو عزّت دی جب بھی
بغیر ما أعزّ نا اللہ بہ أذلّنا اللہ	ہم اس کے سوا کسی اور چیز کے ذریعہ عزّت
	چاہیں گے تو اللہ ہم کو ذلیل کر دے گا ۔

غور فرمائیے ! حضرت عمرؓ پیدل تھے، غلام سوار تھا جسم پر چیتھڑوں والا لباس تھا لیکن ہر جگہ غلغلہ تھا کہ عمر آرہا ہے، کافر تھرّا رہے تھے، حکومتیں لرز رہی تھیں ۔

کبھی آپ نے سوچا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ ان کا پھٹے پُرانے لباس میں بھی رعب تھا ہمارا شاندار ملبوسات میں بھی نہیں ۔

وہ کھجور کی چپلیں پہنتے تھے مگران کا دبدبہ تھا، ہمارا قیمتی جوتوں میں بھی دبدبہ نہیں

وہ خچروں اور گدھوں پر سوار ہوتے تھے اور زمانہ ان سے کانپتا تھا، ہم لمبی لمبی گاڑیوں اور ہوائی جہازوں میں سفر کرتے ہیں مگر ہم سے کوئی نہیں ڈرتا ۔

فرق یہ ہے کہ وہ باطن پر زور دیتے تھے ہم ظاہر پر زور دیتے ہیں ،

وہ ایمان کے متلاشی تھے ہم درہم و دینار کی جستجو میں ہیں ،

ان کے پاس یقین کی دولت تھی ہمارے پاس پٹیرول اور سونے چاندی کی دولت ہے ۔

وہ خدا سے ڈرتے تھے ہم انسانوں سے ڈرتے ہیں

ان میں اتفاق اور اتحاد تھا ہمارے اندر اختلاف اور افتراق ہے ۔

اور اسی اختلاف اور افتراق نے ہمیں دنیا بھر میں کم قیمت بنا دیا ہے اور قرآن میں تو پہلے ہی بتلا دیا گیا تھا :

وَلَاتَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ پ۱۰ اور آپس میں مت جھگڑو پس نامراد ہو جاؤ گے اور جاتی رہے گی تمہاری ہوا۔

چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ جب تک مسلمان متحد رہے انھیں دنیا کی کوئی طاقت شکست نہیں دے سکی، مسلمانوں کو جب بھی شکست ہوئی ہے آپس کی خانہ جنگیوں اور اختلافات کی وجہ سے ہوئی ہے

تمہاری قوم کی تو ہے بنا ہی دین و ایمان پہ | تمہاری زندگی موقوف ہے تعمیلِ قرآن پہ
تمہاری فتحیابی منحصر ہے فضلِ یزداں پہ | نہ قوت پر نہ شوکت پر نہ کثرت پر نہ ساماں پر

اندلس میں کیا ہوا! اندلس، جس کے ساحل پر مشہور اسلامی جرنیل طارق بن زیاد نے کشتیاں جلا ڈالی تھیں

جہاں آٹھ سو سال تک مسلمانوں نے انتہائی شان و شوکت سے حکمرانی کی،
جہاں کی جامع مسجد قرطبہ آج بھی مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ پر آنسو بہا رہی ہے،
جہاں کی نہریں اور باغات، محل اور کوٹھیاں آج بھی اپنے معماروں کو یاد کرتی ہیں
آپ جانتے ہیں وہاں کیسے اور کب زوال آیا !

وہاں اسی وقت زوال آیا جب مسلمانوں نے کلام اللہ کو پسِ پُشت ڈال دیا تھا، اور وہ فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے تھے، وہ ایک دوسرے پر فتوے لگاتے تھے اور اسلام کے بجائے اپنے خاندانوں اور قومیتوں پر فخر کرتے تھے، ایک مسلمان سردار دوسرے مسلمان سردار کو دیکھنا گوارہ نہیں کرتا تھا بلکہ ایک دوسرے کے خلاف عیسائیوں سے بھی مدد طلب کر لیتے تھے، مسلمانوں نے خود عیسائیوں کے ہاتھوں سے خوشی خوشی مسلمانوں کو ذبح کرایا جس کی وجہ سے عیسائیوں کے دل سے اسلام اور مسلمانوں کا وقار اور رعب ختم ہو گیا۔

اصحاب کہف کا کتا عیسائیوں نے مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کے لئے جس قسم

کے فروعی مسائل کھڑے کئے اُن میں سے ایک مسئلہ سمجھانے کے لئے عرض کیا جاتا ہے ،
کہتے ہیں کہ ایک منظم سازش کے تحت ایک بہت بڑا عیسائی رئیس ایک مولانا کی خدمت
میں حاضر ہوا اور ان کی خدمت میں کچھ اشرفیاں ہدیہ کے طور پہ پیش کیں اور اس
کے بعد مولانا کے تبحرِ علمی اور دینی خدمات کی تعریف کی ، اس کے بعد کہنے لگا کہ
حضرت ایک اہم مسئلہ ہے جس کو آج تک کوئی عالم دین حل نہیں کر سکا ،
میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس مسئلے کا حل نکال سکتے ہیں ۔ مسئلہ یہ ہے کہ اصحابِ
کہف کے کتے کا رنگ کیا تھا ، اب ظاہر ہے کہ مولانا کے تبحرِ علمی کی بے انتہا
تعریف ہو چکی تھی ، اشرفیوں کی تھیلی بھی مل چکی تھی ، مولوی صاحب کیسے خاموش
رہ سکتے تھے ، انہوں نے اٹکل سے کہدیا کہ جناب اصحابِ کہف کے کتے کا رنگ
سفید تھا ، عیسائی رئیس نے خوب داد دی ، کہ حضرت آپ نے تو ایسا مسئلہ
حل کر دیا جو آج تک بڑے سے بڑا عالم دین بھی حل نہیں کر سکا تھا ۔ پھر ان سے
گذارش کی کہ حضرت بہت سارے مسلمان اس مسئلے سے ناواقف ہیں اور
ناواقفیت ہی کی حالت میں وہ مر رہے ہیں ازراہِ کرم اگلے جمعہ کو یہ مسئلہ
ذرا کھول کر بیان فرما دیں ۔ حضرت نے فوراً وعدہ کر لیا اور کہا کہ ہمارا کام ہی حق
بات کو بیان کرنا ہے

اس کے بعد وہ ایک دوسرے مشہور عالم کی خدمت میں حاضر ہوا اُن
کو بھی ہدیہ پیش کیا اور ان کی وسعتِ علمی اور دینی خدمات کی تعریف میں زمین
و آسمان کے قلابے ملا دیئے ۔ پھر ان سے بھی مؤدبانہ دریافت کیا کہ حضرت !
اصحابِ کہف کے کتے کا رنگ کیا تھا ، انھوں نے اٹکل سے کہدیا کہ اس کا
رنگ کالا تھا ۔ عیسائی رئیس نے ان سے بھی مؤدبانہ گذارش کی کہ جمعہ کے
بیان میں اس اہم مسئلہ کی وضاحت فرما دیں تاکہ جاہلوں کے علم میں اضافہ ہو۔

مولوی صاحب نے اُس کو تسلّی دلائی کہ جناب آپ مطمئن رہیں، میں اپنے خطباتِ جمعہ میں اس مسئلہ کے ہر گوشے کو واضح کروں گا، چنانچہ اپنے اپنے خطباتِ جمعہ میں دونوں علمائے کرام نے اس فضول مسئلے کو اپنے من گھڑت دلائل سے خوب واضح کیا، نمازِ جمعہ سے فارغ ہوکر دونوں علاّمہ صاحبان کے مقتدی جب ایک چوک میں اکٹھے ہوئے تو ایک گروہ نے کہا کہ ہمارے حضرت نے آج ایک ایسا مسئلہ حل کر دیا، جسے اتنی صدیاں گذرنے کے باوجود کوئی عالم حل نہیں کر سکا تھا، وہ یہ کہ اصحابِ کہف کے کتّے کا رنگ کالا تھا۔ دوسرا گروہ کہنے لگا کہ نہیں اس کا رنگ تو سفید تھا، بات بڑھتے بڑھتے گالم گلوچ تک جا پہنچی، پھر مناظرے ہونے لگے۔ دونوں فریقوں نے ایک دوسرے پر فتوے لگانے شروع کر دیئے کہ جو شخص اصحابِ کہف کے کتّے کو کالا کہے گا اُس کے پیچھے نماز نہیں ہوگی اُدھر سے جواب آیا کہ جو اُس کتّے کو گورا کہے گا اُس کے پیچھے نماز نہیں ہوگی۔

یہ واقعہ محض ایک مثال ہے ورنہ حقیقت یہ ہے جن مسائل نے مسلمانوں کو اُلجھا رکھا تھا، وہ اسی قسم کے تھے، اور انھیں مسائل میں اُلجھنے اور ٹکرانے کی وجہ سے مسلمانوں کی قوت کمزور ہوگئی تھی اور کفار کو غالب آنے کا موقع مل گیا تھا۔

رہی اندلس، جہاں آذانوں کی آوازیں بلند ہوتی تھی، اب وہاں قصرِ حمرا پر چاند کی صلیب بلند ہو رہی ہے

توحید کے پرستار افسردہ تھے اور تثلیث کے پجاری شاداں و فرحاں تھے

آٹھ سو سال تک پورے کرّوفر کے ساتھ حکومت کرنے والے ہزاروں مسلمانوں کو زندہ جلا دیا گیا

عام حکم جاری کر دیا گیا کہ ہر مسلمان عیسائی بن جائے ورنہ اس کو جہاں کہیں

پا یا گیا قتل کر دیا جائے گا۔

نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ خدائے واحد کا نام لینے والے پہاڑوں اور جنگلوں میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔

جو مسلمان اللہ سے زیادہ کسی کو طاقتور نہیں سمجھتے تھے، آج اُنہی کا سربراہ ابو عبداللہ عیسائی بادشاہ کے سامنے جُھک کر شہر کی کنجیاں پیش کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا " اے طاقتور بادشاہ! اب ہم تیری رعایا ہیں یہ شہر اور تمام ملک ہم تیرے سپرد کرتے ہیں کیونکہ خدا کی یہی مرضی تھی

جس اندلس کو طارق بن زیاد نے تھوڑے سے لشکر کے ساتھ اجنبی ہونے کے باوجود فتح کیا تھا اُس اندلس کو ہزاروں مسلمان بے پناہ وسائل کے باوجود نہ بچا سکے۔

آخر ایسا کیوں ہوا!

صرف اور صرف ایمان کی کمزوری اور آپس کی نا اتفاقی کی وجہ سے، عیسائی متحد تھے اور مسلمان ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے تھے، عمّال نے مرکز سے بغاوت کر کے اپنی چھوٹی چھوٹی ننھی منّی خود مختار حکومتیں قائم کی ہوئی تھیں۔

بغداد میں کیا ہوا؟

آپ جانتے ہیں کہ بغداد مسلمانوں کا ایک بڑا علمی مرکز رہا ہے۔ وہاں بڑے بڑے فقہاء اور محدثین پیدا ہوئے۔

علم کلام، علم فقہ، منطق، ریاضی اور کیمیا پر اتنی کتابیں لکھی گئیں کہ کتب خانے بھر گئے، وہاں مسلمانوں کی بڑی مضبوط حکومت قائم تھی لیکن جب مسلمان آپس میں لڑنے لگے اور ٹکڑیوں میں بٹ گئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر تاتاریوں کو مسلط کر دیا اور فتنۂ تاتار وہ فتنہ ہے جس کا تذکرہ کرتے ہوئے آج

بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ہلاکو خان کی فوج کے ہاتھ سے بغداد اور اس کے مضافات میں ایک کروڑ چھ لاکھ مسلمان قتل ہوئے، انھیں گاجر مولی کی طرح کاٹ دیا گیا، شاہی کتب خانے کی کتابیں دجلہ میں پھینک دی گئیں، کتابیں اس قدر تھیں کہ دجلہ میں ایک بند سا بن گیا، اور دجلہ کا پانی کئی دن تک اتنا سیاہ رہا کہ دواتوں میں سیاہی ڈالنے کی ضرورت نہ رہی، کہا جاتا ہے کہ مسلمان کے دل و دماغ پر تاتاریوں کا اس قدر رعب چھا گیا تھا کہ اگر ایک تاتاری عورت مسلمان مرد کو بازار میں روک لیتی اور کہدیتی تم یہیں ٹھہرو میں گھر سے تلوار لیکر تمہیں قتل کرتی ہوں تو اس مسلمان پر اتنا خوف چھا جاتا کہ اسے وہاں ایک قدم اٹھانے کی جرأت نہ ہوتی اور عورت اُسے قتل کر دیتی۔

آپ جانتے ہیں کہ مسلمان کو یہ ذلت کیوں اُٹھانی پڑی؟ آپس میں ٹکرانے اور ایک دوسرے کے خلاف سازشیں کرنے کی وجہ سے، بغداد کے خلیفہ نے اپنے حریف خوارزم شاہ کو کمزور کرنے کے لئے تاتاریوں کو خود مشورہ دیا کہ خوارزم شاہ پر حملہ کرو تاتاریوں نے خوارزم شاہ کی سلطنت تو ختم کر دی مگر اس کے بعد بغداد کی بھی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

تین عبرتناک واقعے

یہاں میں تین واقعے عرض کرنا چاہتا ہوں جن میں ہمارے لئے عبرت و نصیحت کا بے پناہ ذخیرہ ہے

پہلا واقعہ تو یہ ہے کہ بغداد کو فتح کر لینے کے بعد ہلاکو خان نے اپنے ساتھیوں سے مستعصم باللہ کے قتل کا مشورہ کیا تو سب نے یہی مشورہ دیا کہ اُسے قتل کر دیا جائے مگر دو نام نہاد مسلمان اور غدار یعنی نصیرالدین طوسی اور علقمی جو ہلاکو خان کے دربار میں موجود تھے انھوں نے یہ مشورہ دیا کہ بادشاہ سلامت آپ اس خلیفہ کے گندے خون سے اپنی تلوار کو ناپاک نہ کریں

ملکہ اس کو چمڑے میں لپیٹ کر کچل دیا جائے ۔ ہلاکو خان نے اس کام کی ذمہ داری علقمی کے سپرد کی جو کہ مستعصم کا وزیر رہ چکا تھا علقمی نے اپنے آقا کو چمڑے میں لپیٹ کر ایک ستون سے باندھا، پھر اس پر لاتوں کی بارش کر دی، یہاں تک کہ اس کا دم نکل گیا، پھر اس پر بھی بس نہیں کی ملکہ اس کے بعد اس کی لاش زمین پر ڈال دی اور تاتاریوں کو اس لاش پر اچھلنے کودنے اور اسے کچلنے کا حکم دیا۔

دوسرا واقعہ یہ کہ جب تاتاری عالم اسلام کی اینٹ سے اینٹ بجا رہے تھے اور مسلمانوں کا خون بے دریغ بہا رہے تھے تو امام ابن تیمیہؒ نے مسلمانوں کو اُن کے خلاف جہاد کرنے کے لئے اُبھارا مگر کئی فقہاء اور علماء کا اس کے بارے میں اختلاف ہو گیا کہ تاتاریوں کے خلاف جنگ کرنا جائز بھی ہے یا نہیں ؟ تاتاری تباہی مچا رہے تھے اور مسلمان آپس میں لڑ رہے تھے۔

تیسرا واقعہ یہ کہ خلیفہ نے کئی خفیہ زمین دوز حوض بنا رکھے تھے جن میں جواہرات اور اشرفیوں کی تھیلیاں بھری ہوئی تھیں، ہلاکو خان نے یہ سب خزانے اپنے قبضے میں لے لئے اور خلیفہ کو نظر بند کر دیا۔ خلیفہ کو سخت بھوک لگی، اُس نے کھانا مانگا تو ہلاکو خان نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ جواہرات کا ایک طشت بھر کر خلیفہ کے سامنے لے جاؤ اور کہو کہ یہ کھاؤ، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ خلیفہ نے کہا میں ان کو کیسے کھا سکتا ہوں میرے لئے تو روٹی لاؤ ، ہلاکو خان نے اُسے بڑی عبرت آمیز بات کہی، کہا کہ جس چیز کو تم نہیں کھا سکتے اس کو حوضوں میں بھر کر کیوں رکھا ہے، اسے اپنی اور لاکھوں مسلمانوں کے جان بچانے کے لئے کیوں نہ خرچ کیا اور سپاہیوں کو کیوں نہ دیا تاکہ وہ تمہاری طرف سے بہادری کے ساتھ لڑتے اور تمہارا ملک بچاتے

ہر جگہ یہی ہوا تو عرض یہ کر رہا تھا کہ یہ بڑی بڑی سلطنتیں اور مضبوط

حکومتیں مسلمانوں کے آپس کے اختلافات کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئیں۔ بغداد اور اندلس کی طرح سمرقند و بخارا میں بھی یہی کچھ ہوا۔ یہ بھی بڑے مشہور علمی مرکز تھے امام بخاریؒ کا اسی سرزمین سے تعلق تھا۔ بہت مشہور بات ہے کہ کفار کا لشکر شہر کے بہت قریب پہنچ چکا تھا مگر مسلمان اس مسئلے میں الجھے ہوئے تھے کہ پتھر سے استنجاء کرنا جائز ہے یا نہیں ہندوستان میں بھی یہی کچھ ہوا۔ مسلمانوں نے یہاں پر ہزار سال تک حکومت کی مگر آپس کے اختلافات کی وجہ سے اقتدار اُن کے ہاتھ سے جاتا رہا، اور میر جعفر اور میر صادق کی بنگال اور دکن میں منافقت کی وجہ سے ٹیپو سلطان اور نواب سراج الدولہ شہید ہوئے اور ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت قائم ہوگئی۔

نفسِ اختلاف مذموم نہیں

اختلاف اگر حدود کے اندر ہو تو وہ مذموم نہیں، بلکہ ایسے اختلاف کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موجبِ رحمت قرار دیا ہے، آپ سوچیں گے کہ اختلاف رحمت کا سبب کیسے ہوسکتا ہے تو آپ اس پہلو سے غور فرمائیں کہ اگر کسی مسئلہ کے بارے میں صحابہؓ کرام اور علماء کے مختلف اقوال نہ ہوتے بلکہ ایک ہی قول ہوتا تو سہولت کا دروازہ بند ہوجاتا، کیونکہ اس صورت میں ہم صرف اسی قول پر عمل کرنے کے پابند ہوجاتے، اسی لئے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ اگر حضورؐ کے صحابہ میں اختلاف نہ ہوتا تو مجھے خوشی نہ ہوتی اس لئے کہ اگر ان میں اختلاف نہ ہوتا تو گنجائش نہ رہتی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے دورِ خلافت میں گورنروں کو یہ حکم بھیجا تھا کہ ہر قوم اسی کے موافق عمل کرے جو وہاں کے علماء کا فتویٰ ہو۔

عون بن عبداللہ تابعی تھے بڑے عابد و زاہد تھے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ حضرات صحابہ کرام میں اختلاف نہ ہو اس لئے کہ اگر وہ حضرات کسی چیز پر متحد ہوجائیں پھر کوئی شخص اس کے خلاف کرے تو وہ

تارکِ سنت ہے اور اگر ان میں اختلاف ہو پھر کوئی شخص ان کے اقوال میں سے کسی پر بھی عمل کرلے تو وہ سنت کی حدود سے خارج نہیں ہوتا۔

ایک بہت بڑی حکمت صحابہ کرام اور علماء کے اختلاف میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا اور ہر طریقے پر عمل ہو رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی رفعِ یدین کیا اور کبھی نہیں کیا، کبھی آمین آہستہ کہی گئی، کبھی بلند آواز سے کہی گئی لیکن امت میں عمل دونوں صورتوں پر ہو رہا ہے۔

تو نفسِ اختلاف بُرا نہیں۔ خود انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا یہ حال ہے کہ وہ اصول میں تو متحد ہیں مگر فروع میں ان کے درمیان بھی اختلاف رہا ہے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیٰ نبیّنا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام دونوں نبی تھے اور ایک ہی وقت میں تھے لیکن کئی فیصلوں میں ان کا آپس میں اختلاف ہوا، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے دونوں کی تعریف فرمائی۔

فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۝ (سورۃ الانبیاء) — تو ہم نے فیصلہ (کرنے کا طریق) سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو حکم (یعنی حکمت و نبوت) اور علم بخشا تھا۔

طبیعتوں کا اختلاف

اصل میں انسانی طبیعتیں مختلف ہوتی ہیں کچھ لوگ مزاج کے اعتبار سے شدّت پسند ہوتے ہیں اور کچھ سہولت پسند ہوتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آسمان میں دو فرشتے ہیں ایک سختی کا حکم کرتا ہے دوسرا نرمی کا اور دونوں حق پر ہیں، ایک جبرئیل علیہ السلام دوسرے میکائیل علیہ السلام، اور دو نبی ہیں ایک نرمی کا حکم کرتا ہے دوسرا سختی کا، اور دونوں درستگی پر ہیں، ایک ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے نوح علیہ السلام اور میرے دو ساتھی ہیں ایک نرمی کا حکم کرتا ہے اور دوسرا سختی کا، اور دونوں صواب پر ہیں ایک حضرت ابوبکرؓ دوسرے عمرؓ

اس کلی قاعدے کے مطابق ہر دور کے علماء اور صوفیاء میں بھی اختلاف رہا ہے بعض نرمی کو پسند کرتے ہیں اور بعض سختی کو ضروری سمجھتے ہیں، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا اختلاف اسی قسم کا تھا، جب بدر کے قیدی لائے گئے، تو حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ لوگ جو آپ کے قرابت دار ہیں، ان کو زندہ چھوڑ دیجئے ہوسکتا ہے یہ توبہ کرلیں، اور حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا آپ کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا، آپ کے ساتھیوں پر ظلم و ستم کیا ان کی گردنیں اڑا دیجئے لوگ انتظار میں تھے کہ دیکھیں کس کی رائے پر عمل ہوتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے پھر باہر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ بعض لوگوں کے دل نرم فرما دیتے ہیں حتی کہ دودھ سے بھی زیادہ نرم ہوجاتے ہیں اور بعض لوگوں کے دلوں کو سخت فرما دیتے ہیں حتی کہ پتھر سے زیادہ سخت ہوجاتے ہیں، ابوبکر! تمہاری مثال حضرت ابراھیمؑ اور حضرت عیسیٰؑ جیسی ہے جنہوں نے فرمایا:

فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○	پس جو شخص میری راہ پہ چلے گا وہ تو میرا ہے ہی اور جو شخص اس بات میں میرا کہنا نہیں مانتا سو آپ تو کثیر المغفرت اور کثیر الرحمت ہیں۔
(سورہ ابراھیم پ ع)	
اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○	اگر آپ ان کو سزا دیں تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو معاف فرما دیں تو آپ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔
(سورۃ المائدۃ پ ع)	

اور عمر! تمہاری مثال حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ جیسی ہے جنہوں نے فرمایا

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ	اے میرے پروردگار ان کافروں میں سے زمین پر

مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ○	ایک باشندہ بھی مت چھوڑ (ملک سب
سورۃ نوح پ ع ۲	کو ہلاک کردے)
رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤى اَمْوَالِهِمْ	اے ہمارے رب ان کے مالوں کو نیست
وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ	ونابود کردیجئے اوران کے دلوں کو زیادہ
فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا	سخت کردیجئے، جس سے ہلاکت کے مستحق
الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ○	ہوجائیں سو یہ ایمان نہ لانے پاویں یہاں
(سورۃ یونس پ ع ۹)	تک کہ عذاب الیم کے مستحق ہوکر اس کو دیکھ لیں

اسی طرح حضرات شیخین رض میں کئی دوسرے مسائل میں بھی اختلاف ہوا۔

مانعینِ زکوٰۃ کے ساتھ قتال کے بارے میں اختلاف ہوا۔

پھر قتال کے بعد ان لوگوں کے اموال کو غنیمت اور اہل وعیال کو باندی اور غلام بنانے میں اختلاف ہوا،

اسامہ رض کے لشکر کو بھیجنے میں اختلاف ہوا۔

حضرت خالد بن ولید رض کو معزول کرنے کے بارے میں اختلاف ہوا۔

قرآن کو کتابی صورت میں جمع کرنے کے بارے میں اختلاف ہوا۔

اسی طرح دوسرے صحابہ رض کے درمیان بھی کئی مسائل میں اختلاف رہا ہے۔

جمہور صحابہ رض کے نزدیک سمندر کے پانی سے وضو کرنا جائز ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رض کے نزدیک مکروہ ہے۔

اکثر صحابہ کے نزدیک جمعہ کے دن خوشبو استعمال کرنا مستحب ہے، حضرت ابوہریرہ رض کے نزدیک واجب ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رض فرماتے ہیں کہ زندوں کے رونے سے مردے کو عذاب ہوتا ہے، سیدہ عائشہ رض سختی سے اس کا انکار کرتی ہیں۔

حضرت عمرؓ اور ان کے بیٹے حضرت عبداللہؓ میں بہت مسائل میں اختلاف ہے صحابہؓ کے علاوہ تابعین، تبع تابعین، فقہاء اور مجتہدین کے درمیان ہزاروں فقہی اور سیاسی مسائل میں اختلاف رہا ہے۔

اخلاص اور للّٰہیت لیکن ان اختلافات کی وجہ سے نہ تو انہوں نے ایکدوسرے پر کیچڑ اچھالا نہ فتوے لگائے، نہ ایکدوسرے کی تکفیر کی اور نہ ہی اپنی فقہی رائے اور مسلک کو دوسرے پر زبردستی ٹھونسنے کی کوشش کی بلکہ ان کے چاہنے والوں نے ایسا کرنے کا ارادہ بھی کیا تو ان کو ایسا کرنے سے منع کردیا وجہ یہ تھی کہ ان میں اخلاص تھا، للّٰہیت تھی، ان کا مقصد خدا کی رضا تھی۔ نفس پرستی اور شہرت اور دکھاوے سے وہ اپنے آپ کو بہت بچا کر رکھتے تھے۔

ہارون رشید نے اپنے زمانۂ سلطنت میں حضرت امام مالک سے مشورہ کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ مؤطا مالک کا ایک نسخہ کعبہ میں رکھدیا جائے اور اعلان کردیا جائے کہ سب اس کے موافق عمل کریں حضرت امام مالکؒ نے اس مشورہ کو قبول نہیں فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ صحابہ کرام کا فروعی مسائل میں اختلاف رہا ہے اور وہ اپنے اجتہادات میں حق پر ہیں، شہروں میں وہ مسائل عام ہو چکے ہیں اور لوگ ان پر عمل کر رہے ہیں لہذا میں ان کو کسی خاص طریقے کا پابند نہیں کرنا چاہتا۔ ہارون رشید نے اس مشورہ کو پسند کیا اور اپنی تجویز واپس لے لی۔

سوچیں اگر امام مالکؒ اس تجویز کی منظوری دے دیتے اور اس پر عملدرآمد شروع ہوجاتا تو کتنی مشکل پیش آتی اور امّت کے لئے سہولتوں اور آسانیوں کا دروازہ کس طرح بند ہوجاتا۔

مقصد اطاعت تھا اگرچہ صحابہ کرام میں بھی اختلاف ہوتا تھا مگر ایک تو

ان میں اخلاص وللّٰہیت انتہا درجہ کی تھی دوسرے ان سب کا مقصد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تھا، اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض اوقات دو ایسے گروہوں کی بھی تصویب فرمائی جنہوں نے ایک دوسرے سے بالکل برعکس عمل کیا تھا۔ مثلاً نسائی میں دو صحابیوں کا قصہ ہے کہ دونوں جنبی ہوئے ایک نے پانی نہ ملنے کی وجہ سے نماز نہیں پڑھی (غالباً ان کو تیمم کا حکم معلوم نہیں ہوگا) دوسرے نے تیمم کر کے نماز ادا کرلی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں سے فرمایا کہ تم نے درست کیا۔

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو حکم دیا کہ تم قبیلہ بنو قریظہ میں جاکر عصر کی نماز ادا کرو، راستے میں نماز کا وقت ہوگیا ایک جماعت نے عصر کی نماز راستے میں پڑھ لی انھوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد صرف تعجیل تھا، دوسری جماعت نے نماز نہیں پڑھی، انھوں نے کہا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ میں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے، ہم راستے میں کیسے پڑھ سکتے ہیں، جب واپس آئے تو ساری بات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلائی، آپ نے دونوں جماعتوں سے کہا کہ تم نے درست کیا۔

اب دیکھئے کہ چونکہ ان میں سے کسی کا مقصد راحت طلبی یا ضد اور نفس پرستی نہیں تھا بلکہ ہر ایک کا مقصد اطاعت تھا اس لئے ان کے اس اخلاص اور صحیح مقصد کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک کی تصویب فرمائی۔

باہمی ادب واحترام

یہ اخلاص اور للّٰہیت ہی کا نتیجہ تھا کہ صحابۂ کرام اور ائمہ مجتہدین آپس میں اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کا ادب واحترام کرتے تھے۔

جنگ جمل میں کتنی سخت لڑائی ہوئی تھی کہ تقریباً بیس ہزار آدمی اس لڑائی

میں قتل ہوئے (تاریخ الخمیس) لیکن جب معرکہ شروع ہو رہا تھا اور دونوں طرف سے گھمسان کی لڑائی شروع ہونے کو تھی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ صف سے آگے بڑھے اور مدمقابل جماعت میں سے حضرت زبیرؓ کو آواز دی وہ بھی اپنی صف سے آگے بڑھے دونوں نے معانقہ کیا اور دونوں روئے، حضرت علیؓ نے فرمایا تمہیں کس چیز نے مجبور کیا کہ تم یہاں مقابلہ پر آگئے حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ حضرت عثمانؓ کے خون کے بدلہ لینے، دونوں حضرات میں گفتگو ہوتی رہی۔ یہ ایسے دو مخالفوں کا برتاؤ ہے جو ایک دوسرے کے مقابلے میں تلواریں نکالے ہوئے بالکل تیار بیٹھے تھے (کتاب الامامۃ والسیاستہ)
اس کے بعد معرکہ ہوا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جماعت کو فتح ہوئی، دوسری جماعت کے بہت سے افراد قید ہوئے حضرت علیؓ کی جماعت کے بعض افراد نے اصرار کیا کہ ان قیدیوں کو قتل کیا جائے، حضرت علیؓ نے قبول نہیں فرمایا بلکہ ان سے دوبارہ بیعت لیتے رہے اور معاف فرماتے رہے۔ ان مغلوبین کے مال کو غنیمت قرار دیا لیکن ان کی جانوں کو قیدی بنانے سے انکار فرمایا۔ لوگوں نے اس پر بھی اصرار کیا کہ جب ان کے مال غنیمت بنائے گئے تو جانیں بھی قیدی بنائی جائیں، حضرت علیؓ اول انکار فرماتے رہے، آخر اپنی جماعت کے اصرار پر ارشاد فرمایا کہ اچھا بتاؤ کہ اپنی ماں حضرت عائشہؓ کو باندی بنا کر اپنے حصہ میں لینے پر تم میں سے کون تیار ہے، انہوں نے عرض کیا: نستغفر اللہ (یعنی ہم اللہ سے مغفرت چاہتے ہیں، یہ تو نہیں ہو سکتا) حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا وَ اَنَا اَسْتَغْفِرُ اللہ (میں بھی اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں)

کیا ہم بھی اپنے کسی مخالف کا کوئی احترام باقی رکھتے ہیں، دشمنی اور مقابلہ میں تلوار اٹھانا بہت بڑی چیز ہے، کیا ہم معمولی سا خلاف کرنے والے کا بھی اتنا

خیال رکھتے ہیں، جتنا یہ حضرات مقابلہ میں تلوار اٹھانے والے کا رکھتے تھے !

ایسے لوگ کہاں

اس کے بعد دیکھا کہ مقتولین میں محمد بن طلحہ پڑے ہوئے تھے۔ حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا: اللہ تم پر رحم فرمائے تم بڑے عبادت گذار، شب بیدار، تمام رات نماز پڑھنے والے تھے، سخت سے سخت گرمی میں کثرت سے روزے رکھنے والے تھے (کتاب الامامۃ)

اس لڑائی کے خاتمہ پر جب حضرت عائشہؓ کا اونٹ زخمی ہو کر گرا ہے تو حضرت علیؓ نے جلدی سے کہا دیکھو (ام المومنینؓ کو) کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی۔

حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد بن ابی بکرؓ جو حضرت علیؓ کے طرف دار تھے، جلدی سے بڑھے، دریافت کیا کہ کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی۔ اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ خود ہودج کے پاس تشریف لے گئے، فرمایا اماں جان کوئی تکلیف تو نہیں پہنچی، اللہ جل شانہ تمہاری غلطی کو معاف فرمائے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری بھی مغفرت فرمائے (طبری)

یہ تھا مخالفوں کے ساتھ معاملہ اور یہ تھی مقابلین کی عزت افزائی۔ ہم لوگوں کو اپنے کسی حریف پر تسلط حاصل ہو جائے تو ہمارا کیا برتاؤ ہوتا۔ کسی مخالف پر غلبہ حاصل ہو جائے تو اس کی جان و مال، آبرو کوئی چیز بھی ایسی ہے جس پر ہم رحم کر سکتے ہیں!!

مخالفوں سے استفتاء

امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی جنگ ضرب المثل ہے، امیر معاویہؓ کی حکومت میں ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک شخص ابن خیبری نے اپنی بیوی سے کسی کو زنا کرتے دیکھ لیا، صبر نہ ہو سکا، اس کو قتل کر دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس مقدمہ پہنچا، ان کی کچھ سمجھ نہ آیا کیا فیصلہ فرمادیں، قاتل کی سزا قصاص، لیکن یہ قتل جن حالات میں صادر ہوا

وہ بھی بالکل نظر انداز کرنا مشکل۔ حضرت معاویہؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ حضرت علیؓ سے اس بارے میں مسئلہ کی تحقیق کر کے لکھیں (موطا امام مالکؒ)

کیا ہم بھی اپنے کسی سیاسی مخالف کے سامنے جہل کا اقرار کر سکتے ہیں۔ کسی مسئلہ میں جو باہمی نزاع نہ ہو اس کی طرف رجوع کر سکتے ہمارے سیاسی مخالف کا نہ کوئی قول معتبر ہے، نہ وہ اس قابل ہے کہ کوئی شخص کسی مسئلہ میں اس طرف رجوع کرے۔ حضرت علیؓ سے ان کے خلیفہ ہونے کے وقت جب مہاجرینؓ انصارؓ نے بیعتِ عامہ کی تو ایک جماعت بیعت میں شریک نہیں ہوئی حضرت علیؓ نے ان پر جبر نہیں فرمایا۔ اور جب آپ سے کسی نے ان لوگوں کے متعلق سوال کیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ حق کا ساتھ دینے سے بیٹھ گئے، لیکن باطل کا ساتھ بھی نہیں دیا (خمیس) مگر آج کوئی شخص یا کوئی جماعت سکوت اختیار کرے تو اس کا کیا حشر ہوتا ہے یہ اخبار بینوں سے مخفی نہیں۔

خون ناحق سے بچاؤ حضرت امام حسنؓ کو زہر پلایا گیا اور جب وصال ہونے لگا تو لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ کو کچھ معلوم ہے کہ کس نے زہر دیا ہے آپ نے ارشاد فرمایا کہ واللہ میں ہرگز نہ بتاؤں گا کہ کس نے پلایا ہے، اگر وہی ہے جس کو میں سمجھتا ہوں تو اللہ جل جلالہٗ کا انتقام بہت کافی ہے، اور اگر وہ نہیں ہے تو میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کسی بے گناہ کو مارا جائے (خمیس)

لیکن ہمارا کیا عمل ہے جس شخص سے معمولی اختلاف رائے ہے تو ہر برائی اس کے ذمہ ڈالی جاتی ہے۔ جو اذیت ہم کو پہنچتی ہے اُسی کی سازش سمجھی جاتی ہے کوئی دوسرا شخص کسی قسم کی اذیت پہنچائے تو دیدہ دانستہ اس اذیت کو اس مخالف رائے کے ذمہ ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔ بسا اوقات ہمارا دل کہتا ہے کہ یہ فعل اس کا نہیں ہے مگر انتقام کا جوش اس کی سعی کرتا ہے کہ اس قصہ

ہیں اُس کو بے گناہ جاننے کے باوجود اُسے پھانسا جائے۔

حقوق اور سنتوں کی رعایت اور سنیئے اسی جنگ جمل میں حضرت عائشہؓ کی اور حضرت علیؓ کی کس قدر سخت مخالفت تھی کہ اصل جنگ ہی ان دونوں حضرات کی تھی لیکن جب حضرت حسن بن علیؓ پر زہر کے اثر کا غلبہ ہوا تو اپنے بھائی حضرت حسینؓ کو حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا اور اس کی اجازت منگائی کہ میں ان کے گھر میں اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب دفن ہوں، حضرت عائشہؓ نے باوجود اس ساری لڑائی کے بخوشی اس کو قبول فرمایا۔ اس کے بعد حضرت حسنؓ نے حضرت حسینؓ سے فرمایا کہ شاید میری زندگی میں میری شرم ولحاظ کی وجہ سے اجازت دیدی ہو، میرے انتقال کے بعد دوبارہ اجازت لے لینا، اگر وہ بخوشی اجازت دیں تو وہاں دفن کر دینا ورنہ عام قبرستان میں دفن کر دینا۔ حضرت حسینؓ نے بھائی کے انتقال کے بعد دوبارہ اجازت چاہی تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا "نعم وکرامۃ" ہاں ہاں بڑے اکرام کے ساتھ۔ امراء بنی اُمیہ نے اس وجہ سے کہ حضرت عثمانؓ کو مخالفین نے وہاں دفن نہ ہونے دیا تھا مزاحمت کی اور کہا کہ جب حضرت عثمان کو وہاں دفن نہیں ہونے دیا، تو حسن بھی دفن نہیں ہو سکتے، لیکن اس کے باوجود حضرت حسینؓ نے جنازہ کی نماز پڑھانے کے لئے امیرِ مدینہ سعید بن العاص کو بڑھایا اور فرمایا کہ یہی سنت ہے۔ (خمیس)

کیا ہم بھی سنّت کی رعایت میں اپنے دشمنوں کے ساتھ یہ معاملہ کرتے ہیں جہاں معمولی سے معمولی اختلافات پر مصلّوں سے ہٹا دینا، امامت سے علیحدہ کر دینا روزمرّہ کے معمولات ہیں، دو چار واقعے ہوں تو کوئی گنوائے جہاں ہزاروں لاکھوں واقعات اسی نوع کے ہوں تو کہاں تک گنوائے جائیں، یہ مسلمانوں کے ساتھ ان حضرات کے معاملات تھے۔

غیروں کے ساتھ برتاؤ ایک نظر غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ پر بھی ڈالتے جاؤ۔ کفارِ مکہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ابتداء اسلام میں کیا کچھ تکلیفیں پہنچائیں، کونسی ایسی اذیت و تکلیف اور توہین و تذلیل تھی جو ان حضرات کے ساتھ نہیں برتی گئی۔ ہر مسلمان ان سے واقف ہے، اور عام و خاص کی زبانوں پر یہ واقعات ہیں، لیکن ان سب کے باوجود مکہ مکرمہ فتح ہوتا ہے سب کفار زیر نگیں اور مغلوب ہیں، اس وقت ہر شخص اپنے اوپر خائف ہے کہ اپنی عداوتیں سامنے ہیں لیکن حضورؐ کی پاک زبان سے نکلتا ہے لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ (درمنثور) آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے۔

غزوۂ بدر میں کس زور و شور سے کفار نے مقابلہ کیا، پھر مغلوب ہوئے پکڑے گئے، لیکن قیدیوں کے ساتھ کیا برتاؤ ہوا کہ بعض کو معمولی معاوضہ پر آزادی دی گئی اور بعض غریبوں کو بلا معاوضہ آزادی دے دی گئی (خمیس) اسی طرح جس قدر معرکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہوئے ہیں، تاریخ کے صفحات ان سے پر ہیں کہ ذمیوں اور قیدیوں کے ساتھ جو برتاؤ ہوتا تھا وہ آج مسلمانوں کا مسلمانوں کے ساتھ نہیں ہے۔

قاتل کے ساتھ سلوک ابولولو جو حضرت عمرؓ کا قاتل ہے نصرانی غلام تھا، حضرت عمرؓ کی زندگی ہی میں ان کو اشارے سے قتل کی دھمکی دی، حتی کہ کچھ عرصہ کے بعد قتل بھی کر دیا، حضرت عمرؓ نے خود فرمایا کہ اس نے اسوقت مجھے قتل کی دھمکی دی ہے، لیکن اس کے باوجود کیا کوئی انتقام اس سے لیا؟ بلکہ اس کے بالمقابل اس کے ساتھ احسان کا ارادہ تھا جو کتبِ احادیث اور تاریخ میں مشہور ہے۔ اور اس کی عداوت کا یہ حال تھا کہ جب نہاوند کے قیدی پکڑ کر لائے گئے تو ایک ایک کے سر پر ہاتھ پھیرتا تھا اور کہتا تھا کہ اَكَلَ عُمَرُ كَبِدِي عمر نے میرا جگر کھا لیا ہے۔

ابن ملجم حضرت علیؓ کا قاتل ایک مرتبہ کسی اپنی حاجت کو لے کر حضرت علیؓ کی

خدمت میں حاضر ہوا آپ نے اس کی حاجت پوری فرمادی اور ارشاد فرمایا کہ یہ میرا قاتل ہے، کسی نے عرض کیا کہ اس کو آپ قتل کیوں نہیں کرا دیتے، آپ نے فرمایا فَمَنْ یَقْتُلُنِی پھر مجھے کون قتل کرے گا (اشاعۃ)

ایک روایت میں ہے کہ ابھی تو اس نے قتل نہیں کیا (تو قتل سے پہلے قصاص کیسے ہو سکتا ہے) جب اس شقی نے آپ پر حملہ کیا اور پکڑا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ابھی قتل نہ کرنا۔ قید میں رکھنا واطیبوا طَعَامَہٗ وَالینوا فراشہٖ اور کھانے کو اچھا دینا اور بستر نرم دینا۔ اگر میں اس حملہ سے مرگیا تو قصاص میں قتل کر دینا اور اگر اچھا ہو گیا تو میں اپنے معاملہ کا خود مختار ہوں چاہے معاف کر دوں یا بدلہ لوں[1]

پہلا سپاہی رومیوں نے جب دیکھا کہ حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان جنگ گرم ہے تو انہوں نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرت معاویہؓ کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔ ان کو خط لکھا کہ ہم نے سُنا ہے کہ تم حق پر ہو اس کے باوجود حضرت علی تم کو پریشان کر رہا ہے اور تمہارے ساتھ زیادتی کر رہا ہے ہم علی کے مقابلہ میں تمہاری مدد کے لئے تیار ہیں، تمہارا پیغام ملنے کی دیر ہے، ہم اپنا لشکر تمہاری مدد کے لئے فوراً روانہ کر دیں گے۔

آپ جانتے ہیں کہ جنگ میں سب کچھ جائز سمجھا جاتا ہے اور دوست دشمن ہر ایک سے مدد حاصل کی جاتی ہے لیکن قربان جائیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اخلاص وللہیت پر کہ وہ انتہائی غیظ وغضب اور جنگ کی حالت میں بھی حدود سے تجاوز نہیں کرتے تھے۔

حضرت معاویہؓ نے رومی بادشاہ کے خط کے جواب میں لکھا: او رومی کتّے! ہمارے اختلافات سے دھوکہ نہ کھاؤ اگر تم نے مسلمانوں کی طرف رُخ کیا تو علیؓ کے لشکر کا پہلا سپاہی جو تمہارے مقابلے کے لیے نکلے گا وہ معاویہ ہوگا۔

صحابہؓ پر طعنہ زنی یہاں میں یہ بات بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جو لوگ اختلاف صحابہؓ کی آڑ میں صحابہؓ پر طعنہ زنی کرتے ہیں ان کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیئے، اس میں شک نہیں کہ ان میں اختلاف بھی ہوا، جنگ و جدل تک بھی نوبت پہنچی مگر ہمیں چودہ صدیاں گزرنے کے بعد ان میں حَکَم اور فیصل بننے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ ہمارے لئے بہترین راستہ وہی ہے جو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اختیار کیا، اُن سے جب صحابہ کرامؓ کی لڑائیوں کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: تِلْكَ دِمَاءٌ طَهَّرَ اللّٰهُ أَيْدِيَنَا مِنْهَا فَلَا نُلَوِّثُ أَلْسِنَتَنَا بِهَا صحابہؓ کے مقدس خون سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا تو پھر ہم اپنی زبان کو اُن سے کیوں آلودہ کریں۔ پھر یہ بات بھی ذہن میں رکھیں کہ صحابہؓ کی جماعت وہ مقدس جماعت ہے جس کے بارے میں خدا تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے اپنی مقدس کتاب میں یہ آسمانی سرٹیفکٹ اور خدائی سند محفوظ فرمادی رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔ اللہ اُن سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے۔

بتلایئے، جب خدا خود کہتا ہے کہ میں ان سے راضی ہوں تو ہماری نام نہاد تحقیقات اور فضول محاکموں سے خدا اُن سے ناراض ہو جائے گا؟

اور صحابہؓ کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جس مسلمان نے مجھے دیکھ لیا اُسے آگ نہیں چھوئے گی۔

جس نے میرے صحابہ سے محبت رکھی اُس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے صحابہ سے بغض رکھا اُس نے مجھ سے بغض رکھا، جس نے صحابہ کو تکلیف دی اُس نے مجھے تکلیف دی، جس نے مجھے تکلیف دی اُس نے اللہ کو تکلیف دی اور جس نے اللہ کو تکلیف دی، اللہ اُس کو پکڑیگا (مشکوٰۃ)

جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو میرے صحابہ کو بُرا بھلا کہہ رہا ہو، تو اُسے کہدو

کہ تم پر لعنت ہو تمہارے اس شر کی وجہ سے (ترمذی)

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے کسی نے پوچھا کہ امیر معاویہؓ افضل تھے یا عمر بن عبدالعزیزؒ؟ آپ جانتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیزؒ کو عمر ثانی بھی کہا جاتا ہے، اور ان کے دور کو خلافتِ راشدہ کے ساتھ شمار کیا جاتا ہے، مگر حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے جب یہ سوال کیا گیا تو وہ جلال میں آگئے اور فرمایا تم عمر بن عبدالعزیزؒ اور حضرت معاویہؓ کا موازنہ کر رہے ہو، سُن لو! امیر معاویہؓ نے جس گھوڑے کی پُشت پر بیٹھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا تھا اور میدانِ جنگ کا جو گرد و غبار اُڑ کر اُن کے گھوڑے کی ناک میں پڑا تھا، خدا کی قسم عمر بن عبدالعزیزؒ تو اُس غبار کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے

تو میرے دوستو! یہ مقدس ہستیاں ہیں ان پر تنقید کرنا اپنے ایمان کو ضائع کرنا ہے پھر یہ بات بھی قابلِ فکر ہے کہ اگر صحابہ کا کردار، صحابہ کی امانت و دیانت، صحابہ کا ایمان و یقین مشکوک ہو جائے تو سارا دین مشکوک ہو جائیگا اس لئے کہ ہمیں تو دین صحابہ ہی کے واسطہ سے ملا ہے۔

لہٰذا ہمارے لئے بہترین اور محفوظ راستہ یہی ہے کہ ہم ان کے بارے میں سکوت اختیار کریں اور ان کے درمیان حَکَم بننے کی کوشش نہ کریں۔

اختلاف بھی ادب بھی ہمارے دین کی تعلیم یہ ہے کہ اختلاف کے باوجود ادب و احترام کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔ اور یہی ہمارے بزرگوں اور ائمہ مجتہدین نے ہم کو سکھایا ہے۔

حدیث میں حضرت بریرہؓ کا واقعہ بیان ہوا، یہ حضرت عائشہؓ کی باندی تھیں حضرت مغیثؓ سے ان کا نکاح کر دیا گیا، یہ بھی صحابی ہیں۔ بریرہؓ خوبصورت تھیں اور مغیث بدصورت، حضرت مغیث بریرہؓ کے سو جان سے عاشق تھے، اور بریرہؓ کو نفرت

تھی۔ اس دوران میں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت عائشہؓ نے بریرہؓ کو آزاد کر دیا، اور مسئلہ شرعی یہ ہے کہ باندی اور منکوحہ اگر آزاد ہو جائے تو نکاح کا باقی رکھنا نہ رکھنا اس کے اختیار میں ہو جاتا ہے، اگر وہ نکاح کو ختم کرنا چاہے تو جائز ہے، کہ نکاح فسخ کر دے۔ اب حضرت مغیثؓ پریشان ہیں، وہ سو جان سے عاشق اور بریرہؓ کی طبیعت کو مناسبت نہیں اور بات آگئی حضرت بریرہؓ کے ہاتھ۔ تو لکھا ہے حضرت مغیثؓ مدینہ کی گلیوں میں پھر رہے ہیں، رو رہے ہیں، آنسو داڑھی پر گر رہے ہیں، اور ہر ایک کے پاس جاتے ہیں کہ تم سفارش کر دو کہ بریرہؓ نکاح کو فسخ نہ کرے۔ آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور کہا یا رسول اللہ! آپ بریرہؓ کو فرمائیں کہ وہ نکاح نہ توڑے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور بریرہؓ سے فرمایا کہ اے بریرہ نکاح کو فسخ مت کرو، مغیث کا بُرا حال ہے اسے محبت اور تعلق ہے، مگر بریرہؓ بہت دانشمند تھی، عرض کیا یا رسول اللہ! یہ حکم شرعی ہے یا حضور کی ذاتی رائے؟ فرمایا نہیں مشورہ ہے حکم شرعی نہیں عرض کیا میں تو نہیں مانتی، فرمایا تجھے ماننے نہ ماننے کا حق ہے۔ اس سے اندازہ ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی ذاتی رائے سے بھی اختلاف کا حق ہے، یعنی کوئی ملامت اس میں نہیں نہ انبیاء کی نہ شریعت کی۔ یہ الگ چیز ہے کہ ادب کی وجہ سے ہم حضورؐ کے منشا کو بھی سو حکموں سے زیادہ سمجھیں گے۔ بریرہؓ نے پہلے پوچھ لیا کہ یا رسول اللہؐ یہ حکم خداوندی ہے یا حضور کی ذاتی رائے؟ جب معلوم ہوا، فرمایا کہ میں نہیں مانتی۔ ذرّہ بھر حضورؐ کے اوپر گرانی نہیں ہوئی، لیکن رائے کے نہ ماننے کی وجہ سے کیا یہ جائز تھا کہ بریرہؓ معاذاللہ، ادنیٰ درجہ کی شانِ رسالت میں بے ادبی کرے، اگر ذرہ بھی بے ادبی ہوتی، دین ختم ہو جاتا۔ ادب اور عظمت کو اسی طرح برقرار رکھا لیکن شریعت نے جو حق دیا، اس کو استعمال کیا کہ یا رسول اللہ! میں تو نہیں مانتی،

یہ میرا خانگی معاملہ ہے اور اگر حکم شرعی ہے تو سر جھکا ہوا ہے، اس سے اندازہ ہوا کہ اختلافِ رائے اگر اہل اللہ اور علماء میں ہو جائے تو مضائقہ نہیں، لیکن بے ادبی یا تذلیل کسی حالت میں جائز نہ ہوگی، اس لئے کہ وہ بہر حال عالمِ دین ہے، جس سے آپ اختلاف کر سکتے ہیں مگر اس کا مقام و منصب بطور نائبِ رسول کے ہے، اس کی عظمت واجب ہوگی

ہم امام ابو حنیفہؒ کی فقہ پر عمل کرتے ہیں، امام شافعیؒ پچاسیوں مسئلوں میں ان سے اختلاف کرتے ہیں مگر ادنیٰ درجہ کی بے ادبی قلب میں امام شافعیؒ کی نہیں آتی اور جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ واجب التعظیم ہیں ویسے ہی امام شافعیؒ بھی، دونوں ماہتاب و آفتاب ہیں، دونوں سے نور اور برکت حاصل ہو رہی ہے کسی طرح جائز نہیں کہ ادنیٰ درجہ کی گستاخی دل میں آ جائے

گستاخی جہالت کی علامت ہے گستاخی و استہزاء کرنا جہالت کی بھی علامت ہے، موسیٰ علیہ السلام نے جب قوم کو نصیحت کی اور فرمایا کہ فلاں مقتول زندہ ہو جائے گا اگر بقرہ (گائے) کو ذبح کر کے اس کا گوشت میت سے ملا دیا جائے تو بنی اسرائیل کہتے ہیں کہ اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا، کیا آپ مذاق کرتے ہیں، اس بات میں کیا تعلق ہے کہ گوشت کو مردے سے ملا دیا جائے، موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں کہ جاہلوں میں شامل ہو جاؤں، یعنی دل لگی، تمسخر جاہلوں کا کام ہے، عالموں کو مناسب نہیں کہ تمسخر کریں، اس لئے کہ یہ ادب کے خلاف ہے، تو ایک ہے رائے کا اختلاف، اور کسی عالم سے مسلک کا اختلاف، اور ایک ہے بے ادبی، بے ادبی کسی حالت میں جائز نہیں، اختلاف جائز ہے

ہمارے اکابر کا معاندین سے سلوک حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے مولانا تھانویؒ کو دیکھا کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب مرحوم

سے بہت چیزوں میں اختلاف رکھتے ہیں، قیام، عرس، میلاد وغیرہ مسائل میں اختلاف رہا، مگر جب مجلس میں ذکر آیا تو فرماتے ـ مولانا احمد رضا خان صاحب ـ

ایک دفعہ مجلس میں بیٹھنے والے ایک شخص نے کہیں بغیر مولانا کے احمد رضا کہہ دیا حضرت نے ڈانٹا اور خفا ہو کر فرمایا کہ عالم تو ہیں، اگرچہ اختلاف رائے ہے، تم منصب کی بے احترامی کرتے ہو، کس طرح جائز ہے۔ رائے کا اختلاف اور چیز ہے، یہ الگ بات ہے کہ ہم ان کو خطا پر سمجھتے ہیں اور صحیح نہیں سمجھتے، مگر ان کی توہین اور بے ادبی کرنے کا کیا مطلب ؟ مولانا تھانوی نے "مولانا" نہ کہنے پر بُرا مانا حالانکہ مولانا تھانوی کے مقابل جو مولانا تھے وہ انتہائی گستاخی کیا کرتے تھے مگر مولانا تھانوی اہل علم میں سے تھے وہ تو نام بھی کسی کا آیا، تو ادب ضروری سمجھتے تھے، چاہے بالکل معاند ہی کیوں نہ ہو، مگر ادب کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹنا چاہیے ـ

میں نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کا واقعہ سنا کہ دہلی کا قیام تھا حضرت کے خدام میں سے چند مخصوص تلامذہ ساتھ تھے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دوسرے شاگرد مولانا احمد حسن امروہی، حاجی امیر شاہ خاں صاحب مرحوم، یہ بھی وہاں موجود تھے، مولانا احمد حسن صاحب نے اپنے ہجولیوں میں بیٹھ کر فرمایا کہ "بھئی" لال کنوئیں کی مسجد کے جو امام ہیں ان کی قرأت بہت اچھی ہے کل صبح کی نماز ان کے پیچھے پڑھ لیں۔ تو شیخ الہند نے غصّے میں آ کر فرمایا کہ تمہیں شرم نہیں آتی، بے غیرت، وہ ہمارے حضرت کی تکفیر کرتا ہے، ہم اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے، اور بڑا سخت لہجہ اختیار کیا۔ یہ جملے حضرت نانوتوی کے کان میں پہنچے اگلے دن حضرت نانوتوی ان سب شاگردوں کو لے کر اسی مسجد میں صبح کی نماز پڑھنے کی خاطر پہنچے، اس امام کے پیچھے جا کر نماز پڑھی، سلام پھیرا،

چونکہ یہ اجنبی تھے، نمازیوں نے دیکھا کہ ہیں تو علماء صورت، تو پوچھا کون ہیں؟ معلوم ہوا کہ یہ مولانا محمد قاسم ہیں اور وہ ان کے شاگرد شیخ الھند مولانا محمود الحسنؒ محدث امروہوی ان کے تلمیذ ہیں۔ امام کو سخت حیرت ہوئی کہ میں رات دن انھیں کافر کہتا ہوں اور یہ نماز کے لئے میرے پیچھے آگئے، امام نے خود بڑھ کر مصافحہ کیا اور کہا حضرت میں آپ کی تکفیر کرتا تھا، میں آج شرمندہ ہوں، آپ نے میرے پیچھے نماز پڑھی، حالانکہ میں آپ کو کافر کہتا رہا۔ حضرت نے فرمایا کوئی بات نہیں، میرے دل میں آپکے اس جذبے کی قدر ہے اور زیادہ عزت دل میں بڑھ گئی ہے۔ کیوں؟ اس واسطے کہ آپ کو جو روایت پہنچی کہ میں توہینِ رسول کرتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین تو آپ کی غیرتِ ایمانی کا یہی تقاضا تھا۔ ہاں البتہ شکایت اس کی ہے کہ روایت کی تحقیق کرنی چاہئے تھی۔ مگر بہرحال تکفیر کی بنیاد توہینِ رسول ہے، اور توہین رسول جو مسلمان کریگا تکفیر واجب ہو گی، دائرۂ اسلام سے خارج ہوگا، تو فرمایا کہ میرے دل میں آپ کی غیرتِ ایمانی کی قدر ہے۔ ہاں شکایت اس لئے ہے کہ ایک بار تحقیق کر لیتے کہ خبر صحیح ہے یا غلط۔ تو میں یہ عرض کرنے آیا ہوں کہ یہ خبر غلط ہے اور میں خود اس شخص کو دائرۂ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں جو ادنیٰ درجہ میں بھی نبی کی توہین کرے۔ اور اگر آپ کو یقین نہ آئے تو آپ کے ہاتھ پر ابھی اسلام قبول کرتا ہوں اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اب امام بیچارہ قدموں پر گر پڑا، بچھا جاتا ہے

تو بات صرف یہ تھی کہ ان حضرات کے دلوں میں تواضع للہ اور ادب مع اللہ اس درجہ رچا ہوا تھا کہ نفسانیت کا شائبہ نہ رہا تھا۔ استہزاء اور تمسخر تو بجائے خود ہے، اپنے معاندوں کی بھی بے قدری نہیں کرتے تھے بلکہ صحیح محمل پر اُتار کر یہ کہتے ہیں کہ جو ہمیں کافر کہتے ہیں، یہ ان کی قوتِ ایمانی کی دلیل ہے۔ البتہ یہ

تحقیق کر لینی چاہئے کہ واقعہ میں ہم توہین رسول کرتے ہیں ؟ ہم معاذاللہ دشمنانِ رسول ہیں یا دوستانِ رسول ہیں ؟ اس کی تحقیق ان کو واجب تھی، بلا تحقیق حکم نہیں لگانا چاہیئے۔

تو میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ادب اور تأدب دین کی بنیاد ہے جس کو عارفِ رومیؒ نے کہا ہے :

از خدا خواہیم توفیقِ ادب — بے ادب محروم گشت از فضلِ رب

حق تعالیٰ شانہٗ کے ہاں اس کا کوئی مقام نہیں، جو گستاخ اور بے ادب ہے بے ادبی محرومی کا سبب ہے بہرحال دین کا دار و مدار تأدیبات اور آداب پر ہے، یہ شریعت کا مستقل باب ہے، جہاں احکام ہیں وہاں اس کے ساتھ کچھ آداب ہیں۔ ادبیات پر اگر آدمی قادر نہ ہو تو وہ اصل احکام سے بھی کورا اور محروم رہ جاتا ہے، اس لئے آداب کی ضرورت ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے غالباً ایک حدیث نقل کی ہے اس کے الفاظ پوری طرح یاد نہیں نقل کیئے دیتا ہوں۔ تفسیر فتح العزیز میں ہے :

من تھاون فی الأدب حرم عن السُّنة ومن تھاون بالسُّنة حرم عن الواجبات ومن تھاون بالواجبات حرم عن الفرائض ومن تھاون بالفرائض حرم عن المعرفة ۔	جس نے آداب پر عمل کرنے میں سستی دکھائی، وہ سنت سے محروم ہو گیا، جس نے سنت پر عمل سے سستی کی وہ واجبات سے محروم ہو جائے گا، اور جس نے واجبات پر عمل سے سستی دکھائی وہ فرائض پر عمل سے محروم ہو جائے گا اور جس نے فرائض کی ادائیگی میں سستی کی، وہ اللہ کی پہچان سے محروم ہو گیا۔

فرائض پر عمل کرے گا، تو معرفت بڑھے گی اس واسطے سُنتوں کو تکمیلِ فرائض کہا گیا، تو جس نے آج سنتیں چھوڑ دیں، صرف فرائض کو پڑھ لیا، کل وہ بھی نہ پڑھے گا، رفتہ رفتہ محروم ہو جائے گا۔

اکابر اور اصاغر کا فرق اکابر اور اصاغر کے اختلاف میں فرق یہ ہے کہ اکابر کا آپس میں جو اختلاف تھا وہ اس میں ضد اور عناد کو نہیں آنے دیتے تھے اپنے مسلک اور اپنے اجتہاد پر عمل بھی کرتے تھے لیکن اس کا مقصد دوسرے کو چڑانا یا اس کی تذلیل اور تحقیر نہیں ہوتا تھا جب کہ اصاغر میں یہ بات نہیں بلکہ یہاں تو ضد اور عناد اس قدر ہے کہ ایک دوسرے کو دیکھنا تک گوارا نہیں۔ مدرسے الگ، مسجدیں الگ، خانقاہیں الگ۔ ایک دوسرے سے سلام دعا تک بند ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ حنفیوں اور شافعیوں کے درمیان سینکڑوں ہزاروں مسائل میں اختلاف ہے لیکن امام شافعیؒ فرماتے ہیں "جو فقیہ بننا چاہے، اس کو چاہیے کہ امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں کو چمٹ جائے۔ میں خود امام محمدؒ کی کتابوں سے فقیہ بنا ہوں۔"

جب امام شافعیؒ بغداد تشریف لائے اور امام ابو حنیفہؒ کے مزار پر حاضر ہوئے تو امام ابو حنیفہؒ کے ہاں نماز میں فاتحہ کے بعد آمین آہستہ سے کہنا اور امام شافعیؒ کے ہاں زور سے کہنا افضل و اَولیٰ ہے مگر جب امام شافعیؒ نے مزار والی مسجد میں نماز پڑھی تو آمین کو آہستہ سے پڑھا اور فرمایا مجھے حیا آتی ہے اس صاحبِ مزار سے کہ اس کے قریب آ کر اس کے اجتہاد سے خلاف کروں۔ یہ ادب اور تأدب ہے یعنی جس حد تک گنجائش ہو، ایک تو حرام و حلال اور جائز و ناجائز کا فرق ہے، کہ ایک کے ہاں جائز دوسرے کے ہاں حرام، اس میں تو دوسرے کے مسلک پر عمل نہیں کر سکتے۔ مگر جہاں اولیٰ اور غیر اولیٰ کا فرق ہے وہاں ادب ملحوظ رکھا جا سکتا ہے۔

امام شافعیؒ نے افضل پر عمل ترک کر دیا، اور غیر افضل پر عمل کیا۔ امام کی روایت سے حالانکہ امام ابو حنیفہ اس وقت مزار میں ہیں، سامنے نہیں ہیں، مگر ادب کا یہ عالم تھا۔ اور یہ ادب اور تأدّب کی بات تھی۔

اتفاق یا افتراق اب اصاغر میں تو یہ صورت ہے کہ بہت سی باتیں صرف مخالفین کو چڑانے اور سنانے کے لئے کی جاتی ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ کئی لوگ ایسے ہیں کہ اگر بجلی یا اسپیکر نہ ہو تو اذان سے پہلے صلوٰۃ نہیں پڑھتے لیکن اسپیکر ہو تو ضرور پڑھتے ہیں اس لئے کہ مقصد تو محض دوسروں کو سُنانا ہے اور یہ مقصد آہستہ پڑھنے سے یا اسپیکر کے بغیر پڑھنے سے پورا نہیں ہو سکتا بلکہ بعض جیالے تو صاف کہتے کہ ہم یہ صلوٰۃ منکروں کو سنانے کے لئے پڑھتے ہیں ورنہ یہ ہم بھی جانتے ہیں کہ یہ کوئی شریعت کا حکم نہیں ہے۔ بلکہ میں نے تو اپنے ہاں یہ بھی دیکھا ہے کہ بعض نوجوان اور بچوں کا یہ ذہن بنایا گیا ہے کہ فلاں مسلک اور مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے لوگ چونکہ صلوٰۃ کے منکر ہیں اس لئے وہ جہاں بھی نظر آئیں ان کو سنا کر بلند آواز سے مخصوص اور متنازعہ صلوٰۃ پڑھا کرو۔ چنانچہ ان بچوں اور نوجوانوں کو سرِ بازار بھی کوئی مخالف نظر آتا ہے تو وہ زور سے صلوٰۃ پڑھتے ہیں، اگرچہ تنہائی میں خاموشی کے ساتھ ان کو پڑھنے کی بھی توفیق نہ ہو، مگر دوسرے کو سنانے اور اسے تنگ کرنے کے لئے بہر حال پڑھیں گے اور وہ کیوں نہ پڑھیں ان کو مسجد اور مدرسے میں سکھایا یہی گیا ہے۔ افسوس کہ مساجد جو اتحاد کا مرکز تھیں اور جہاں سے اتفاق، محبت، پیار کا درس انسانوں کو دیا جاتا تھا اب انہی مساجد کو نفاق، افتراق اور توڑ پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔

آمین بالشر اسی طرح بعض لوگوں کا وطیرہ ہے کہ اگر ایسے لوگوں کی مسجد میں نماز ادا کریں جو آہستہ آمین کہنے کے قائل ہیں تو یہ اُن کو سُنانے کے لئے زور سے

آمین کہیں گے اور اسی قسم کی باتوں سے جھگڑے ہوتے ہیں۔ حضرت حکیم الاسلام فرماتے ہیں ایک عرصہ پہلے ایک یورپین عیسائی کلکٹر تھا، اس کے زمانے میں احناف اور اہلِ حدیث میں لڑائی آمین کہنے پر ہوئی حنفیوں نے آہستہ پڑھی، اہل حدیث نے زور سے کہی تو لاٹھی چل گئی، بہت لوگوں کا سر ٹوٹ گیا مقدمہ کلکٹر کے پاس گیا۔ فریقین کے وکلاء نے کلکٹر کو مقدمہ سمجھایا تو اس نے کہا بھئی! آمین کوئی جائداد ہے یا بلڈنگ ہے کہ اس پر لڑتے ہیں، وکلاء نے کہا نہیں آمین ایک قول ہے، جو زبان سے نکالتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر کی حدیث آئی ہے کہ آمین زور سے پڑھو، دوسرے کہتے ہیں کہ حدیث آئی ہے کہ آہستہ پڑھو اس نے کہا جس کو جو حدیث معلوم ہے اس پر عمل کرے، تم لڑتے کیوں ہو اور اس کی سمجھ میں بات نہ آئی اور سمجھ میں آنے کی بات بھی نہ تھی

بہرحال اس نے بڑا دانشمندانہ فیصلہ لکھا۔ کہ میں مقدمہ کی مثل دیکھ کر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسلمانوں کے ہاں آمین کی تین قسمیں ہیں، ایک آمین بالجہر زور سے پڑھنا، ایک آمین بالسِرّ آہستہ پڑھنا اور ایک آمین بالشر، یعنی جھگڑنے لڑنے کے لئے پڑھنا، اس لئے کہ پہلے دونوں کے بارے میں حدیث موجود ہے ایک کو ایک امام نے، دوسرے کو دوسرے امام نے اختیار کر لیا، اس میں لڑائی کی بنیاد ہی نہیں۔ یہ آمین بالشر کی لڑائی ہے لہذا میں دونوں کو سزا دیتا ہوں گویا اس نے بتایا کہ اختلافی مسائل نہ لڑائی کے لئے ہوتے ہیں، نہ باہمی نزاع کے لئے، وہ دیانۃً تحبت سے رائے قائم کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ تو یہ ہمارے قلوب کا فساد ہے کہ ہم نے مسائل کو اپنے دل کے جذبات نکالنے کے لئے آڑ بنا لیا ہے، اور ہر دین کا مسئلہ جھگڑا ڈالنے اور گروہ بندیوں کے لئے رہ گیا ہے۔

کونسا اختلاف ممنوع ہے میرے دوستو! مطلق اختلاف ممنوع نہیں ہے بلکہ اُس اختلاف سے منع کیا گیا ہے جو جھگڑے فساد اور شر کا سبب بنے، اپنے اس دعویٰ کی دلیل میں حدیث سے پیش کرتا ہوں۔ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو قرآن پاک کی ایک آیت پڑھتے ہوئے سنا جو اس کے خلاف تھی جس طرح کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا، میں اس کا ہاتھ پکڑ کر حضور کی خدمت میں لے گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم دونوں نے صحیح پڑھا، تم لوگ آپس میں اختلاف نہ کرو۔ پہلے لوگوں نے بھی آپس میں اختلاف کیا تھا تو وہ لوگ ہلاک ہوگئے۔ یہاں آپس میں قراءت میں اختلاف ضرور تھا اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی تصویب فرمائی۔ گویا وہ اختلاف بھی باقی رکھا جو پہلے سے تھا لیکن پھر بھی اختلاف کی ممانعت فرمائی اور اس کو ہلاکت کا سبب قرار دیا تو یقیناً اس سے مراد وہی اختلاف تھا جو جھگڑے کی صورت میں نمودار ہوا

مدارس کا حال آج ہمارے مدارس کا حال یہ ہے کہ آغاز تعلیم سے لے کر انتہاءِ تعلیم تک ائمہ مجتہدین کے اختلافات رٹانے پر زور دیا جاتا ہے، ذہین سے ذہین طلبہ کی ساری صلاحیتیں ان اختلافات کو یاد کرنے میں صرف ہوجاتی ہیں وہ پہلے اپنے مسلک کے دلائل یاد کرتے ہیں پھر مخالفین کے دلائل پھر مخالفوں کی طرف سے ہونے والے اعتراضات اور ان کے جوابات، اس کے بعد مخالف فریق کے دلائل پر اعتراضات۔

آٹھ دس سال تک جب وہ اس قسم کے مباحثوں میں مصروف رہتے ہیں تو پھر ان کے ذہن اتنے پختہ ہوجاتے ہیں کہ وہ اپنے مسلک سے ذرہ بھر اِدھر اُدھر

ہونا گوارہ نہیں کرتے جبکہ ان اختلافات کا حال تو یہ ہے کہ اکثر اختلافات راجح اور غیر راجح، افضل اور غیر افضل کے ہوتے ہیں، ان مباحثوں اور مناظروں میں حد سے زیادہ مصروفیت کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ فرقے اور گروہ جن کے عقائد صراحۃً کفریہ ہیں اور جو دن رات امت کو گمراہ کرنے کے لئے کوشاں ہیں، ان کے خلاف ریسرچ اور مطالعہ کا نہ تو طلبہ کو موقع ملتا ہے، اور نہ ہی اس سے انہیں کوئی دلچسپی ہوتی ہے گویا ہم نے ان گمراہ فرقوں اور جماعتوں کو گمراہی پھیلانے کی کھلی چھٹی دے رکھی ہے۔

اندازہ لگائیے ہمارے بھولپن اور سادگی کا کہ ہمیں اس بات کی تو فکر ہے کہ کوئی شخص اولیٰ کو چھوڑ کر غیر اَولیٰ کام نہ کرے۔

شافعیت کو چھوڑ کر حنفی نہ بن جائے، حنفیت کو چھوڑ کر شافعی نہ بن جائے۔

رفع یدین کا انکار نہ کر دے یا اقرار نہ کرلے،

تراویح بیس نہ پڑھ لے،

اذان بغیر صلوٰۃ کے نہ کہدے،

لیکن اگر کوئی نماز ہی چھوڑ دے،

وہ نہ بیس پڑھے، نہ آٹھ،

وہ اذاں ہی کا انکار کر دے،

وہ ملحد بن جائے،

وہ سوشلسٹ ہوجائے،

وہ قادیانیت کی گود میں چلا جائے

وہ دشمنانِ صحابہ کے پروپیگنڈہ سے متأثر ہوجائے،

وہ صیہونیوں کے جال میں پھنس جائے،

تو ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں، کوئی فکر نہیں کوئی غم نہیں

نہ آٹھ نہ بیس ہمارے چند دوست تھے، وہ تبلیغی جماعت کے ساتھ ایک جگہ گئے، گشت پر نکلے تو چند مسلمانوں کو مسجد میں آنے کی دعوت دی، رمضان المبارک کا مہینہ تھا، غالباً ان ساتھیوں نے اپنے خطیب سے آٹھ اور بیس تراویح کا جھگڑا سنا ہوگا، انہوں نے ان تبلیغی دوستوں سے کہا ہم مسجد میں تو بعد میں چلیں گے پہلے ہمارے ساتھ اس مسئلہ پر بحث کرو کہ تراویح آٹھ ہیں یا بیس، ان دوستوں نے بہت پیارا جواب دیا۔ کہنے لگے بھائی جو بیس پڑھتے ہیں وہ کچھ زیادہ پڑھ لیتے ہیں اور جو آٹھ پڑھتے وہ کچھ کم پڑھ لیتے ہیں لیکن پڑھتے دونوں ہیں ہم آپس میں اُلجھنے اور وقت ضائع کرنے کے بجائے کیوں نہ ان بے نمازوں کے پاس چلیں جو نہ آٹھ پڑھتے ہیں نہ بیس پڑھتے ہیں، وہ تو سرے سے نماز ہی سے محروم ہیں

لاحاصل اختلاف حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا اس سلسلہ میں ایک عبرت انگیز واقعہ لکھا فرماتے ہیں قادیان میں ہر سال ہمارا جلسہ ہوا کرتا تھا اور سیدی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی اس میں شرکت فرمایا کرتے تھے۔ ایک سال اسی جلسہ پر تشریف لائے، میں بھی آپ کے ساتھ تھا ایک صبح نمازِ فجر کے وقت اندھیرے میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت سر پکڑے ہوئے بہت مغموم بیٹھے ہیں، میں نے پوچھا حضرت کیسا مزاج ہے؟ کہا ہاں ٹھیک ہی ہے، میاں مزاج کیا پوچھتے ہو، عمر ضائع کر دی!

میں نے عرض کیا حضرت! آپ کی ساری عمر علم کی خدمت میں، دین کی اشاعت میں گذری ہے، ہزاروں آپ کے شاگرد علماء ہیں، مشاہیر ہیں جو آپ سے

مستفید ہوئے اور خدمتِ دین میں لگے ہوتے ہیں، آپ کی عمر اگر ضائع ہوئی تو پھر کس کی عمر کام میں لگی۔

فرمایا میں تمہیں صحیح کہتا ہوں، عمر ضائع کردی

میں نے عرض کیا، حضرت بات کیا ہے؟

فرمایا ہماری عمر کا، ہماری تقریروں کا، ہماری ساری کدوکاوش کا خلاصہ یہ رہا ہے کہ دوسرے مسلکوں پر حنفیت کی ترجیح قائم کردیں، امام ابوحنیفہؒ کے مسائل کے دلائل تلاش کریں، یہ رہا ہے محور ہماری کوششوں کا، تقریروں کا اور علمی زندگی کا۔

اب غور کرتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ کس چیز میں عمر برباد کی؟ ابوحنیفہؒ ہماری ترجیح کے محتاج ہیں کہ ہم ان پر کوئی احسان کریں، ان کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام دیا ہے وہ مقام لوگوں سے خود اپنا لوہا منوائے گا، وہ تو ہمارے محتاج نہیں۔

اور امام شافعیؒ، مالکؒ اور احمد بن حنبل اور دوسرے مسالک کے فقہاء جن کے مقابلے میں ہم یہ ترجیح قائم کرتے آئے ہیں، کیا حاصل ہے اس کا؟ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم زیادہ سے زیادہ اپنے مسلک کو صواب محتمل الخطاء (درست مسلک جس میں خطا کا احتمال موجود ہے) ثابت کردیں، اور دوسرے کے مسلک کو خطا محتمل الصواب (غلط مسلک جس کے حق ہونے کا احتمال موجود ہے) کہیں اس سے آگے کوئی نتیجہ نہیں، ان تمام بحثوں، تدقیقات کا جن میں ہم مصروف ہیں۔

پھر فرمایا؟

ارے میاں! اس کا تو کہیں حشر میں بھی راز نہیں کھلے گا کہ کونسا مسلک صواب تھا اور کونسا خطاء۔ اجتہادی مسائل صرف یہی نہیں کہ دنیا میں ان کا فیصلہ نہیں ہوسکتا، دنیا میں بھی ہم، تمام تر تحقیق وکاوش کے بعد یہی کہہ سکتے

ہیں کہ یہ بھی صحیح یا یہ کہ یہ صحیح ہے، لیکن احتمال موجود ہے کہ یہ خطاء ہو اور وہ خطاء ہے اس احتمال کے ساتھ کہ صواب ہو، دنیا میں تو یہ ہے ہی قبر میں بھی منکر نکیر نہیں پوچھیں گے کہ رفع یدین حق تھا یا ترک رفع یدین حق تھا؟ آمین بالجہر حق تھی یا بالسر حق تھی برزخ میں بھی اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائیگا اور قبر میں بھی یہ سوال نہیں ہوگا۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ یہ تھے

اللہ تعالیٰ شافعیؒ کو رسوا کریگا نہ ابو حنیفہؒ کو، نہ مالکؒ کو، نہ احمد بن حنبلؒ کو، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے علم کا انعام دیا ہے، جن کے ساتھ اپنی مخلوق کے بہت بڑے حصے کو لگا دیا ہے، جنہوں نے ہدایت کو پھیلایا ہے، جن کی زندگیاں سنت کا نور پھیلانے میں گذریں، اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کو رسوا نہیں کریگا کہ وہاں میدانِ محشر میں کھڑا کرکے یہ معلوم کرے کہ ابو حنیفہ نے صحیح کہا تھا یا شافعی نے غلط کہا تھا یا اس کے برعکس، یہ نہیں ہوگا۔

تو جس چیز کو نہ دنیا میں کہیں نکھرنا نہ برزخ میں نہ محشر میں، اسی کے پیچھے پڑ کر ہم نے اپنی عمر ضائع کر دی، اپنی قوت صرف کر دی اور جو صحیح اسلام کی دعوت تھی، مجمع علیہ اور سبھی کے مابین جو مسائل متفقہ تھے اور دین کی جو ضروریات سبھی کے نزدیک اہم تھیں، جن کی دعوت انبیاء کرام لے کر آئے تھے، جن کی دعوت کو عام کرنے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا اور وہ منکرات جن کو مٹانے کی کوشش ہم پر فرض کی گئی تھی آج یہ دعوت تو نہیں دی جا رہی یہ ضروریات دین تو لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہی ہیں اور اپنے و اغیار ان کے چہرے کو مسخ کر رہے ہیں اور وہ منکرات جن کو مٹانے میں ہمیں لگے ہونا چاہئے تھا وہ پھیل رہے ہیں، گمراہی پھیل رہی ہے، الحاد آرہا ہے، شرک و بت پرستی چل رہی ہے، حرام و حلال کا امتیاز اٹھ رہا ہے لیکن ہم لگے ہوئے ہیں ان فروعی بحثوں میں۔

حضرت شاہ صاحب نے فرمایا یوں غمگین بیٹھا ہوں اور محسوس کر رہا ہوں کہ عمر ضائع کر دی

دو عظیم سبق اسی قسم کا واقعہ حضرت شیخ الہند کا بھی ہے شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ چار سالہ جیل سے رہائی کے بعد دارالعلوم دیوبند میں تشریف لائے تو علماء کے ایک مجمع کے سامنے آپ نے بہت اہم بات ارشاد فرمائی۔

جو لوگ حضرت رحمۃ اللہ سے واقف ہیں وہ اس سے بھی بے خبر نہیں ہیں کہ ان کی یہ قید وبند عام سیاسی لیڈروں کی قید نہ تھی، جنگِ آزادی میں اس درویش کی ساری تحریکات صرف رضائے حق سبحانہ وتعالیٰ کے لئے امت کی صلاح وفلاح کے گرد گھومتی تھیں۔ مسافرت اور انتہائی بے کسی کے عالم میں گرفتاری کے وقت جملہ جو ان کی زبانِ مبارک پر آیا تھا، ان کے عزم اور مقصد کا پتہ دیتا ہے، فرمایا:

"الحمد للہ بمصیبتے گرفتارم نہ بمعصیتے" جیل کی تنہائیوں میں ایک روز بہت مغموم دیکھ کر بعض رفقاء نے کچھ تسلی کے الفاظ کہنا چاہے تو فرمایا: "اس تکلیف کا کیا غم ہے جو ایک دن ختم ہو جانے والی ہے۔ غم اس کا ہے کہ یہ تکلیف ومحنت اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبول ہے یا نہیں۔"

مالٹا کی قید سے واپس آنے کے بعد ایک رات بعد عشاء دارالعلوم میں تشریف فرما تھے، علماء کا بڑا مجمع سامنے تھا، اس وقت فرمایا کہ:

"ہم نے تو مالٹا کی زندگی میں دو سبق سیکھے ہیں۔" یہ الفاظ سنکر سارا مجمع ہمہ تن گوش ہو گیا کہ اس استاذ العلماء درویش نے اسّی سال علماء کو درس دینے کے بعد آخر عمر میں جو سبق سیکھے ہیں وہ کیا ہیں؟ فرمایا کہ میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہو رہے ہیں، تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے ایک ان کا قرآن کو چھوڑ دینا

دوسرے آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی ، اس لئے میں وہیں سے یہ عزم لیکر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معناً عام کیا جائے ، بچوں کے لئے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی بستی میں قائم کئے جائیں بڑوں کو عوامی درسِ قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے اور قرآنی تعلیمات پر عمل کے لئے آمادہ کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے ۔

آپ اگر مسلمانوں کی پستی ، تنزل اور ذلت کے اسباب پر غور فرمائیں گے تو آپ کو بڑے بڑے یہی دو اسباب نظر آئیں گے ۔ امت آپس میں دست وگریبان ہے ، ہر شخص الگ جماعت بنانے کی فکر میں ہے کئی جماعتیں ایسی ہیں کہ ان میں صدر اور سکریٹری کے علاوہ آپ کو تیسرا شخص نہیں ملے گا ، مگر نعرے ایسے انقلابی لگائے جاتے ہیں ، گویا یہی ایک جماعت ہے جو بگڑی ہوئی امت میں انقلاب برپا کرسکتی ہے ۔ کام سے زیادہ پروپیگنڈا اور تشہیر کی جاتی ہے ۔

قرآن کو چھوڑ کر امت نے لینن مارکس ، ماوزے تنگ اور نہ جانے کون کون سے لادین لیڈروں کی کتابوں کو اپنا لیا ہے ۔ اپنی معیشت ، سیاست ، حکومت ۔ غرضیکہ ہر چیز کے بارے میں انہی گمراہ کن کتابوں سے رہنمائی حاصل کی جاتی ہے ۔

قرآن کو خوبصورت غلافوں میں لپیٹ کر طاقچوں کی زینت بنا دیا گیا ہے ۔ قرآن کا مقصد اب صرف یہ رہ گیا ہے :

کہ کبھی کبھار برکت کے لئے پڑھ لیا جائے ۔

یا کوئی مر جائے تو قرآن سے ایصالِ ثواب کردیا جائے ،

یا کبھی جھگڑا ہو جائے تو قرآن کی قسم اٹھائی جائے ،

تعویذات لکھ لکھ کر بیماروں کے گلے میں ڈال دیئے جائیں ،

یا ویسے ہی دکان اور مکان میں رکھ دیا جائے تاکہ برکت ہوتی رہے ،
یا کسی فنکشن اور پروگرام کے شروع میں اس کی تلاوت کر لی جائے ،

خوئے بدرا بہانہ ہائے بسیار بعض لوگ بار بار یہ سوال کرتے ہیں کہ آخر ائمہ کرام کے درمیان اتنے اختلافات کیوں ہیں اور بعض لوگ تو اس کثرتِ اختلاف کی وجہ سے یا تو ائمہ کرام سے بدظن ہو جاتے ہیں اور یا پھر ایک قدم آگے بڑھ کر احادیث ہی کے بارے میں بدگمانی کرنے لگتے ہیں ، اور کئی بدبخت تو ایسے ہیں جنہوں نے ائمہ کے اختلاف کو بے عملی کے لئے ایک بہانہ بنا لیا ہے ، یعنی وہ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ فلاں مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے لہذا ہم ان میں سے کسی کے قول پر بھی عمل نہیں کرتے یہ تو ایسے ہی ہو گیا جیسے کوئی شخص کہے کہ چونکہ فلاں بیماری کی تشخیص اور اُس کے علاج کے بارے میں ڈاکٹروں کے مختلف قول ہیں لہذا جب تک ڈاکٹروں کا اتفاق نہیں ہو جاتا میں علاج ہی نہیں کراؤں گا ۔

میں ان لوگوں سے سوال کرتا ہوں کہ کیا یہ اُن تمام مسائل پر عمل کرتے ہیں جن پر علماء کا اتفاق ہے ؟

کیا شراب اور زنا کی حرمت کے بارے میں علماء کا اتفاق نہیں ؟
کیا جھوٹ غیبت اور بہتان کے حرام ہونے کے بارے میں اتفاق نہیں ؟
کیا سود اور رشوت کے عدم جواز پر اتفاق نہیں ؟
کیا موسیقی اور رقص و سرود کی قبحت کے بارے میں اتفاق نہیں ؟
کیا غصب و نہب اور ظلم و ستم کی شناعت کے بارے میں اتفاق نہیں ؟

مگر کتنے مسلمان ہیں جو ان قبیح ترین برائیوں سے بچتے ہیں ؟ حقیقت یہ ہے یہ صرف بہانہ ہے اور اگر یہ بہانہ دور بھی کر دیا جائے تو بے کار لوگ بے عملی کے لئے کوئی دوسرا بہانہ تلاش کریں گے

اختلاف کیوں ہوتا ہے اگرچہ یہ تقریر زیادہ تفصیل اور طوالت کی متحمل نہیں مگر جو لوگ واقعۃً حق کی تلاش میں ہیں، میں صرف اُن کے دل کی تسلّی اور ان کے معلومات میں اضافہ کے لئے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ کے افادات کی روشنی میں اس سوال کا جواب عرض کرتا ہوں کہ آخر ائمہ عظام کے درمیان مختلف فقہی مسائل میں اختلاف کیوں ہے۔

آپ سب یہ بات تو جانتے ہی ہوں گے کہ فقہی مسائل کی بنیاد زیادہ تر روایات پر ہے، اور چونکہ روایات میں اختلاف ہے لہذا فقہی مسائل میں بھی اختلاف ہے۔ اب آپ یہ سوال کریں گے کہ روایات میں کیوں اختلاف ہے تو اس کی چند وجوہ ہیں :

پہلی وجہ روایات میں اختلاف کی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف احوال و اوقات کے لحاظ سے دو وقتوں میں دو شخصوں کو علیحدہ ارشادات فرمائے جس میں مخاطب بھی جدا اور سننے اور نقل کرنے والا مجمع بھی جدا ! مثلاً

• ایک شخص نے روزہ کی حالت میں بوس و کنار کے بارے میں دریافت کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیدی اور دوسرے نے دریافت کیا تو منع فرمادیا ، بظاہر دونوں باتوں میں تضاد ہے مگر حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جس کو آپ نے اجازت دی وہ بوڑھا تھا، اور جس کو منع کیا وہ نوجوان تھا،

ایک نابینا صحابی کو آپ نے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی، دوسرے کو دے دی، حضرت ابوبکرؓ نے سارا مال صدقہ کیا تو آپ نے قبول فرمالیا، دوسرے نے ایسا کیا تو آپ نے رد کردیا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حکم کسی خاص شخص کے لئے مخصوص فرمایا لیکن حاضرین مجلس میں سے بعض نے اس کو ایک

عام حکم سمجھ کر نقل فرما دیا۔ جیسا کہ حضرت ابن عمرؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے، حضرت عائشہؓ اس کا انکار فرماتی ہیں۔ ان کا خیال ہے یہ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودیہ عورت کے بارے میں خاص طور پر ارشاد فرمایا تھا۔

تیسری وجہ اس دوسری وجہ کا عکس ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حکم علی العموم ارشاد فرمایا لیکن کسی نقل کرنے والے نے اُس کو کسی شخص یا کسی وقت کے ساتھ خاص سمجھ لیا،

چوتھی وجہ یہ ہے کہ صحابہ میں سے بعض فقیہ تھے، ہر موقع محل کو سمجھتے تھے، بعض حافظہ میں تو بے مثال تھے، لیکن تفقہ میں اُن سے کچھ کم تھے لہذا وہ اپنے فہم کے مطابق حدیث کو نقل فرمادیتے تھے

پانچویں وجہ یہ ہے کہ بعض صحابہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی عمل .... کرتے ہوئے دیکھا تو اُسے ایک اتفاقی معاملہ سمجھا گویا آپ نے یہ کام عادتاً کیا ہے، دوسرے بعض نے اس کو شرعی اور ارادی فعل سمجھا اور اُسے سنت یا مستحب بتلا دیا۔

چھٹی وجہ اختلاف علت ہے۔ مثلاً حضرت رافع بن خدیجؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو بٹائی پر دینے سے منع فرمایا ان کے خیال میں اس کی علت عدم جواز ہے یعنی بٹائی پر دینے سے آپ نے اس لئے منع فرمایا کیونکہ ایسا کرنا جائز ہی نہیں لیکن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے خیال میں اس کی علت یہ ہے کہ مسلمان کے ساتھ حُسن سلوک کیا جائے۔

ساتویں وجہ یہ ہے کہ بہت سے الفاظ، کلام میں ایسے بولے جاتے ہیں جن کے لغوی معنی بھی استعمال ہوتے ہیں اور اصطلاحی بھی استعمال ہوتے

ہیں، سننے والوں میں سے کسی نے لغوی معنی مراد لے لیا کسی نے اصطلاحی معنی مراد لے لیا مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کھانے سے پہلے اور بعد میں وضو کرنا برکت کا سبب ہے۔ عام صحابہ نے اس سے وضو کا لغوی معنی مراد لیا یعنی ہاتھ دھونا، لیکن حضرت سلمان فارسی رضؓ نے اصطلاحی معنی مراد لے لیا اور کہا کہ باقاعدہ وضوء کیا جائے

آٹھویں وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کے کرنے کا حکم دیا تو کسی نے سمجھا کہ یہ کام کرنا واجب ہے، کسی نے سمجھا کہ افضل ہے، کسی نے سمجھا کہ یہ جائز ہے۔

نویں وجہ یہ ہے کہ امت کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مختلف حیثیتیں تھیں، آپ:

نبی مرسل بھی تھے،

آپ طبیبِ جسمانی بھی تھے،

آپؐ تعلیم و تربیت کے اعتبار سے استاد اور شیخ بھی تھے،

آپؐ امیر اور حکمران بھی تھے،

آپ کی یہ حیثیتیں آپس میں اس قدر خلط ملط تھیں کہ بعض اوقات اشتباہ ہو جاتا تھا کہ آپؐ نے یہ حکم نبی مرسل ہونے کے اعتبار سے ارشاد فرمایا یا امیر اور باپ اور طبیب ہونے کے اعتبار سے ارشاد فرمایا ہے[1]۔

موجودہ اختلاف کے اسباب

امت میں اس وقت جو اختلافات ہیں ان کے جو بڑے بڑے اسباب ہیں وہ اپنے مطالعہ کی روشنی میں عرض کرنا چاہتا ہوں، سارے اسباب کا احاطہ تو ظاہر ہے کہ ایک

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے "اختلاف الائمہ"

تقریر میں کیا ہو سکتا ہے، اس کے لئے تو ان کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے جو خاص اسی موضوع پر لکھی گئی ہیں تاہم بڑے بڑے اسباب یہ ہیں۔

① نفس پرستی | اختلاف کا پہلا سبب یہ ہے کہ جب افراد اور جماعتیں خدا پرستی کے بجائے نفس پرستی شروع کر دیتی ہیں تو اختلاف کا پنڈورا بکس کھل جاتا ہے۔ قرآن اس کے لئے " بَغْيًا بَيْنَهُمْ " کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ سورۂ بقرہ میں ہے:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ (سورہ البقرہ پ۲ ع۱۰)	(ایک زمانہ میں) سب آدمی ایک ہی طریق کے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا جو کہ خوشی کے وعدے سناتے تھے اور ڈراتے تھے، اور اُن کے ساتھ آسمانی کتابیں بھی ٹھیک طور پر نازل فرمائیں اس غرض سے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں میں ان کے امورِ اختلافیہ (مذہبی) میں فیصلہ فرمادیں اور اس کتاب میں (یہ) اختلاف اور کسی نے نہیں کیا مگر صرف ان

لوگوں نے جن کو (اولاً) وہ کتاب ملی تھی بعد اس کے دلائلِ واضحہ پہنچ چکے باہم ضد اضدی کی وجہ سے۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ (سورۃ آل عمران پ۳ ع۱۰)	بلاشبہ دین حق اور مقبول اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف دین اسلام ہی ہے، اور اہل کتاب نے جو اختلاف کیا (کہ اسلام کو باطل کہا) تو ایسی حالت کے بعد کہ ان کو دلیل پہنچ چکی تھی محض ایک دوسرے سے بڑھنے کے سبب سے۔

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ

(سورۃ الشوریٰ پ۲۵ ع ۲)

اور وہ لوگ بعد اس کے کہ ان کے پاس علم پہنچ چکا تھا محض آپس کی ضدا مندی سے باہم متفرق ہو گئے، اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک وقت معین تک کے لئے مہلت دینے کی ایک بات پہلے قرار نہ پا چکتی تو (دنیا ہی میں) ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔

نفس پرستی اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی خواہش یہ اختلاف کا بہت بڑا سبب ہے۔ چالاک اور کاروباری ذہن رکھنے والے علماء جانتے ہیں کہ اگر لوگ:

صرف ایک خدا کے سامنے جُھکیں،
صرف ایک رسول کی اطاعت کریں،
صرف ایک کتاب کو معیار بنائیں،
صرف ایک عقیدے پر متفق ہو جائیں،

تو ان کی دکان ویران ہو جائے گی،
ان کی شخصیت نہیں چل سکے گی،
اُن کے آگے پیچھے چلنے والے جاہل پیچھے ہٹ جائیں گے،
اُن کا گروہ، اُن کی جماعت، ان کی لیڈری نیست و نابود ہو جائے گی،
اپنی ان نفسانی اغراض کی وجہ سے وہ امت کو ایک پلیٹ فارم پر متحد نہیں ہونے دیتے،

(۲) **ضد اور عناد** ۔ اختلاف کا دوسرا سبب ضد اور عناد ہے جو کہ نفس پرستی ہی کا لازمی نتیجہ ہے اور بغیاً بینھم کے مفہوم میں شامل ہے، ہمارے ہاں بعض مسائل کا التزام صرف دوسروں کی ضد اور عناد میں کیا جاتا ہے، ضد اور عناد

کی انتہا یہ ہے کہ بعض ضدّی خطیبوں کو یہ کہتے ہوئے بھی سنا گیا ہے کہ اگر فلاں فرقے والے بھی جنّت میں چلے گئے تو میں اُس جنّت میں نہیں جاؤں گا۔

ان ضد کے پکّوں سے پوچھیں کہ اگر تم جنّت میں نہیں جاؤگے تو بدبختو کیا دوزخ میں جاؤگے۔

حضرت زبیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری طرف وہ بیماری آئی ہے جس نے پہلی امتوں میں سرایت کی تھی۔ وہ بیماری حسد اور بغض ہے، ان دونوں میں سے ہر ایک مونڈنے والا ہے، میں نہیں کہتا کہ یہ بالوں کو مونڈتا ہے بلکہ یہ دین کو مونڈتا اور اُس کو جڑ سے اکھیڑتا ہے۔

(۳) حسد | اختلاف کا تیسرا سبب حسد ہے کسی کے مرتبے، عزّت، شہرت اور ذکاوت و ذہانت کو دیکھ کر جلنا اور پھر اس کے ساتھ خواہ مخواہ اختلاف شروع کر دینا،

اس کے مدرسہ میں طلباء زیادہ ہیں میرے ہاں کیوں نہیں،
اس کی مسجد بڑی وسیع اور عالیشان ہے میری کیوں نہیں،
اس کی پارٹی میں زیادہ لوگ شامل ہو رہے ہیں میری پارٹی میں کیوں شامل نہیں ہوتے،
اس کے جلسے میں لوگ زیادہ ہیں میرے جلسے میں کیوں نہیں ہوتے،
اس کا تعویذ اور دم بہت چلتا ہے میرا کیوں نہیں چلتا،

یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جو حسد کا سبب بنتی ہیں، ویسے بھی پتہ نہیں یہ کیا وجہ ہے کہ حسد کا مرض ہماری برادری یعنی مولویوں میں بہت زیادہ ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ شیطان گدھوں پر بوریاں لاد کر کہیں جا رہا تھا راستے میں کسی نے اُسے دیکھ لیا تو اُس سے پوچھا کہ ان بوریوں میں کیا ہے؟ شیطان نے جواب دیا:

ایک بوری میں غیبتیں اور چغلیاں ہیں یہ میں عورتوں میں تقسیم کروں گا ،
دوسری بوری میں ہوس اور بخل ہیں یہ مالداروں میں تقسیم کروں گا ،
تیسری بوری میں اسراف اور تبذیر ہے یہ کنگلوں اور غریبوں میں تقسیم کروں گا ،
چوتھی بوری میں جھوٹ فریب اور وعدہ خلافی ہے یہ بادشاہوں میں تقسیم کروں گا ،
پانچویں بوری میں حسد ہے یہ مولویوں میں تقسیم کروں گا ،

حالانکہ حسد وہ بیماری ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑیوں کو جلا ڈالتی ہے

حافظ سید وارث علی شاہ صاحب سے کسی نے پوچھا کہ ۷۳ فرقوں میں ناجی فرقہ کون ہے ؟ تو آپ نے فرمایا " جس میں حسد نہ ہو اور حسد کے ۷۲ عدد نکلتے ہیں "

جمل کے حساب سے حسد کے ۷۲ عدد نکلتے ہیں یعنی "ح" کے ۸ ، "س" کے ۶۰ ، اور "د" کے ۴ ۔ یہ سب مل کر کُل بہتر ہوئے ۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ۷۲ فرقے جو دوزخی ہوں گے اُن میں حسد ہوگا اور ایک فرقہ جو حسد سے پاک ہوگا وہی ناجی ہوگا ۔

(۴) تشخص | کئی جماعتوں کے سرکردہ لوگوں سے یہ بات سننے میں آتی ہے کہ اگر ہم نے فلاں جماعت کے ساتھ اتحاد کر لیا تو ہمارا تشخص ختم ہو جائے گا ہماری الگ پہچان باقی نہیں رہے گی

اس تشخص اور ممتاز نظر آنے کے جذبے نے امت کو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم کر رکھا ہے ،
اس تشخص اور اپنی پہچان کے لئے کیا کچھ نہیں کیا جاتا ،
مدرسے الگ قائم کئے جاتے ہیں ،

مسجدیں الگ بنائی جاتی ہیں،

پھر مسجدوں کے طرزِ تعمیر میں تفرّد کی کوشش کی جاتی ہے،

اور کچھ نہیں تو مسجدوں کے اوپر ایسے کلمات لکھے جاتے ہیں جنہیں دیکھتے ہی پتہ چل جائے کہ یہ فلاں فرقے کی مسجد ہے،

مسجدوں کے نام منفرد رکھے جاتے ہیں بلکہ متعصب لوگ تو صاف لکھ دیتے ہیں کہ فلاں فرقے والوں کو اس مسجد میں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔

اذانیں اتنی قسم کی ہیں کہ اذانِ بلالی ان میں کہیں کھو گئی ہے،

صلوٰۃ اور درود و سلام جیسی متفق علیہ عبادت کو اختلافی بنا دیا گیا ہے،

لباس، وضع قطع، ٹوپیوں عماموں اور داڑھیوں کے اسٹائل اور رنگ جدا جدا ہیں،

نعرے، اصطلاحات، بات چیت کا انداز مختلف ہے،

جھنڈے، منشور، دستور اور کارکنوں کے نام الگ الگ،

شادی، غمی کی رسمیں اور تہواروں کے جشن جدا جدا ہیں،

حاصل یہ کہ اسلامی تشخّص تو کہیں نہیں رہا، ہاں فرقہ وارانہ تشخّصات نہ صرف یہ کہ موجود ہیں بلکہ ماشاء اللہ ترقی پر ہیں۔

حرم پاک بھی، اللہ بھی قرآن بھی ایک
کیا بڑی بات تھی، ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

اجزاء اور رسموں پر اصرار اختلاف کا پانچواں سبب یہ ہے کہ پورے دین کو توازن اور اعتدال کے ساتھ اختیار کرنے کے بجائے اپنے اپنے ذوق

اور مرضی کے مطابق اجزاء اور رسموں پر زور دیا جاتا ہے اور اُنہی کو دین سمجھ لیا جاتا ہے، پھر اُن پر اتنا اصرار اور ہٹ دھرمی اختیار کی جاتی ہے گویا یہ کفر اور ایمان کا مسئلہ ہے۔ جو یہ رسمیں کرتا ہے وہ تو پکا مؤمن ہے اور جو ان رسموں سے بچتا ہے وہ ایمان ہی سے خارج ہو جاتا ہے،

کسی کو سارا دین گیارھویں میں نظر آتا ہے،

کسی کو سارا دین اسپیکر میں صلوٰۃ وسلام پڑھنے میں نظر آتا ہے،

کسی کو سارا دین ماتم اور کالے کپڑوں میں نظر آتا ہے،

کسی کو سارا دین رفع یدین اور فاتحہ خلف الامام کے مسئلوں میں نظر آتا ہے،

کسی کو سارا دین مراقبوں اور عملیات میں نظر آتا ہے،

کسی کو سارا دین سیاست میں نظر آتا ہے،

کسی کو سارا دین رفاہی اداروں اور خدمتِ خلق میں نظر آتا ہے،

کسی کو سارا دین تبلیغ اور چلّوں میں نظر آتا ہے،

کسی کو سارا دین مناظروں ورمباحثوں میں نظر آتا ہے،

کسی کو سارا دین مدرسے اور مکتب کھولنے میں نظر آتا ہے،

یوں ہر شخص اپنے دین پر ڈٹا ہوا ہے، اور اس کے لئے لڑنے مرنے کے لئے تیار ہے، اس کی مثال تو وہی ہے کہ چند نابیناؤں نے مل کر ہاتھی کا معائنہ کیا بعد میں جب مل بیٹھ کر ہاتھی پر تبصرہ کرنے لگے تو جس نابینا نے ہاتھی کے صرف کان دیکھے تھے اس نے کہا ہاتھی چھاج جیسا ہوتا ہے، جس نے صرف سونڈ دیکھی تھی اُس نے کہا نہیں بھائی ہاتھی تو موٹی رسّی جیسا ہوتا ہے، جس نے صرف ٹانگیں دیکھی تھیں اُس نے کہا نہیں بھائی وہ تو موٹے درخت کے تنے جیسا ہوتا ہے، جس نے صرف پیٹ دیکھا تھا اُس نے کہا نہیں جی وہ تو دیوار جیسا ہوتا ہے۔ آج امت کا یہی حال

دین کے بارے میں ہے۔

قرآن پاک میں اسی صورت حال کے بارے میں فرمایا گیا ہے :

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ (سورۃ پ ع)	تو (پس یوں کہو کہ) کتاب (توریت) کے بعض (احکام) پر تم ایمان رکھتے ہو اور بعض پر ایمان نہیں رکھتے۔

آپ دیکھیں گے کہ ایک شخص گیارہویں کے مسئلے پر تو بہت شدید ہے لیکن وہ زکوٰۃ نہیں دیتا،

عُرس اور قوّالی کا تو بڑا اہتمام ہے مگر نماز آج تک نہیں پڑھی،

ماتم کے نام پر اپنا سینہ چھلنی کیا جا رہا ہے مگر جہاد کی کبھی توفیق نہیں ہوتی،

رفع یدین نہ کرنے والوں کے خلاف تو اعلانِ جنگ ہے مگر تارکینِ صلوٰۃ سے کوئی تعرّض نہیں۔

خوش خیالی ہر فرقہ خوش فہمی کا شکار ہے، ہر شخص اپنی کھال اور حال میں مست ہے۔ کوئی یہ سوچنے کے لئے تیار نہیں کہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے علاوہ بھی کچھ لوگ دین کا کام کر رہے ہوں۔ بلکہ ہر ایک کی سوچ اور پختہ رائے یہ ہے کہ ساری دنیا میں صرف ہم ہی دین کے واحد ٹھیکیدار ہیں، قرآن نے اس صورت حال کی بڑی خوبصورت ترجمانی کی ہے، فرمایا :

وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ○ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ○ (سُورۃ المؤمنون پ ۱۸ ع ۴)	اور (ہم نے ان سب سے یہ بھی کہا) کہ یہ تمہارا طریقہ کہ وہ ایک ہی طریقہ ہے اور حاصل اس طریقہ کا یہ ہے کہ میں تمہارا رب ہوں سو تم مجھ سے ڈرتے رہو، سو ان لوگوں نے اپنے دین میں اپنا طریق الگ الگ کر کے اختلاف پیدا کر لیا، ہر گروہ کے پاس جو دین ہے وہ

اسی سے خوش ہے ۔

اس خوش خیالی کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر ان کے مخصوص بزرگوں کی دینی خدمات یا ان کے تبحرِ علمی کا تذکرہ کر دیا جائے تو یہ لوگ خوشی میں بغلیں بجاتے ہیں اور اگر دوسرے مکتبِ فکر کے علمی اور عملی کمالات کا ذکر ہو جائے تو ان کے چہروں کے چراغ گُل ہو جاتے ہیں اور وہاں کدورت اور کینے کا اندھیرا چھا جاتا ہے۔ قرآن نے اسی قسم کی کیفیت کو یوں بیان کیا ہے :

وَإِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ	اور جب فقط اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، تو
قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ	ان لوگوں کے دل منقبض ہوتے ہیں جو کہ
بِالْآخِرَةِ ۚ وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ	آخرت کا یقین نہیں رکھتے، اور جب اس
مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ	کے سوا اوروں کا ذکر آتا ہے تو اسی وقت
(سورۃ الزمر پ ۲۴ ع ۲)	وہ لوگ خوش ہو جاتے ہیں ۔

شخصیت پرستی | اختلاف کا ساتواں سبب شخصیت پرستی ہے اور یہ وہی مرض ہے جو مشرکینِ مکہ میں پایا جاتا تھا۔ قرآن میں ہے :

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا	اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کا
مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوا بَلْ	اتباع کرو جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے
نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا	تو کہتے ہیں کہ نہیں ہم اسی کا اتباع کریں گے
أَوَلَوْ كَانَ الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ	جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا، کیا اگر
إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ۝	شیطان ان کے بڑوں کو عذابِ دوزخ
(سورۃ لقمان پ ۲۱ ع ۱۲)	کی طرف بلاتا رہا ہو ،

دوسری جگہ فرمایا :

بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ	بلکہ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں

أُمَّةٍ وَّإِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝

(سورۃ الزخرف پ۲۵ ع ۸)

کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی ان کے پیچھے پیچھے رستہ چل رہے ہیں، اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا ہے اور ہم بھی ان کے پیچھے پیچھے چلے جا رہے ہیں اس پر ان کے پیغمبر نے کہا کہ کیا (رسم آبائی کی ہی اتباع کئے جاؤ گے) اگرچہ میں اس سے اچھا مقصود پر پہنچانے والا طریقہ تمہارے پاس لایا ہوں جس پر تم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے (براہِ عناد) وہ کہنے لگے کہ ہم تو اس دین کو مانتے نہیں جس کو دیکر تم کو بھیجا گیا ہے۔

یہ بات یاد رکھیں کہ خدا کے نیک بندوں کی پیروی کرنا دوسری بات ہے اور ان کی پرستش کرنا بالکل دوسری چیز ہے۔ پرستش یہ ہے کہ اپنے مولویوں اور بزرگوں کے مقابلہ میں اگر اللہ اور رسول کا فرمان بھی آجائے تو اُسے بھی قبول نہ کیا جائے، جسے وہ حلال کہدیں اُسے حلال مان لیا جاتے اور جسے وہ حرام کہدیں اُسے حرام مان لیا جائے خواہ قرآن و حدیث کا فیصلہ دوسرا ہی کیوں نہ ہو۔ یہی بیماری یہودیوں میں بھی تھی قرآن حکیم میں ہے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ

انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو (باعتبار اطاعت کے) رب بنا رکھا ہے، اور مسیح بن مریمؑ کو بھی، حالانکہ ان کو صرف

اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ	یہ حکم کیا گیا کہ فقط ایک معبودِ برحق کی عبادت کریں، جس کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں
(سورۃ التوبۃ پ ۱۰ ع ۵)	وہ ان کے شرک سے پاک ہے

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت عدی بن حاتم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ قرآن کہتا ہے کہ یہودیوں نے اپنے مولویوں کو اپنا رب بنا رکھا ہے حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " یہود اپنے احبار ورھبان کی عبادت تو نہیں کرتے تھے، مگر ان کا حال یہ تھا کہ جس چیز کو ان کے علماء ومشائخ حلال کہدیتے وہ اسے (اللہ ورسول کی سند کے بغیر) حلال مان لیتے اور جس چیز کو حرام قرار دیتے اُسے حرام سمجھ لیتے تھے۔ اور یہی رب بنانے کا مطلب ہے۔

ہمارے معاشرے میں تو کچھ ایسی صورت پیدا ہو گئی ہے کہ ہر شخص اپنے حضرت کے فرمائے ہوئے کو حرفِ آخر سمجھتا ہے، ہر فرقہ پرست کے پاس مضبوط سے مضبوط دلیل یہ ہے کہ ہمارے حضرت نے یوں فرمایا، ہمارے پیر صاحب یوں کہتے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ جن کی وسعتِ علمی کو ساری دنیا جانتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر میری کوئی بات حدیث کے خلاف ہو تو اسے دیوار پہ دے مارو اور یہ کہ اگر میرا کوئی قول حدیث کے خلاف نظر آئے تو میرا قول چھوڑ دو اور حدیث پر عمل کرو۔ اور یہاں یہ حال ہے کہ ہر چھوٹے بڑے مولوی کی بات کو آسمانی وحی کا درجہ دیا جاتا ہے

پیرانِ پیر کی نصیحت پیرانِ پیر حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ نے ایک مرید کو خلافت دی اور فرمایا کہ فلاں مقام پہ جا کر دین کی تبلیغ واشاعت کرو چلتے چلتے مرید نے عرض کیا کہ کوئی نصیحت فرمایئے مجھے۔ شیخ نے فرمایا کہ دو باتوں کی نصیحت کرتا ہوں، کہ خدائی کا دعویٰ مت کرو، اور نبوت کا دعویٰ مت

کرو۔ وہ حیران ہوا کہ حضرت! میں برسہا برس آپ کی صحبت میں رہا، کیا اب بھی یہ احتمال اور خطرہ تھا کہ میں خُدائی اور نبوّت کا دعویٰ کروں گا؟ فرمایا کہ خدائی اور نبوت کے دعوے کا مطلب سمجھ لو پھر بات کرو، خدا کی ذات وہ ہے کہ وہ جو کہہ دے وہی اٹل ہو، اس سے اختلاف کبھی نہیں ہوسکتا۔ جو انسان اپنی رائے کو اس درجہ میں پیش کرے کہ وہ اٹل ہو، اس کے خلاف نہ ہوسکے، کوئی بندہ اپنی رائے پر اتنا اصرار کرے تو اس سے بڑھ کر خدائی کا دعویٰ کیا ہوگا؟

اور نبی وہ ہے کہ جو زبان سے فرمائے وہ سچی بات ہے، کبھی جھوٹ نہیں ہوسکتا، جو شخص اپنے قول کے بارے میں کہے کہ یہ اتنی سچی بات ہے کہ اس کے خلاف ہو نہیں سکتا۔ وہ درپردہ گویا نبوّت کا مدّعی ہے کہ میری بات غلط نہیں ہوسکتی، حالانکہ یہ اس کی رائے ہے۔

تنگ نظری اختلاف کا آٹھواں سبب کم ظرفی اور تنگ نظری ہے سینے اور دل اتنے تنگ ہوچکے ہیں کہ کوئی گروہ بھی دوسرے گروہ کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں، ہر گروہ نے قرآن پر، حدیث پر، خدا پر، رسول پر، کعبے پر، جنّت پر قبضہ جما رکھا ہے، ہر گروہ یہ کہتا ہے کہ:

خدا و رسول ہمارے ہیں،

قرآن ہمارا ہے،

حدیث ہماری ہے،

مکہ مدینہ ہمارا ہے،

صحابہ ہمارے ہیں،

اولیاء ہمارے ہیں،

جنّت ہماری ہے،

مغفرت اور شفاعت صرف ہمارے لئے ہے،
تمہارے پاس کیا ہے؟ کنگلے کہیں کے!

اگر جنت میں جانا چاہتے ہو تو بریلوی بن جاؤ، دیوبندی بن جاؤ، اہلحدیث بن جاؤ، چشتی، نظامی اور قادری، سہروردی بن جاؤ۔ اس کے بغیر جنت میں جانا محال ہے۔ اسی قسم کی باتیں یہودی اور عیسائی ایک دوسرے کو کہتے تھے۔ قرآن حکیم میں ہے:

وَقَالُوا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ	اور یہود و نصارٰی یوں کہتے ہیں کہ بہشت میں
اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى	ہرگز کوئی نہ جانے پاویگا بجز ان لوگوں کے
تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوْا	جو یہودی ہوں یا ان لوگوں کے جو نصارٰی
بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ	ہوں، یہ خالی دل بہلانے کی باتیں ہیں،
صٰدِقِيْنَ ○ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ	آپ اُن سے یہ تو کہئے کہ اچھا، اپنی دلیل
وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ	لاؤ اگر تم اس دعوٰی میں سچے ہو، ضرور دوسرے
فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ	لوگ جاویں گے کیونکہ جو کوئی شخص بھی اپنا رخ
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا	اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دے اور وہ مخلص
هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ وَقَالَتِ	بھی ہو تو ایسے شخص کو اس کا عوض ملتا ہے
الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى	پروردگار کے پاس پہنچکر اور نہ ایسے لوگوں
عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ	پر قیامت میں کوئی اندیشہ ہے اور نہ ایسے
النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ	لوگ اُس روز مغموم ہونیوالے ہیں، اور یہود
عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ	کہنے لگے کہ نصارٰی کا مذہب کسی بنیاد پر قائم
الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ	نہیں اور اسی طرح نصارٰی کہنے لگے کہ یہود
الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ	کسی بنیاد پر نہیں حالانکہ یہ سب لوگ

قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ٥
(سورۃ البقرۃ پ ۱ ع ۱۳)

آسمانی کتابیں بھی پڑھتے پڑھاتے ہیں، اسی طرح یہ لوگ بھی جو کہ محض بے علم ہیں اُن کا سا قول کہنے لگے سو اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان عملی فیصلہ کر دیں گے قیامت کے روز ان تمام مقدرات میں جن میں وہ باہم اختلاف کر رہے تھے۔

فرقوں اور گروہوں کے نام جو ہم نے رکھے ہوئے ہیں اور ان کے لئے لڑمر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان ناموں کی کوئی حیثیت نہیں

اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ؕ اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ٥ فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَالْاُوْلٰى ٥
(سورۃ النجم پ ۲۷ ع ۵)

یہ معبوداتِ مذکور نرے نام ہی جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے ٹھہرا لیا ہے خدا تعالیٰ نے تو ان کے معبود ہونے کی کوئی دلیل بھیجی نہیں، بلکہ یہ لوگ صرف بے اصل خیالات پر اپنے نفس کی خواہش پر چل رہے ہیں حالانکہ اُن کے پاس اُن کے رب کی جانب سے (بواسطہ رسول) ہدایت آ چکی ہے، کیا انسان کو اس کی ہر تمنا مل جاتی ہے سو خدا ہی کے اختیار میں ہے آخرت اور دنیا۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارا تو صرف ایک نام رکھا ہے:

هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا

اس اللہ نے تمہارا لقب مسلمان رکھا نزولِ قرآن سے پہلے بھی اور اس قرآن میں بھی تاکہ

لِيَكُونَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا تمہارے قابلِ شہادت اور معتبر ہونے کے لئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم گواہ ہوں

معاشی مجبوری | آپ حیران ہوں گے کہ معاشی مجبوری اختلاف کا سبب کیسے بن گئی۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ فی زمانہ پیٹ اختلافات کا بہت بڑا سبب ہے بے شمار لوگ ایسے ہیں کہ اختلافی مسائل ان کا ذریعۂ معاش ہیں،

ان کا بزنس ہیں،

ان کی دوکان ہیں،

وہ انہی مسائل پر پل رہے ہیں،

انہیں ان مسائل کے علاوہ کچھ آتا ہی نہیں،

ایسے لوگوں کی عوام میں طلب اور شہرت اختلافی تقریروں کی وجہ سے ہے، وہ ایک ایک تقریر کا معاوضہ ہزاروں کی صورت میں لیتے ہیں، ہوائی جہازوں پر سفر کرتے ہیں، قیمتی گاڑیوں میں بیٹھتے ہیں، بیرونِ ممالک کے ٹور پر جاتے ہیں، اشتہاروں اور اخباروں میں ان کے نام آتے ہیں، ان کی کیسٹیں بکتی ہیں، سیدھے سادھے عوام کو اُلو بنا کر لاکھوں کما رہے ہیں، بڑے بڑے بنگلوں میں ان کی رہائش ہے۔ اگر آج عوام میں اتحاد ہو جائے تو ان کا کاروبار ٹھپ ہو جائے۔ یہ بدبخت بھوکے مرنے لگیں، کیونکہ انہیں مرچ مسالے والی باتوں کے علاوہ کچھ آتا ہی نہیں۔

بھولے بھالے عوام کا مزاج ان خطیبوں نے ایسا بدل دیا ہے کہ وہ اب سنجیدہ علمی اور اصلاحی تقریروں میں دلچسپی ہی نہیں لیتے، انھیں تو ایسی تقریروں کا عادی بنا دیا گیا ہے جو چٹ پٹی ہوں، بارہ مصالحے والی ہوں، دھواں دھار ہوں، جن میں مخالفوں کو کھری کھری سنائی گئی ہوں، ان کا مذاق اڑا گیا ہو ان کی نقلیں اُتاری گئی ہوں۔ وہ تقریر ہی کیا جس میں نہ کسی کو گالی دی جائے نہ

کسی پر کیچڑ اُچھالا جائے نہ کسی کو چیلنج کیا جائے۔

ایسے خطیب دین کی نہیں اپنے پیٹ کی خدمت کرتے ہیں، یہ قومی مجرم ہیں

یہ جہالت کی پیداوار ہیں،

خطیب نہیں فنکار اور اداکار ہیں۔ مبلغ نہیں بزنس مین ہیں۔

فرعون کو تبلیغ اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو فرعون کے پاس جا کر تبلیغ کرنے کا حکم دیا اور تبلیغ کے لئے اصول یہ بتلایا:

فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى

پھر اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا شاید وہ (برغبت) نصیحت قبول کرلے یا (عذابِ الٰہی سے) ڈر جائے۔

(سورہ طٰہٰ پ ع)۔

بتلائیے اس امت کا کوئی خطیب کوئی عالم دین، کوئی لیڈر حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ سے زیادہ افضل ہے۔ اور کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ امتی بھی فرعون سے زیادہ بُرا اور گنہگار ہے، جب حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ جیسے پاکباز انسانوں کو حکم یہ ہے کہ فرعون جیسے مردود کو دین کی بات سمجھاؤ تو نرمی اور محبت سے سمجھاؤ۔ اس پر کیچڑ نہ اُچھالو، اس کا مزاق نہ اڑاؤ۔ تو آج کے کسی بھی خطیب اور واعظ کے لئے کیسے جائز ہے کہ وہ اس امت ہی کے بعض افراد سے انتہائی غلیظ زبان میں مخاطب ہو اور کسی گروہ کے بزرگوں کے لئے بازاری زبان استعمال کرے۔

فرعون نے لوگوں کو حضرت موسیٰؑ سے بدگمان کرنے کے لئے جب یہ پوچھا کہ پہلے لوگوں یعنی ہمارے آباؤ اجداد کے بارے میں کیا خیال ہے تو حضرت موسیٰ نے جواب میں یہ نہیں کہا کہ وہ تو کافر اور مشرک تھے، وہ تو جہنم میں جل رہے ہیں بلکہ حکمت کے ساتھ یوں جواب دیا کہ:

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ	کہا کہ اُن کا علم میرے پروردگار کو ہے (جو)
الْكِتٰبِ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا	کتاب میں (لکھا ہوا) ہے میرا پروردگار
يَنْسٰى (سورۃ طٰہٰ پ ۱۶ ع)	نہ چوکتا نہ بھولتا ہے۔

جبکہ ہمارے ہاں کامیاب خطیب اُسے سمجھا جاتا ہے جو مخالف گروہ کے بزرگوں کو اپنی چرب لسانی سے دائرہ ایمان سے تو کیا دائرۂ انسانیت سے بھی خارج کر دے۔

کاش ہم محبت سے بات کرنا سیکھ لیں، پھر دیکھنا ہمارے معاشرے سے نفرتیں کیسے بوریا بستر سمیٹتی ہیں اور محبتوں اور خوشیوں کی خوشبو مشامِ جان کو کیسے معطر کرتی ہے، پھر تو آپ کہہ اٹھیں گے :

یہ کس نے محبت سے ڈالیں نگاہیں   کہ عالم میں پھر سے بہار آرہی ہے
جو دن آرہا ہے بھلا آرہا ہے   جو رات آرہی ہے خوشی لا رہی ہے۔

اور اگر ہم نے محبت کرنا نہ سیکھا تو اندیشہ ہے کہ ہم آپس ہی میں لڑ لڑ کر اپنا نام و نشان ہی نہ مٹا دیں۔

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے پاکستان والو
تمہاری داستان تک نہ ہوگی داستانوں میں

نسلی اور لسانی تعصب اسلام سے پہلے زمانۂ جاہلیت میں نسل، نسب، رنگ اور زبان کے تعصبات بہت زیادہ تھے، مگر اسلام نے یہ سارے تعصبات مٹا دیئے اور کالے اور گورے، عربی اور عجمی، افریقی اور ایشیائی سب کو بھائی بھائی بنا دیا، مگر اب ان تعصبات نے مسلمانوں میں پھر سے سر اُبھارا ہے اور اب پاکستان میں رہنے والے اپنے مسلمان ہونے اور پاکستانی ہونے پر فخر نہیں کرتے بلکہ پنجابی اور پٹھان ہونے، بلوچی اور سندھی

ہونے، مہاجر اور سرائیکی ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کے نبی نے بہت سخت الفاظ میں ان تعصبات کی مذمّت فرمائی ہے۔

کہیں آپؐ نے فرمایا اُن باپوں پر فخر کرنا چھوڑ دو جو دوزخ کے کوئلے بن گئے ورنہ خدا کے نزدیک نجاست کے کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہو گے

کہیں فرمایا جو ناحق اپنی قوم پر فخر کرے وہ اس اونٹ کی مانند ہے جو کنویں میں گر پڑے پھر دُم پکڑ کر اُسے باہر کھینچا جائے[1]۔

کہیں فرمایا وہ ہم میں سے نہیں جو لوگوں کو عصبیت کی دعوت دے وہ ہم میں سے نہیں جو عصبیت کے سبب جنگ کرے، وہ ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی حالت میں مرے[2]۔

واثلہ بن اسقعؓ نے دریافت کیا عصبیت کیا ہے؟ فرمایا عصبیت یہ ہے کہ تم ظلم پر اپنی قوم کی حمایت کرو[3]۔

ایک طرف تو اللہ کا نبی عصبیت کی اس قدر شدید مذمّت بیان کر رہا ہے، دوسری طرف حالت یہ ہے کہ عصبیّت کے نعرے لگا کر اُمّت کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے، اور اب حالت یہ ہے کہ پٹھان مہاجر سے نفرت کرتا ہے مہاجر پٹھان سے نفرت کرتا ہے، پنجابی سندھیوں کو غیر سمجھتا ہے، سندھی پنجابیوں کو غیر سمجھتا ہے، ایک دوسرے کے علاقے میں جاتے ہوئے خوف کھاتے ہیں کہ نہ معلوم زندہ سلامت واپس آئیں یا نہیں،

عصبیّت کے خاطر لوگ مرتے ہیں اور ان کو شہید کہا جا رہا ہے، حالانکہ اللہ کا سچّا نبی کہہ رہا ہے کہ عصبیّت پر مرنے والا ہم سے نہیں۔

عصبیت کے نام پر مسلمان کا بے دریغ اور بے حساب خون بہایا جا رہا ہے، ایسے مسلمان کا خون جس کا اس کے سوا کوئی قصور نہیں کہ وہ پٹھان ہے،

---

[1] ابوداؤد۔ [2] ابوداؤد [3] ابوداؤد

پنجابی ہے، سندھی ہے، مہاجر ہے۔

اُس مظلوم مسلمان کا خون چیخ چیخ کر پکار رہا ہے: قاتلو! مجھے بتاؤ تو سہی میرا جرم کیا ہے، مجھے کس گناہ کی پاداش میں ذبح کیا جا رہا ہے؟ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث صادق آ رہی ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئیگا جب قتل کیے جانے والے انسان کو علم ہی نہیں ہوگا کہ آخر اُسے کیوں قتل کیا جا رہا ہے، اُس کا جُرم کیا ہے؟ اُس کا گناہ کیا ہے؟ جبکہ مسلمان کے خون کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ہر گناہ کے متعلق امید ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف کر دے سوائے اس شخص کے جو حالتِ شرک میں مرا یا جس نے کسی مسلمان کو جان بوجھ کر ناحق قتل کیا۔

اور فرمایا کہ مؤمن کا قتل اللہ کے نزدیک دنیا کے تہ و بالا ہونے سے بڑھ کر ہے[1]

نیز فرمایا اگر تمام زمین و آسمان والے کسی مسلمان کے خون میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ اُن کو جہنم میں اوندھا ڈال دے گا۔

یہ بھی فرمایا کہ ساری دنیا کی بربادی ایک مسلمان کے قتل کے مقابلہ میں اللہ کے نزدیک بالکل بے قیمت ہے۔

قابلِ فخر چیز جہالت اور مغرب کی اندھی تقلید کی وجہ سے مسلمان حسب و نسب، قوم و قبیلہ، وطن اور زبان پر فخر کر رہا ہے حالانکہ یہ کوئی قابلِ فخر چیزیں نہیں، یہ امت اور ملت دین کی نسبت سے قائم ہے، اگر ایمان اور دین کی نسبت نہ رہی تو یہ ملت بھی نہیں رہے گی۔ اسی لئے تو علامہ اقبالؒ نے کہا ؎

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر — خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار — قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تیری

---

[1] جمع الفوائد

دامن دین ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں   اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملّت بھی گئی

مسلمان کو تو مسلمان ہونے پر فخر کرنا چاہیے ،

مسلمان کو سندھ اور پنجاب پر نہیں مکہ اور مدینہ پر فخر کرنا چاہیے ،

مسلمان کو راجہ داہر اور رنجیت سنگھ پر نہیں ابوبکرؓ و عمرؓ پر فخر کرنا چاہیے ،

مسلمان کو بلوچی اور پشتو پر نہیں عربی پر فخر کرنا چاہیے ،

اگر کوئی شخص بڑے اونچے خاندان سے تعلق رکھتا ہو، بڑی فصاحت والی زبان بولتا ہو لیکن اس میں ایمان نہیں تو وہ کسی قیمت کا نہیں ۔

شیخ جمال الدینؒ سے ایک تغلق تیمور شہزادے نے ایک دفعہ حقارت سے پوچھا کہ تم اچھے ہو یا کہ میرا یہ کتّا اچھا ہے ؟ حضرت جمال الدین کے چہرہ پر کوئی رنگ نہیں آیا، کوئی شکن پیشانی پر نمودار نہیں ہوئی، نہایت اطمینان کے ساتھ کہا کہ اس کا فیصلہ ابھی نہیں ہوسکتا ! شہزادہ نے کہا کیا مطلب ؟ یہ کونسی مشکل بات ہے ؟ انھوں نے کہا کہ اس کا انحصار کسی اور چیز پر ہے، اگر میرا خاتمہ ایمان پر ہوتا ہے تو میں اچھا ہوں ورنہ یہ کتّا اچھا ہے۔ تو مسلمان کے لئے باعثِ فخر ایمان ہونا چاہیے ۔ دوسری حقیر اور عارضی چیزوں پر اُسے فخر نہیں ہونا چاہیے ۔ اور اختلاف اور لڑائی جھگڑے بھی اُسی وقت ہوتے ہیں جب مسلمان ایمان کے علاوہ دوسری چیزوں پر فخر کرتا ہے ۔

اختلاف کی نحوستیں | اختلاف اس قدر منحوس چیز ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اپنے حجرے سے باہر تشریف لائے ، تاکہ صحابہ کو شبِ قدر کی معیّن تاریخ بتادیں تو دیکھا کہ وہ آپس میں کسی بات میں جھگڑ رہے ہیں ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے جھگڑے کی وجہ سے شبِ قدر کی تعیین اُٹھالی گئی ہے ۔

ہم اختلافات کی نحوستیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں مسلمان آپس میں لڑ لڑ کر کمزور ہو رہے ہیں۔ کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو جھگڑوں اور مناظروں سے تنگ آ کر دین ہی سے دور ہوتے جا رہے ہیں، نوبت یہاں تک جا پہنچی ہے کہ لندن کی ایک مسجد میں دو مسلمان گروہ آپس میں لڑ پڑے تو انگریزوں نے مسجد میں کتے چھوڑ کر مسجد خالی کرائی۔

کئی لوگوں نے اپنا یہ پیشہ بنا لیا ہے کہ وہ تبلیغی دوروں کے نام پر بیرونی ممالک میں جاتے ہیں اور وہاں مسلمانوں کو آپس میں لڑانے والی دھواں دھار تقریریں کرتے ہیں یوں وہ کافروں کو اپنے اوپر ہنسنے کا موقع دیتے ہیں۔ یہ پیشہ ور خطیب کفرستان میں بھی جا کر ایک دوسرے کی تکفیر سے باز نہیں آتے، گویا کفرستان میں بھی جا کر ان کو کافروں کو مسلمان بنانے کی فکر نہیں، بلکہ مسلمانوں ہی کو کافر بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

حالات یہ ہیں کہ کفر اور الحاد پھیل رہا ہے ،

قادیانیت اور رفض کا زور ہے ،

سوشلزم اور کمیونزم کا لٹریچر عام ہو گیا ہے ،

نوجوان دین سے برگشتہ ہو رہے ہیں ،

عقائد اور ایمانیات میں شکوک و شبہات پیدا کئے جا رہے ہیں ،

مسلمانوں کے کئی علاقے کافروں کے قبضے میں ہیں ،

ہمارا قبلۂ اول بیت المقدس یہودیوں کے تسلط میں ہے ،

لیکن ! ہمیں یہ غم کھائے جا رہا ہے کہ پہلے نور بشر اور حاضر و ناظر کے مسئلے حل ہو جائیں ،

پہلے رفع یدین اور آمین کے مسئلے حل ہو جائیں ،

پہلے مُردوں کے سُننے اور نہ سُننے کے مسئلے حل ہو جائیں

پہلے ہماری قیادتوں اور چودھراٹوں کے مسئلے حل ہوجائیں،
پہلے مدرسوں اور مسجدوں پر قبضہ کرنے کے مسئلے حل ہوجائیں،
پھر ہم دین اور مسلمانوں کی حالتِ زار کی طرف توجہ دیں گے،

قبر میں سوال اللہ کے بندو! ذرا سوچو تو سہی
کیا قبر میں نور بشر اور حاضر و ناظر کے متعلق سوال ہوگا؟
کیا قبر میں رفع یدین اور آمین کے متعلق سوال ہوگا؟
کیا قبر میں سوال ہوگا تم بریلوی ہو یا دیوبندی؟
تم سے تو ایمان کے بارے میں سوال ہوگا،
اعمال کے بارے میں سوال ہوگا،
عقیدے کے بارے میں سوال ہوگا،
یہ سوال ہوگا کہ تم مسلمان ہو یا نہیں
بریلویت اور دیوبندیت کے بارے میں سوال نہیں ہوگا
اور ہم نے ان فرقہ وارانہ ناموں کو اتنا پختہ کر لیا ہے کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ تشریف لے آئیں تو ہم حضورؐ سے بھی پوچھیں گے کہ آپ دیوبندی ہیں یا بریلوی؟ چشتی، قادری ہیں یا نظامی اور سہروردی؟ حیاتی ہیں یا مماتی؟

اتحاد کی بنیاد جبکہ اللہ کے نبی نے تو یہودیوں تک سے اتحاد کر لیا تھا اور اتحاد کی بنیاد کیا تھی؟ ایک اللہ کی عبادت۔ فرمایا

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا	آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب آؤ
إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا	ایک ایسی بات کی طرف جو کہ ہمارے اور
وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا	تمہارے درمیان (مسلّم ہونے میں) برابر
اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا	ہے، یہ کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی
وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا	عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ

أَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط (سُوْرَۃ آلِ عمران پ۳ ع ۱۴) اور کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب نہ قرار دے خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر۔

اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں کے مقابلے میں یہودیوں تک سے اتحاد کر سکتے ہیں تو ہم کفر و شرک کی یلغار کے مقابلہ کے لئے بریلویوں، دیوبندیوں اور اہلحدیثوں سے اتحاد کیوں نہیں کر سکتے۔

دو باتیں دو باتیں یاد رکھو ایک تو یہ کہ اگر روسیوں یا امریکیوں نے پاکستان پر حملہ کیا تو وہ یہ نہیں پوچھیں گے کہ تم کونسے فرقے سے تعلق رکھتے ہو؟ بریلوی ہو کہ دیوبندی؟ وہ تو یہ پوچھیں گے کہ تم اپنے آپ کو مسلمان کہلواتے ہو یا نہیں اور ہر کلمہ گو ان کا نشانہ ہوگا،

دوسری بات یہ کہ اگر ایک شخص ایسا ہے کہ جو بڑا نمازی ہے، بڑا صاحبِ علم ہے، بڑا متقی اور پرہیزگار ہے، بڑا زاہد و پارسا ہے، لیکن وہ ایک صرف ایک ایسی بات کہدیتا ہے جس کی وجہ سے امت میں توڑ پیدا ہوتا ہے، امت میں ٹکراؤ ہوتا ہے، امت میں لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں، تو یہ عابد و زاہد اپنے اس جرم کی وجہ سے جہنم میں ضرور جائے گا اور اگر ایک شخص گنہگار ہے، علم سے کورا ہے، صدقہ و خیرات بھی نہیں کرتا، لیکن وہ کوئی ایسی بات کہدیتا ہے جس کی وجہ سے امت میں جوڑ پیدا ہوتا ہے، دلوں میں محبت پیدا ہوتی ہے، اتفاق اور اتحاد ہوتا ہے تو وہ جنت میں ضرور جائے گا۔

ایک اہم وضاحت آخر میں ایک اہم وضاحت کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ بعض لوگوں نے امام ابو حنیفہ کا یہ قول سُن رکھا ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرنی چاہیے اس قول کی بنیاد پر وہ کہتے ہیں کہ جو بھی کلمہ پڑھتا ہو اُس کی تکفیر نہیں

کرنی چاہیئے

خواہ وہ فرشتوں کا انکار کرتا ہو ،

خواہ وہ یوم آخرت کا انکار کرتا ہو ،

خواہ وہ جنت و دوزخ کا انکار کرتا ہو ،

خواہ وہ ختم نبوت کا انکار کرتا ہو ،

خواہ وہ صحابہ کے ایمان کا منکر ہو ،

خواہ وہ بت پرستی شروع کر دے ،

خواہ وہ شراب، سود اور زنا کو حلال کر دے ،

اگر اس قول کا یہی مطلب ہے تو پھر تو دین، ایمان، قرآن ایک کھیل بن جائے گا، جو مانے وہ بھی مسلمان اور جو نہ مانے وہ بھی مسلمان، جو خدا کی پرستش کرے وہ بھی مسلمان اور جو غیر اللہ کو پوجے وہ بھی مسلمان

اور پھر علماء حق کو طعنے بھی دیئے جاتے ہیں کہ تم تو ہر کسی کو کافر بنا رہے ہو،

حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کے بقول ایک نقطے کا فرق ہے ہم ان بدبختوں کو کافر بناتے نہیں بلکہ کافر بن جانے والوں کو کافر بتاتے ہیں، یہ تو کتمانِ حق ہوگا، مداہنت ہوگی، دیوثی ہوگی کہ اگر ایک شخص اپنے کفریہ عقائد کی وجہ سے کافر بن جائے پھر بھی اس کو کافر نہ کہا جائے۔

ہم یہ ہرگز نہیں کرسکتے کہ ایک شخص کافر ہو جائے تو ہم صرف مسلمانوں کی تعداد بڑھانے کے لیئے اور لوگوں کے طعنوں سے ڈر کر اُسے خواہ مخواہ مسلمان کہتے رہیں،

اگر لوگ کافر ہو رہے ہیں تو اس میں علماء حق کا قصور نہیں ہے بلکہ یہ تو اللہ کے نبی کی پیشین گوئی پوری ہو رہی ہے۔ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ (نیک) اعمال میں جلدی کرو ایسا نہ ہو کہ وہ وقت آجائے جس میں ایسے فتنے واقع ہوں جو اندھیری رات کے حصّوں کی طرح ہوں (کہ حق ناحق کا پہچاننا مشکل ہو جائے) ان میں صبح کو آدمی مسلمان

ہوگا شام کو کافر ہوگا، شام کو مسلمان ہوگا صبح کو کافر ہوگا۔ معمولی سی دنیوی نفع کے عوض دین کو فروخت کر دے۔

دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا کہ ایک فتنہ ایسا آنے والا ہے کہ ہر طرف سے جہنم کی طرف لیجانے والے بلا رہے ہوں گے۔

کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اتحاد وقت کی اہم ترین ضرورت ہے،

اتحاد قرآن کی پکار ہے،

اتحاد قوت وشوکت کا اہم ترین عنصر ہے،

اتحاد کامیابی کی کلید ہے،

اتحاد کی تلقین حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بار بار فرمائی،

مگر، اتحاد کا مطلب مداہنت نہیں،

اتحاد کا مطلب دیّوثی نہیں،

اتحاد کا مطلب کتمانِ حق نہیں،

اتحاد کا مطلب ضروریاتِ دین کا انکار نہیں،

اتحاد کا مطلب صحابہ کی عظمت کا سودا نہیں،

سُن لیجئے! ہم اتحاد چاہتے ہیں اور اس کے لئے ہر مالی، جانی و بدنی قربانی دینے کے لئے تیار ہیں۔

لیکن ایسا اتحاد جس سے عقیدۂ ختم نبوّت پر زد پڑتی ہو

ایسا اتحاد جس میں ابوبکرؓ وعمرؓ اور عثمانؓ و علیؓ کے ایمان کا سودا ہوتا ہے

ایسا اتحاد جس سے سیدہ عائشہؓ اور سیّدہ حفصہؓ کی عصمت وعفّت مشکوک ہوتی ہو،

ایسا اتحاد جس سے صحابہ کی عظمتوں اور قربانیوں کا انکار ہوتا ہو،

ایسا اتحاد جس سے ائمہ اربعہ کی عزّت وعظمت کی نفی ہوتی ہو ،
ایسا اتحاد جس میں سیّد احمد شہیدؒ اور سید اسماعیل شہیدؒ کو کافر کہنا پڑے ،
ایسا اتحاد جس میں قاسم العلوم حضرت نانوتویؒ اور شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کو گستاخِ رسول ماننا پڑے :

ہم ایسے اتحاد کو جوتے کی نوک سے ٹھکرا دیں گے ، ہم فروعی اختلافات کو برداشت کر سکتے ہیں لیکن نظریے اور عقیدے کے اختلاف کو کسی طور پر برداشت نہیں کر سکتے ۔

میرے دوست اگر اتحاد کرنا ہے تو نبی کے یاروں کو اور امت کے محسنوں کو بُرا کہنا چھوڑ دے ، ان پہ کفر کے فتوے لگانا چھوڑ دے ، اُن پہ کیچڑ اُچھالنا چھوڑ دے ، انشاء اللہ اتحاد خود بخود ہو جائے گا اس کے بغیر اتحاد کی بات خواب و خیال اور جنون کے سوا کچھ نہیں ۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

موسیقی

میں نے دیکھا ہے کہ میوزک میں الجھ کر اکثر
تم نے اسلاف کی عزّت کے کفن بیچ دیئے
نئی تہذیب کی بے روح بہاروں کے عوض
اپنی تہذیب کے شاداب چمن بیچ دیئے

چھوڑ یورپ کے لئے رقصِ بدن کے خم و پیچ
روح کے رقص میں ہے ضربِ کلیم اللّٰہی
صلہ اُس رقص کا ہے تشنگیِ کام و دہن
صلہ اِس رقص کا درویشی و شاہنشاہی

" دراصل بات یہ ہے کہ قوم کا مزاج بدل گیا ہے۔ یہ قوم جس کی حالت کبھی یہ تھی کہ اُسے قرآن سُننے سے وجد آتا تھا اب اُسے قوالیوں میں وجد آتا ہے، کبھی اس کے دل کو تلاوت سے سکون ملتا تھا اب میوزک سے اُسے راحت ملتی ہے، کبھی اُس کی روح کی غذا اللہ کا ذکر ہوتا تھا اب اس کی روح کی غذا موسیقی ہے، کبھی اس کی بیٹی اور بہن کا اجنبیوں کے سامنے جانا ناقابلِ برداشت تھا آج وہ تھرکتی ناچتی بیٹی پر فخر کرتی ہے، پہلے جن کو ڈوم بھانڈ اور کنجر کہا جاتا تھا اب انہیں فنکار ایکٹر گلوکار، اسٹار اور ہیرو کے القاب سے نوازا جاتا ہے اور یہ کنجر جب کسی مسلمان ملک کے دورے پر نکلتے ہیں تو ان کا شاہانہ استقبال کیا جاتا ہے ہائے میری قوم تیری بے حسی اور بے غیرتی

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا "

موسیقی

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْم

اَمَّا بَعْد :

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَھْوَ الْحَدِیْثِ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ ۖ وَّیَتَّخِذَھَا ھُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ ○

اور بعض آدمی ایسا ہے جو ان باتوں کا خریدار بنتا ہے جو غافل کرنے والی ہیں تا کہ اللہ کی راہ سے بے سمجھے بوجھے گمراہ کرے اور اس کی ہنسی اڑا دے۔ ایسے لوگوں کے لئے ذلت کی عذاب ہے۔

(سورۃ لقمان پ۲۱ ع۱۰)

وَالَّذِیْنَ لَا یَشْھَدُوْنَ الزُّوْرَ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ○

اور وہ بیہودہ باتوں میں شامل نہیں ہوتے اور اگر بیہودہ مشغلوں کے پاس سے ہو کر گزریں تو سنجیدگی کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

(سورۃ الفرقان پ۱۹ ع۳)

احادیث :

عن أبي مالك الأشعريؓ

ابو مالک اشعریؓ کہتے ہیں :

أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم يقول ليكونن من امتي أقوام يستحلون الحر والحرير والخمر والمعازف ۔

میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ میری امت کے کچھ لوگ ایسے ہوں گے کہ وہ زنا اور ریشم کو اور شراب کو اور گانے بجانے کو حلال سمجھیں گے۔

(بخاری)

عن أبي مالك الأشعري رض قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليشربن ناس من أمتي الخمر يسمونها بغير اسمها يعزف على رؤسهم بالمعازف والمغنيات يخسف الله بهم الأرض ويجعل الله منهم القردة والخنازير

میری امت کے کچھ لوگ شراب کو اس کا نام بدل کر پئیں گے، ان کے سامنے معازف ومزامیر کے ساتھ عورتوں کا گانا ہوگا اللہ تعالیٰ ان کو زمین میں دھنسا دے گا اور بعض کی صورتیں مسخ کر کے بندر اور سور بنا دے گا

(ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا اتخذ الفيء دولا والأمانة مغنما والزكوة مغرما وتعلم لغير الدين وأطاع الرجل امرأته وعق أمه وأدنى صديقه وأقصى أباه وظهرت الأصوات في المساجد وساد القبيلة فاسقهم وكان زعيم القوم أرذلهم وأكرم الرجل

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب مالِ غنیمت کو شخصی دولت بنا لیا جائے جب امانت کو لوٹ کا مال سمجھا جائے، جب زکوٰۃ کو تاوان جانا جائے، جب علمِ دین دنیا طلبی کے لئے سیکھا جائے، جب مرد اپنی بیوی کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنے لگے اور ماں کی نافرمانی کرنے لگے، دوست کو قریب رکھے اور باپ کو دور رکھے، جب مسجدوں میں شور و غل ہونے لگے، جب قبیلے کا سردار ان کا بدترین

مخافۃ شرہ وظھرت القینات والمعازف وشربت الخمور ولعن اٰخر ھذہ الامۃ اوّلھا فانتظروا عند ذلک ریحا حمراء وزلزلۃ و خسفا ومسخا وقذفا و آیات تتابع کنظام بال قطع سلکہ فتتابع بعضہ بعضا

(رواہ الترمذی)

آدمی ہو، جب قوم کا سربراہ ذلیل ترین شخص ہو جب (شریر) آدمی کی عزت اس کے شر کے خوف سے کی جانے لگے، جب مغنیہ عورتوں اور باجوں کا رواج عام ہو جائے، جب شرابیں پی جانے لگیں، اور جب اس امت کے آخری لوگ پہلے لوگوں پر لعنت کرنے لگیں تو اس وقت تم انتظار کرو سرخ آندھی کا، زلزلے کا، زمین میں دھنسنے کا، صورتیں مسخ ہونے اور بگڑنے کا اور قیامت کی ایسی نشانیوں کا جو یکے بعد دیگرے اس طرح آئیں گی جیسے کسی ہار کی لڑی ٹوٹ جائے تو اس کے دانے ایک کے بعد ایک بکھرتے چلے جاتے ہیں۔

حضراتِ گرامی! خطبہ میں، میں نے سورہ لقمان کی جو آیت کریمہ تلاوت کی ہے، اس کا شانِ نزول مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ نضر بن حارث مشرکینِ مکہ میں سے ایک بڑا تاجر تھا اور تجارت کے لئے مختلف ملکوں کا سفر کرتا تھا، وہ ملک فارس سے شاہانِ عجم کسریٰ وغیرہ کے تاریخی قصے خرید کر لایا اور مکہ کے مشرکین سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو قوم عاد وثمود وغیرہ کے واقعات سناتے ہیں، میں تمہیں ان سے بہتر رستم اور اسفندیار اور دوسرے شاہانِ فارس کے قصے سناتا ہوں۔ یہ لوگ اس کے قصوں اور دلچسپ کہانیوں کو شوق اور رغبت سے سننے لگے کیونکہ ان میں کوئی تعلیم تو تھی نہیں جس پر عمل کرنے کی محنت اٹھانی پڑے، صرف لذیذ قسم کی کہانیاں تھیں ان کی وجہ سے بہت سے مشرکین جو اس سے پہلے کلام الٰہی کے اعجاز، اس کی

کشش اور شیرینی کی وجہ سے اُس کو سُننے کی رغبت رکھتے تھے اور چوری چھپے سُنا بھی کرتے تھے، ان لوگوں کو قرآن سے اعراض کا بہانہ ہاتھ آ گیا، اور اب وہ نضر بن حارث ہی کی مجلسوں کو آباد کرتے تھے[1]

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یوں بیان کیا ہے کہ نضر بن حارث باہر سے ایک گانے والی لونڈی خرید کر لایا تھا اور اس کے ذریعہ اس نے لوگوں کو قرآن سے روکنے کی یہ صورت نکالی کہ جو لوگ قرآن سُننے کا ارادہ کریں اپنی اس لونڈی سے ان کو گانا سنواتا تھا، اور کہتا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم کو قرآن سُنا کر کہتے ہیں کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو، یہ کرو، وہ کرو، مال خرچ کرو، حرام نہ کھاؤ۔ میں تمہیں کہتا ہوں آؤ گانا سنو اور عیش کرو۔ شانِ نزول کے ساتھ ساتھ یہ بھی جان لیں کہ لَھْوَ الْحَدِیْث سے مراد گانا بجانا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے تو قسم کھا کر فرمایا: ھو واللہ الغنا، اللہ کی قسم اس سے گانا بجانا مراد ہے اور دوسری آیت جو میں نے پڑھی اس کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ زُور سے گانا بجانا ہی مراد ہے۔

ظالم حکمرانوں کی تدبیر

اس شانِ نزول سے اتنی بات تو ثابت ہو گئی کہ نضر بن حارث نے یہ سارا ناٹک اس لئے رچایا تھا کہ عوام کے ذہنوں کو رقص و سرود اور طرب و مستی کے ذریعے ایسا ماؤف کر دیا جائے کہ وہ حق و صداقت کی بات کو سننے اور سمجھنے اور اس میں غور و فکر کرنے کے قابل ہی نہ رہیں۔ اور میں یہ عرض کروں کہ یہ صرف نضر بن حارث کی ذہنی اپج اور فکری ایجاد نہیں ہے بلکہ ہر ظالم اور فاسق و فاجر حکمران اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے یہی تدبیر اختیار کرتا ہے کہ سیدھے سادھے عوام کو کھیل کھود اور رقص و سرود میں ایسا مست کر دیا جائے کہ وہ اپنے

---

[1] معارف القرآن۔ روح المعانی

حقوق سے غافل ہوجائیں۔ اور وہ اپنے ظالم حکمرانوں کی بے ہودگیوں اور بدمعاشیوں پر اعتراض کرنا چھوڑ دیں۔ روم و یونان کی قدیم تاریخ اٹھا کر دیکھ لیں وہاں کے ڈکٹیٹروں نے بھی عوام کو اُن کے حقوق سے محروم رکھنے کے لئے یہی روش اختیار کی تھی اور بالآخر ان ہی فضولیات اور لغویات میں انہماک کی وجہ سے وہاں تباہی نازل ہوئی تھی

بیماری کا آخری درجہ

ہمارے ہاں آجکل بعض اپ ٹو ڈیٹ اور جدت پسند طبقے موسیقی اور رقص و سرود کو گناہ ہی نہیں سمجھتے بلکہ اِسے فنِ لطیف، آرٹ اور ثقافت اور روح کی غذا اور نہ معلوم کیا کیا کہتے ہیں۔

میرے دوستو! کسی بھی بیماری کا خطرناک اور آخری درجہ یہ ہوتا ہے کہ کوئی بیمار شخص بیماری کو بیماری ہی نہ سمجھے۔ اسی طرح گناہ کا آخری اور مہلک درجہ یہ ہے کہ انسان گناہ تو کرے لیکن گناہ کو گناہ ہی نہ سمجھے بلکہ اُلٹا اس پر فخر کرے۔ ایسے شخص کو اکثر توبہ کی توفیق ہی نصیب نہیں ہوتی۔ ظاہر ہے توبہ تو اُسی وقت کرے گا جبکہ اپنے آپ کو گنہگار سمجھتا ہو، اور جب وہ اپنے کو گنہگار ہی نہیں سمجھتا تو توبہ کیسے کریگا۔ اور انہی مادر پدر آزاد طبقوں کو دیکھ کر بعض جاہل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جب اتنے لوگ گانا سنتے ہیں اور اُسے جائز بھی سمجھتے ہیں تو جائز ہی ہوگا۔ گویا میوزک کے جائز ہونے کی ان کے خیال میں بڑی زبردست دلیل یہ ہے کہ جب اتنے لوگ جائز کہتے ہیں تو جائز ہی ہوگا

چوہدری کی حکایت

یہ تو ایسا ہو گیا جیسے کسی نائن نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہ نتھ اُتار کر دھو رہی ہے اُس وقت نتھ اتارنا بیوہ ہونے کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ نائن نے نتھ اُتری ہوئی دیکھی

تو چیختی چلاتی اپنے شوہر کے پاس گئی اور کہا بیٹھے کیوں ہو، جلدی جاؤ، چوہدری صاحب کو خبر کرو، ان کی بیوی بیوہ ہوگئی ہے، نائی فوراً اس عورت کے شوہر کے پاس پہنچ گیا اور کہا حضور! آپ کیسے بے فکر بیٹھے ہیں آپ کی بیوی تو بیوہ ہوگئی ہے۔ چوہدری صاحب نے رونا شروع کر دیا، رونے کی آواز سُن کر دوست جمع ہوگئے، سبب پوچھا تو یہ حماقت معلوم ہوئی۔ دوستوں نے سمجھایا کہ میاں صاحب تم زندہ ہو تو تمہاری بیوی رانڈ کیسے ہوگئی، اس پر آپ فرماتے ہیں کہ یہ تو میں بھی جانتا ہوں مگر اس کا کیا کروں کہ گھر سے یہ معتبر خبر لایا ہے یہ کیسے جھوٹ بول سکتا ہے۔

یہی ہماری حالت ہے کہ اتنا بڑا گناہ جس کے بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت وعیدیں وارد ہیں اُس میں ہم دن رات اس لئے منہمک ہیں کہ جب اتنے لوگ یہ گناہ کرتے ہیں اور اسے جائز کہتے ہیں تو جائز ہی ہوگا۔

استاد کی حکایت

اسی قسم کی ایک اور حکایت بھی ہے، ایک مدرسہ کے طالب علموں نے اتفاق کر لیا کہ آج چھٹی ہونی چاہیئے، اور تو کوئی تدبیر نہ نکل سکی آخر یہ رائے ٹھہری کہ جب استاد صاحب آئیں تو سب باری باری ان کا مزاج پوچھیں اور ان کو بیمار بتلائیں۔ چنانچہ جب استاد صاحب تشریف لے آئے تو ہر طالب باری باری آتا اور مصافحہ کر کے کہتا حضرت کیا بات ہے کہ آج ہاتھ کچھ گرم ہیں، چہرہ مبارک بھی سُرخ ہے۔ دو چار لڑکوں کو تو استاد نے جھڑک دیا لیکن جب بار بار سب نے یہی کہا تو استاد صاحب بھی سوچنے پر مجبور ہوگئے اور چونکہ قاعدہ ہے کہ جس بات کا وہم غالب ہو جاتا ہے وہ بات سچ مچ ہو جاتی ہے، آخر استاد کی طبیعت بگڑ گئی اور وہ اپنے کو واقعی بیمار سمجھ کر گھر جا کر لیٹ گئے اور طالب علموں کی چھٹی ہوگئی۔ تو جیسے یہ استاد لڑکوں کے کہنے سے اپنے کو بیمار سمجھنے لگے یہی حال ان لوگوں کا ہے جو دوسروں کے کہنے سے گناہ کو نیکی اور حرام کو حلال،

زہر کو تریاق، کانٹے کو پھول اور تاریکی کو روشنی سمجھنے لگتے ہیں

بعض لوگ ایسے ہیں کہ گانا بجانے کو گناہ سمجھتے بھی ہیں لیکن اس کے باوجود اس سے بچنے کی تدبیر نہیں کرتے بظاہر دیندار ہوتے ہیں، نماز روزے کی پابندی بھی کرتے ہیں، گھر میں ریڈیو اور ٹی وی اور ٹیپ ریکارڈ پر موسیقی کی کثرت سے کبھی کبھی پریشانی بھی ہوتی ہے مگر اس سے بچنے کی سچی کوشش نہیں کرتے

ایک بدّو کی حکایت

حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی رحؒ نے لکھا ہے کہ ان لوگوں کی بالکل ایسی حالت ہے کہ کسی شخص نے ایک بدّو کو دیکھا کہ وہ بیٹھا رو رہا ہے اور سامنے ایک کتا پڑا سسک رہا ہے، بدّو سے رونے کا سبب پوچھا تو کہا یہ کتّا میرا رفیق تھا آج یہ مر رہا ہے اس کے غم میں رو رہا ہوں، اس شخص نے کتّے کے مرنے کا سبب پوچھا تو بدّو نے کہا صرف بھوک سے مر رہا ہے، یہ سُنکر اس شخص کو بہت صدمہ ہوا۔ نظر اُٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھا تو ایک بوری پہ نظر پڑی بدّو سے پوچھا کہ اس بوری میں کیا چیز ہے؟ بدّو نے جواب دیا کہ اس میں سوکھی روٹی ہے اس شخص نے کہا ظالم تیرے پاس روٹی موجود ہے اور کتا بھوکوں مر رہا ہے اور اس کے مرنے کا تجھے غم بھی ہے تو اس میں سے روٹی نکال کر اس کو کیوں نہیں کھلا دیتا؟ تو بدّو کہتا ہے کہ صاحب مجھے اتنی محبت نہیں کہ اس کو روٹی بھی دے دوں کیونکہ اس کے دام لگتے ہیں۔ ہاں اتنی محبت ہے کہ اس کے غم میں رو رہا ہوں کیونکہ آنسو میں تو دام خرچ نہیں ہوتے۔

ہماری بھی وہی مثال ہے کہ ہم کو گناہوں میں پھنسے رہنے کا رنج بھی ہے اور اُن کے ختم ہو جانے کی خواہش بھی ہے مگر نری خواہش ہی ہے، اُن کے ختم کرنے کی کوئی تدبیر اور کوشش نہیں۔

حضرت حاجی صاحب کا واقعہ

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحؒ جب ممبئی

میں تشریف لے گئے تو ایک سوداگر نے عرض کیا کہ حضور دعا فرمائیں کہ خدا تعالےٰ مجھے بھی حج نصیب کرے آپ نے فرمایا کہ ایک شرط سے دعا کروں گا وہ یہ کہ جس دن جہاز چھوٹے مجھے اپنے اوپر پورا اختیار دے دو، کہ بس تمہارا ہاتھ پکڑ کر جہاز میں بٹھا دوں اور وہ تم کو لے کر مکّہ کی طرف روانہ ہو جائے اور جب تک یہ نہ ہو تو صرف میری دعا سے کیا کام چل سکتا ہے اس لئے کہ جب تم قصد نہ کرو گے اور دنیا کے کاروبار کو نہ چھوڑو گے اور نہ وہ خود کم ہوں گے تو صرف میری دعا تم کو حج کیونکر کرا دے گی، کیونکہ خود کعبہ تو تم تک آنے سے رہا۔ تو صرف ارادے، آرزو اور خواہش سے گناہ نہیں چھوٹ سکتا جب تک کہ اُسے مٹانے کی مخلصانہ کوشش نہ کرے۔ اصل میں اس گناہ کے نقصانات اور اس کی جو بُرائیاں ہیں وہ پیش نظر نہیں ہیں۔ اس گناہ کا سب سے بڑا نقصان تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی سخت الفاظ میں گانے بجانے کی مذمّت بیان فرمائی ہے۔

دو ملعون آوازیں :

عن أنسؓ وعائشةؓ أنّ النبيّ صلی اللہ علیہ وسلّم قال: صوتان ملعونان في الدنيا و الآخرة مزمار عند نعمة ورنّة عند مصيبة.

حضرت انسؓ اور حضرت عائشہؓ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو آوازیں دنیا اور آخرت میں ملعون ہیں خوشی کے وقت گانے کی آواز اور مصیبت کے وقت نوحے کی آواز۔

(حاشیہ بیہقی۔ کنز العمال)

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ اسلام نے غم میں صبر اور خوشی میں شکر کرنے کا حکم دیا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مسلمان دونوں حالتوں میں

فائدے میں رہتا ہے غم اور تکلیف کی حالت میں صبر کرتا ہے تو بھی خدا کی طرف سے نوازا جاتا ہے اور خوشی کی حالت میں خدا کا شکر کرتا ہے تو بھی ثواب کا حق دار بنتا ہے اور کافر کی دونوں حالتیں نقصان کی ہیں کیونکہ اگر اسے صدمہ پہنچتا ہے تو ناشکرا بنتا ہے اور اگر خوشحالی حاصل ہوتی ہے تو تکبر کرتا ہے۔ تو مسلمان کا شیوہ تھا غم میں صبر کرنے اور خوشی میں شکر کرنے کا شیطان نے عیاری اور مکاری سے بدل ڈالا، اور اب مسلمان خوشی کی حالت میں رقص و سرود اور گانے بجانے کا انتظام کرتا ہے اور غمی اور صدمے کی حالت میں نوحہ و ماتم اور سینہ کوبی کرتا ہے۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کو ان دونوں آوازوں سے نفرت ہے گانے کی آواز سے بھی نفرت ہے اور نوحہ و ماتم کی آواز سے بھی نفرت ہے۔

نماز قبول نہیں ایک دوسری حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو رات کو گانا گاتے ہوئے سنا تو آپ نے تین مرتبہ فرمایا:

لاصلاۃ لہٗ، لاصلاۃ لہٗ، لاصلاۃ لہٗ (نیل الاوطار) اس کی نماز کا کوئی اعتبار نہیں، اس کی نماز کا کوئی اعتبار نہیں، اس کی نماز کا کوئی اعتبار نہیں۔

بات یہ ہے کہ ٹانک کتنا ہی مؤثر کیوں نہ ہو، دوا اور کشتہ کتنا ہی مقوی کیوں نہ ہو اس کے ساتھ پرہیز ضروری ہوتا ہے اگر انسان مقوی اور مؤثر دوائیں بھی استعمال کرتا رہے اور ساتھ ساتھ مضرِ صحت غذائیں بھی کھاتا رہے تو دوا اثر نہیں کرتی۔ یہ قانون جس طرح جسمانی امراض کے لئے ہے، روحانی امراض کے لئے بھی ہے

کوئی شخص نماز بھی پڑھے اور سود بھی کھائے،

نماز بھی پڑھے اور زناکاری میں بھی مبتلا ہو،

نماز بھی پڑھے اور رشوت بھی لے،

نماز بھی پڑھے چوری چکاری بھی کرے
نماز بھی پڑھے غریبوں کے حقوق پر ڈاکہ بھی ڈالے ،
نماز بھی پڑھے گانے بجانے کی محفلیں بھی سجائے ،
نماز بھی پڑھے رقص وسرود میں بھی دلچسپی لے ،
ایسے شخص کی نماز اس کا روحانی تزکیہ کیسے کرے گی ؟
اُسے رب العالمین کا قُرب کیسے نصیب ہوگا ؟
اس کے لئے نماز معراج کیسے قرار پائے گی ؟
اُسے نماز کے وہ سارے فوائد کیسے حاصل ہوں گے جو احادیث میں بیان کیے گئے ہیں

موسیقی کی کثرت قیامت کی علامت ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میری امت پندرہ خصلتیں اختیار کرلے گی تو اس پر بلائیں نازل ہوں گی ۔ اُن پندرہ میں سے ایک آپ نے یہ بیان فرمائی کہ گانے والی لونڈیاں اور گانے بجانے کی چیزیں اختیار کریں گے

اور حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
جب لوگ محصولِ مملکت کو اپنی دولت بنالیں گے اور امانت کو غنیمت اور زکوٰۃ کو تاوان سمجھیں گے اور غیر دین کے لئے علم پڑھیں گے اور آدمی اپنی بیوی کا کہنا مانے گا اور ماں کی نافرمانی کریگا، اپنے دوست کو آرام پہنچائے گا اور اپنے باپ کو ستائیگا اور مسجدوں میں شور مچائیں گے اور خاندان کا سردار فاسق شخص ہوگا اور قوم کا رئیس ایک رذیل آدمی ہوگا اور انسان کے شرّ و فساد سے ڈر کر لوگ اس کی تعظیم کرینگے اور گانے والیاں اور گانے بجانے کی چیزیں عام طور پر ظاہر ہوں گی اور شرابیں

پی جائیں گی اور اس امت کے پچھلے لوگ اپنے پہلے والوں کو لعنت کریں گے اس حالت میں لوگ منتظر رہیں کہ ایک سرخ آندھی اُٹھے گی، زلزلہ آئے گا، خسف واقع ہوگا، صورتیں مسخ ہو جائیں گی، آسمان سے پتھر برسیں گے اور ان کے علاوہ اور علامتیں پے در پے ظاہر ہوں گی جس طرح کسی ہار کا دھاگہ توڑ دیا جائے اور موتی لگاتار گرتے چلے جائیں۔

اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالیے اور دیکھئے ان علامتوں میں سے کونسی علامت ہے جو ہمارے معاشرے میں نہیں پائی جاتی۔

کیا حکمرانوں نے عوام کے محصولات کو ذاتی جاگیر نہیں سمجھ رکھا ہے ؟

کیا علمِ دین کو حصولِ دنیا کا ذریعہ نہیں بنا لیا گیا ؟

کیا والدین کو ستایا نہیں جا رہا ؟

کیا قوم کے بدترین افراد لیڈر اور رہنما بنے ہوئے نہیں ہیں ؟

کیا زکوٰۃ کو تاوان اور ٹیکس نہیں سمجھا جا رہا ؟

کیا اسلاف کے کردار پر کیچڑ نہیں اُچھالا جا رہا ؟

کیا ریڈیو، ٹی۔ وی، وی سی آر اور سینما کے ذریعے گانے بجانے کو عام نہیں کر دیا گیا؟

کیا گھر گھر میں رقص و سرود کی محفلیں برپا نہیں کی جا رہی ہیں ؟

علامتیں تو پوری ہو چکی ہیں، اب عذاب کا انتظار کرو۔ انتظار کیا معنی عذابوں میں تو ہم مبتلا ہیں، بلاؤں کے تو ہم شکار ہیں

کیا ظالم اور فاسق حکمران خدا کا عذاب نہیں ؟

کیا بین الاقوامی تذلیل و تحقیر عذاب نہیں ؟

کیا باہمی قتل و قتال اور نفاق و افتراق عذاب نہیں ؟

کیا عدمِ تحفظ اور خوف و ڈر عذاب نہیں ؟

کیا خونِ انسانی کی ارزانی عذاب نہیں ؟
کیا دلوں کا اضطراب اور روحوں کی بے چینی عذاب نہیں ؟
کیا یہ زلزلے، یہ دھماکے، یہ سیلاب، یہ ایکسیڈنٹ اور یہ جنگیں عذاب نہیں ؟

یہ سب بلائیں اور مصیبتیں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں مگر ہمیں توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی

مقصدِ بعثت

تعجب تو یہ ہے کہ ہم اس پیغمبر کے نام لیوا ہیں جس نے اپنی بعثت و رسالت کا مقصد گانے بجانے کا ختم کرنا بتایا ہے مگر ہم اس کی ترویج میں لگے ہوئے ہیں

حضرت علی رضؓ سے روایت ہے :

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال : بُعثتُ بکسر المزامیر۔

آپؐ نے فرمایا : مجھے آلاتِ موسیقی توڑنے کے لئے بھیجا گیا ہے۔

اندازہ لگائیے ! جس پیغمبر کا مقصدِ بعثت تلاوت ہے، تعلیم ہے، تزکیہ ہے۔ اُسی پیغمبر کا مقصدِ بعثت میوزک کے ساز و سامان کو توڑنا بھی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل دنیا میں میوزک اور غنا اور فحاشی اور عُریانی بہت پھیل گئی تھی بڑے بڑے سرداروں نے خاص اس مقصد کے لئے رنڈیاں اور کنجریاں رکھی ہوئی تھیں جو اُن کا دل لبھاتی تھیں اور آنے والے مہمانوں کو گانا سناتی تھیں

دقیانوسی کون ہے ؟

حیرت کی بات یہ ہے کہ بہت سارے جدید تعلیم یافتہ حضرات اُن لوگوں کو دقیانوسی کہتے ہیں جو اُن کو میوزک اور فحاشی سے منع کرتے ہیں، اگر دقیانوسی قدامت پسندی

کا نام ہے تو دقیانوسی تو وہ ہیں جو زمانۂ جاہلیت کی رسموں، بے حیائیوں اور فحاشیوں کو آج بھی اپنائے ہوئے ہیں۔

زمانۂ جاہلیت میں بھی زنا عام تھا، آج بھی زنا عام ہے،
زمانۂ جاہلیت میں بھی شراب نوشی کثرت سے ہوتی تھی، آج بھی ہوتی ہے
زمانۂ جاہلیت میں بھی سودی نظام رائج تھا آج بھی رائج ہے
زمانۂ جاہلیت میں بھی عورت کو ہاتھوں کا کھلونا اور کمائی کا ذریعہ بنا لیا گیا تھا، آج بھی بنا لیا گیا ہے۔
زمانۂ جاہلیت میں بھی رقص و سرود کی محفلیں عام تھیں آج بھی عام ہیں
زمانۂ جاہلیت میں بھی بدکاری کی سوسائیٹیاں قائم تھیں، آج بھی قائم ہیں
زمانۂ جاہلیت میں بھی حرامی بچوں کو باعثِ شرم نہیں سمجھا جاتا تھا
آج بھی یورپ میں نہیں سمجھا جاتا۔

تو بتلائیے! جو ان برائیوں سے منع کرتے ہیں وہ دقیانوسی اور قدامت پسند ہیں یا وہ دقیانوسی ہیں جو ان برائیوں کو پھیلانے میں شب و روز کوشاں ہیں ہم تو بفضلہٖ تعالیٰ جدت پسند ہیں کیونکہ ہم دورِ قدیم اور زمانۂ جاہلیت کی ایک ایک برائی اور ایک ایک بیحیائی کو مٹا دینا چاہتے ہیں، حیرت تو اُن پہ ہے جو اس جدید دنیا میں قدیم زمانے کے جاہل اور وحشی انسانوں کی تہذیب و معاشرت اور فحاشیوں اور عریانیوں کو زندہ کرنا چاہتے ہیں۔

وہ وقت کب آئے گا جب متمدن انسان دورِ جاہلیت کی برائیوں اور کمزوریوں سے اپنا دامن چھڑائے گا؟

گانے بجانے کی کمائی ہمارے معاشرے میں گلوکاروں اور فنکاروں کی طلب اور مانگ کا حال یہ ہے کہ سب سے مہنگا طبقہ یہی ہے۔

ہماری سوسائٹی میں دن بھر ٹوکری اٹھانے والا مزدور سستا ہے
چلچلاتی دھوپ اور یخ بستہ موسموں میں ہل چلانے والا کاشتکار سستا ہے
سالہاسال تحصیلِ علم میں سرگردان اور تعلیم و تربیت کے لئے زندگی وقف کر دینے والا مربّی اور مدرّس سستا ہے،
مسندِ حدیث و تفسیر کو رونق بخشنے والا مفسّر اور محدّث سستا ہے۔
لیکن قوم کو بے حیائی اور عریانیت سکھانے والا۔
نونہالوں کے اخلاق بگاڑنے والا
نوجوانوں میں بے راہ روی پیدا کرنے والا
مسلمان بیٹیوں اور بہنوں کے سر سے دوپٹہ اور چہرے سے شرم و حیا چھیننے والا گلوکار اور فنکار بہت مہنگا ہے، اس کے ایک ایک دن بلکہ ایک گھنٹہ، بلکہ ایک ایک منٹ کی بولی لگتی ہے۔ اسی لئے آج میری قوم کا ہر نوجوان گویّا اور ایکٹر بننے کے لئے بے چین ہے بلکہ انتہا تو یہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے ٹی۔ وی کی تعلیم کی برکت سے گلیوں اور بازاروں میں سرعام گلوکاری اور ایکٹنگ کرتے پھرتے ہیں۔ مگر جان لیجئے کہ اس پیشے سے حاصل ہونے والا ایک ایک پیسہ حرام ہے، جو گھرانے اور افراد اس پیسے سے پل رہے ہیں اُن کو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ حرام اور نجاست سے پل رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کو پیٹ پالنے کا کوئی دوسرا حلال ذریعہ تلاش کرنا چاہیئے ورنہ وہ اس بات کو مت بھولیں کہ حرام پیسے کے بل پہ لمبی گاڑیوں اور زرق برق لباس میں پھرنے والے قیامت کے دن کنگلے ہوں گے، اور اُن کے بدن پر ایک چیتھڑا بھی نہیں ہوگا۔ یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا بلکہ میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان دُہرا رہا ہوں صفوان بن امیہؓ سے روایت ہے کہ ہم ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے پاس تھے لمتے ہیں عمرو بن قرہ نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ میرے لئے اللہ تعالیٰ نے شقاوت اور بدبختی مقدر فرمائی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ مجھکو بغیر دف بجانے کے رزق نہیں مل سکتا۔ آپ مجھ کو غنا کی اجازت دیجئے، میں فحش گانا نہیں گاؤں گا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تجھ کو اجازت نہ دوں گا اور نہ تیری عزت کروں گا اور نہ تجھ کو چشم عطا سے دیکھوں گا، اے خدا کے دشمن تو جھوٹ بولتا ہے اللہ تعالیٰ نے تجھ کو حلال اور پاک رزق عطا فرمایا ہے، اور تو خدا کے رزق میں سے حرام اختیار کرتا ہے۔ اگر میں تجھ کو اس سے پیشتر ممانعت کر چکا ہوتا تو اس وقت تجھ سے بُری طرح پیش آتا۔ چل میرے پاس سے اُٹھ کھڑا ہو، اور خدا کے سامنے توبہ کر۔ یاد رکھ اگر اب سمجھانے کے بعد تو نے ایسا کیا تو میں تجھ کو دردناک سزا دوں گا تیرا منہ بگاڑ دوں گا، تجھ کو تیرے گھر بار سے نکال کر شہر بدر کر دوں گا اور تیرا رخت واسباب مدینہ کے نوجوانوں میں لُٹوا دوں گا۔ یہ باتیں سُن کر عمرو بن قرہ نہایت غمناک اور اندوہگین وہاں سے اُٹھ کر چلے گئے۔ جب وہ جا چکے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی لوگ عاصی و نافرمان ہیں۔ جو کوئی ان میں سے بغیر توبہ مرے گا حشر میں اللہ تعالیٰ اس کو ننگا اُٹھائے گا۔ ایک چیتھڑا بھی بدن پر نہ ہوگا جب کھڑا ہونے لگے گا لڑکھڑا کر گر پڑے گا[1]

ایمان اور نفاق یہ تو آخرت میں ہوگا جو نقد اور فوری نقصان ہے وہ یہ کہ میوزک کے سننے سے دل میں قساوت اور نفاق پیدا ہو جاتا ہے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "گانا دل میں اسی طرح نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی کھیتی اُگاتا ہے"۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ غنا اور لہو دل میں اس طرح نفاق پیدا کرتے ہیں جس طرح پانی سبزہ اُگاتا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری

---

[1] تلبیس ابلیس ص۳۲۳

جان ہے ذکر اللہ اور تلاوتِ قرآن دل میں ایسے ہی ایمان پیدا کرتے ہیں جیسے پانی سبزہ اگاتا ہے[1]

آج لوگوں میں منافقت عام ہے اس کی بڑی وجہ رقاصاؤں اور گلوکاروں کا عام ہونا بھی ہے، آپ کہیں اس غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں کہ منافق تو وہ ہوتا ہے جو زبان سے ایمان ظاہر کرے لیکن اس کے دل میں کفر و شرک چھپا ہو کیونکہ یہ تو اعتقادی منافق کی تعریف ہے، عملی منافق وہ ہوتا ہے جس میں منافقوں والی علامات اور نشانیاں پائی جاتی ہوں۔ سرکارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "آیۃُ المنافق ثلاث اذا حدَّث کذَبَ وَ اِذا وَعدَ اَخلفَ و اذا اؤتُمِنَ خانَ" منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرتا ہے جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے وعدہ خلافی کرتا ہے اور جب اُس کے پاس امانت رکھی جاتی ہے تو اس میں خیانت کرتا ہے۔

اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالئے اور جائزہ لیجئے کتنے خوش قسمت افراد ہیں جو منافقت کی ان علامات سے محفوظ ہیں

کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہمارے معاشرے کے غالب طبقے میں یہ علامتیں پائی جاتی ہیں؟ اگر یہ حقیقت ہے تو پھر سوچئے کہ کہیں اس کی وجہ فحاشی اور عریانی کا فروغ اور گانے بجانے کی کثرت تو نہیں؟ جبکہ اللہ کا سچا پیغمبر واضح طور پر کہہ رہا ہے کہ غنا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے۔ سیدھی سی بات ہے اگر ہمیں کوئی ماہر حکیم اور تجربہ کار ڈاکٹر کہے کہ اگر تم نے فلاں غذا کھائی تو اس سے فلاں بیماری پیدا ہوگی، پھر ہم وہ غذا بھی کھا لیں، اور اس کے بعد وہ بیماری بھی پیدا ہو جائے تو لازماً یہی سمجھا جائیگا کہ اُسی غذا کے کھانے سے یہ بیماری پیدا ہوئی ہے۔ تو جب کائنات کا سب سے بڑا سچا انسان کہتا ہے کہ جہاں غنا ہوگا وہاں نفاق بھی ہوگا تو جب غنا کی

---

[1] دیلمی

کثرت بھی ہے اور نفاق بھی ہے تو کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پیغمبر کا فرمان بالکل برحق ہے اور یہ نفاق غنا ہی کی وجہ سے ہے

شیطان کا منادی حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب ابلیس زمین پر آنے لگا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا " اے پروردگار تو مجھے زمین پر بھیج رہا ہے اور راندۂ درگاہ کر رہا ہے، میرے لئے کوئی گھر بھی بنا دے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تیرا گھر حمام ہے، اس نے عرض کیا میرے لئے کوئی بیٹھک (مجلس) بھی بنا دے، فرمایا: "بازار اور راستے" (تیری بیٹھک ہیں) عرض کیا میرے لئے کھانا بھی مقرر فرما دے فرمایا "تیرا کھانا ہر وہ چیز ہے جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا جائے"۔ عرض کیا میرے پینے کے لئے بھی کوئی چیز مقرر کر دیجئے، فرمایا "ہر نشہ آور چیز (تیرا مشروب ہے)" عرض کیا مجھے اپنی طرف بلانے کا کوئی ذریعہ بھی عنایت فرما دے، فرمایا " باجے، تاشے" (تیرے منادی ہیں) "عرض کیا میرے لئے قرآن (بار بار پڑھی جانے والی چیز) بھی بنا دے، فرمایا: " (گندے) شعر (تیرا قرآن ہے)" عرض کیا کچھ لکھنے کے لئے بھی دے دے، فرمایا: "جسم میں گودنا (تیری لکھائی ہے)" عرض کیا میرے لئے کلام بھی مقرر فرما دے، فرمایا: "جھوٹ" (تیرا کلام ہے) عرض کیا میرے لئے جال بھی بنا دے، فرمایا "عورتیں" (تیرا جال ہیں)

تو اس حدیث کے مطابق میوزک اور غنا شیطان کے منادی اور شیطان کے داعی ہیں آج ہم اپنے گرد و پیش پر نظر ڈالیں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے

ہم دیکھتے ہیں کہ ادھر جمعہ کی نماز کا وقت ہوتا ہے، اُدھر فلم چل رہی ہوتی ہے ہمارا نوجوان فلم کی وجہ سے جمعہ کا نماز چھوڑ دیتا ہے۔

آپ جانتے ہیں بنی اسرائیل پر ہفتے کے دن کا پورا احترام نہ کرنے کی وجہ سے عذاب آیا تھا اور عذاب بھی ایسا شدید کہ انھیں بندر اور خنزیر بنا دیا گیا تھا اور ہمارے ہاں حال یہ ہے کہ اکثر فلموں کا افتتاح جمعہ کے دن ہوتا ہے، بے غیرتی سے اخباروں میں اشتہار دیا جاتا ہے کہ "جمعہ کے مبارک دن سے فلاں فلم کا افتتاح ہو رہا ہے"

ہم دیکھتے ہیں کہ موسیقی میں مشغول ہونے کی وجہ سے مسلمان نماز چھوڑ دیتا ہے

ہم دیکھتے ہیں کہ فحش اور غلیظ گانے سن کر نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں بیحیائی اور بے راہ روی پیدا ہوتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ رقص وسرود اور فلمیں دیکھ کر چور، اُچکے اور بدمعاش پیدا ہوتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جن بچّوں کو ان چیزوں کی لت پڑ جاتی ہے وہ اپنا نشہ پورا کرنے کے لیے چوری سے بھی باز نہیں آتے۔

اسی لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے باجے تاشے کو شیطان کا منادی قرار دیا ہے کہ اس کے ذریعے شیطان انسانوں کو گمراہی کی طرف بلاتا ہے۔ اور آج شیطان کا یہ منادی گھر گھر میں موجود ہے، بچہ ہو یا جوان، بوڑھا مرد ہو یا عورت ہر ایک اس کا رسیا ہے۔

معاشرہ تباہ ہو رہا ہے تو ہوتا رہے،

گھر کا امن اور سکون غارت ہوتا ہے تو ہوتا رہے،

نئی نسل گمراہ ہوتی ہے تو ہوتی رہے،

اللہ اور اُس کا رسول ناراض ہوتا ہے تو ہوتا رہے،

ہمیں کسی کی پرواہ نہیں نہ دنیا کی خرابیوں اور بلاؤں کی، نہ آخرت کے عذابوں اور

سزاؤں کی۔

تباہی و بربادی | جبکہ اللہ کے رسول نے کبھی تو یوں فرمایا کہ گانے والوں کی نماز قبول نہیں،

کبھی یہ فرمایا کہ جو کسی گانے والے کا گانا سُنے قیامت کے دن اُس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔

کبھی فرمایا کہ جو شخص اس حالت میں مرگیا کہ اس کے پاس گانے والی ہو تو اس کی نمازِ جنازہ مت پڑھو،

کبھی فرمایا کہ گانا باجا سُننا معصیت ہے اس کے لئے بیٹھنا فسق ہے اور اس سے لُطف اندوزی کفر ہے،

کبھی فرمایا کہ جو لوگ گانے بجانے میں مشغول ہو جائیں گے ان میں سے بعض کو خنزیر اور بعض کو بندر بنا دیا جائیگا،

آپ سوچیں گے کہ ہم نے تو کسی کو خنزیر اور بندر بنتے نہیں دیکھا مگر آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ اس قسم کے لوگوں میں اکثر خنزیروں اور بندروں کے صفات پیدا ہو جاتی ہیں، خنزیر کی نمایاں صفت دیّوثی اور بے غیرتی ہے اور بندر کی نمایاں صفت نقالی اور ایکٹنگ ہے۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ فنکار اور گلوکار، اور فنکاروں اور گلوکاروں سے محبت رکھنے والے اکثر و بیشتر بے غیرت، دیّوث، بے حیا اور نقّال ہوتے ہیں۔

یورپ جہاں ان چیزوں کی کثرت ہے وہاں بے غیرتی کا یہ عالم ہے کہ

عریانیت عام ہے،

زنا کاری کو بُرا ہی نہیں سمجھا جاتا،

حرامی بچے کثرت سے پیدا ہو رہے ہیں،

ایسے مَردوں اور عورتوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے جو شادی سے پہلے

زنا کا ارتکاب نہیں کر لیتے۔

ہم جنس پرستی کو قانونی تحفظ حاصل ہے

بہن بھائیوں کے سامنے، ماں، اولاد کے سامنے، بیٹی، والدین کے سامنے عشق لڑاتی ہے، دوست بناتی ہے اور دوستوں کے ساتھ راتیں گذارتی ہے، مگر کسی کو روکنے کی جرآت نہیں ہوتی، جُرأت کیا معنی والدین خود حوصلہ افزائی کرتے ہیں

میراثی اور ڈوم

افسوس تو یہ ہے کہ مسلمان یورپ کی تقلید میں اندھے راستوں پر بگٹٹ بھاگا جا رہا ہے، یورپ سے اُٹھنے والی ہر بُرائی کو آسمانی تحفہ سمجھ کر قبول کر لیا جاتا ہے۔ اب ہمارے ہاں بھی "بڑے" لوگ اپنی بہو بیٹیوں کو رقص کی باقاعدہ تعلیم دلاتے ہیں، مہمانوں کے سامنے اپنے بیٹیوں کو نچوایا جاتا ہے اور اس پہ بڑا فخر کیا جاتا ہے کہ" ماشاءاللہ" اس چھوٹی سی عمر میں کتنا پیارا ڈانس کرتی ہے۔

ہماری یورپ کی اندھی تعلید پر ایک شاعر نے خوب تبصرہ کیا ہے

طاق دل میں چراغ انگریزی ‏ ‏ ‏ سر کے اندر دماغ انگریزی

چال انگریزی ڈھال انگریزی ‏ ‏ ‏ جسم کا بال بال انگریزی

جسم ہندی میں جان انگریزی ‏ ‏ ‏ منہ کے اندر زبان انگریزی

چھل رہا ہے گلا تو چھل جائے ‏ ‏ ‏ لہجہ صاحب سے اپنا مل جائے

وقت وقت کی بات ہے کبھی تو غیرت کا یہ عالم تھا کہ قیام پاکستان سے قبل اگر مسجد کے سامنے کوئی جلوس گاتے ہوئے اور ڈھول بجاتے ہوئے گذر جاتا تو اس پہ مسلمان مشتعل ہو جاتے اور غیرت مند نوجوان جان تک دینے سے گریز نہ کرتے، آج مسجدوں کے سائے میں فحش اور عریاں فلمیں چلتی ہیں مگر کسی نوجوان کی غیرت ٹس سے مس نہیں ہوتی،

پہلے گانے والے کو میراثی، بھانڈ، کنجر اور ڈوم کہا جاتا تھا اور میراثیوں کو یہ

جرأت نہیں ہوتی تھی کہ وہ معزز لوگوں کے ساتھ کسی چارپائی یا کرسی پر بیٹھیں بلکہ انہیں نیچے بیٹھنا پڑتا تھا۔ آج میراثیوں اور کنجروں کو فنکار اور گلوکار کہا جاتا ہے اور ان کی ایسی آؤ بھگت ہوتی ہے جو کسی بڑے سے بڑے عالم دین، محدث اور مفسّر بلکہ کسی وزیر کی بھی نہیں ہوتی ہمارے ملک پاکستان میں اگر ہندوستان کا کوئی مشہور میراثی اور کنجر آجاتا ہے تو پوری قوم نیچے سے لیکر اوپر تک دیدۂ دل فرشِ راہ کردیتی ہے۔

یہ انتہائی عبرت کی بات ہے کہ راولپنڈی میں جس دن اوجڑی کیمپ کا مشہورِ عالم سانحہ ہوا ہے اُس دن رات کو وہاں پر انڈیا سے آئے ہوئے ایک مشہور ایکٹر کی پذیرائی میں ناچ گانے کی ایک محفل منعقد کی گئی تھی جس میں حکومتِ وقت کی تمام "معزز شخصیات" شریک تھیں۔

کیا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ ہولناک سانحہ اُن لوگوں کے لئے انتباہ تھا جو اسلام کا نام لیتے نہیں تھکتے مگر عملاً وہ ہر برائی کو رواج دے رہے ہیں بے غیرتی کی انتہاء تو یہ ہے کہ ہمارے وزراء اور بادشاہوں کی بیگمات غیر ملکی بادشاہوں اور وزیروں کے گلے میں بانہیں ڈال کر ناچتی اور تھرکتی ہیں

اپنی شناخت کے لئے ثقافتی طائفے بیرونِ ملک بھیجے جاتے ہیں جن میں قوم کی بہو بیٹیاں شامل ہوتی ہیں، اور یہ بہو بیٹیاں غیروں کے سامنے ڈانس کرکے ملّتِ اسلامیہ کی ثقافت کا تعارف کراتی ہیں

قوّالی | موسیقی کے موضوع کی مناسبت سے میں قوّالی کے بارے میں بھی چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ بعض لوگ قوّالی کو عبادت سمجھ کر سنتے ہیں

قوالی میں پہلی خرابی تو یہ ہے کہ اس میں خدا اور اس کے رسول کی حمد وثنا کے

ساتھ ساتھ میوزک بھی ہوتا ہے۔ اور یہ کون نہیں جانتا کہ اگر دودھ جیسی پاک وصاف غذا میں جس کا ذکر خدا نے اپنی کتاب میں بھی کیا ہے اگر شراب یا پیشاب کا ایک قطرہ مل جائے تو سارا دودھ ناپاک ہو جاتا ہے، اسی طرح خدا اور اس کے پاک رسول کی حمد و ثنا کرنا اچھی بات ہے مگر اس کے ساتھ ڈھول بتاشے اور باجے بجانا ساری حمد و ثنا کو غارت کر دیتا ہے

بعض لوگوں نے جو یہ مشہور کر رکھا ہے کہ اولیاء کرام سماع کو جائز سمجھتے ہیں لہذا قوالی بھی جائز ہے تو یاد رکھیں کہ یہ لوگ عوام کو فریب دیتے ہیں، اُن کا سماع اور چیز تھا ان کی قوالیاں اور چیز ہیں

حضرت نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں کہ سماع اُس وقت جائز ہوگا جب چار شرطیں پائی جائیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ اشعار پڑھنے والا کامل مرد ہو، وہ نہ لڑکا ہو نہ عورت ہو

دوسری شرط یہ ہے کہ سننے والے اللہ والے ہوں، مزے لینے والے نفس پرست نہ ہوں،

تیسری شرط یہ ہے کہ جو مضمون پڑھا جا رہا ہے وہ فحش اور نا جائز نہ ہو،

چوتھی شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ موسیقی اور باجے نہ ہوں

آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ کیا ہماری قوالیوں میں یہ چاروں شرطیں پائی جاتی ہیں ؟

قوالی میں دوسری خرابی یہ ہے کہ عام طور پر قوال مبالغہ آمیز اشعار پڑھتے ہیں جن کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، بیہودہ اور بے سروپا باتیں کہتے ہیں خدا کو چیلنج دیتے ہیں، جنت دوزخ کا مذاق اڑانے سے باز نہیں آتے۔ اکثر قوال خود بے عمل بلکہ بدعمل ہوتے ہیں اور لوگوں کو بھی بے عملی پر آمادہ کرتے ہیں۔

قوالی میں تیسری خرابی یہ ہے کہ قوالیوں کے سننے والوں کے دل سے آہستہ آہستہ قرآن کی تلاوت، قرآن کی محبت اور ذکر و دعا کی اہمیت ختم ہوجاتی ہے اور وہ نماز و روزے سے بھی محروم ہوجاتے ہیں۔

قوالی میں چوتھی خرابی یہ ہے کہ بعض لوگوں کو قوالی سن کر حال آجاتا ہے اور وہ دھمال ڈالتے ہیں اور تھرکنے ناچنے لگتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ ان کو کسی اونچی دیوار پر بٹھا دو پھر دیکھئے ہیں کہ ان کو حال آتا ہے یا نہیں آتا ؟ ظاہر ہے کہ اب حال ذرا سنجیدہ قسم کا آئیگا کیونکہ ان کو پتہ ہے کہ بے ڈھنگا سا حال آگیا تو گر کر ہڈی پسلی ایک ہوجائےگی

اِدھر یار لوگوں کا تو یہ حال ہے کہ انھوں نے اس قسم کے قصے بنائے ہوئے ہیں کہ جناب ایک صاحب پر حال آگیا تو وہ "حق ہو" کہکر کنویں میں گر گئے وہاں انھوں نے دوبارہ "حق ہو" کہا تو ہائی جمپ کرتے ہوئے کنویں سے باہر آگئے۔

بعض دنیا دار قسم کے پیر بھی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو بہت حال آتا ہے حقیقت میں یہ حال نہیں بلکہ دنیا کمانے کا جال ہوتا ہے۔

جعلی پیر | ایسے پیر جعلی ہوتے ہیں ان کی نظر اپنے مریدوں کی جیبوں پہ ہوتی ہے۔ بیچارے مرید تو سیدھے سادھے اور بھولے بھالے لوگ ہوتے ہیں، انھیں یہ خرانٹ قسم کے پیر اپنی جعلی کرامتیں بتا کر بے وقوف بناتے ہیں اور اپنا اُلّو سیدھا کر لیتے ہیں۔ اس قسم کے ایک پیر صاحب کا واقعہ ہے کہ اُن کے ایک مرید نے اُنھیں اپنا ایک خواب سنایا کہ حضرت مجھے خواب میں آپ کی زیارت ہوئی میں کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کی انگلی کو شہد لگا ہوا ہے اور میری انگلی کو پاخانہ لگا ہوا ہے،

پیر صاحب بہت خوش ہوئے اور کہا بدبخت تو تو ہر وقت دنیاداری

میں لگا رہتا ہے، دین کی تجھے کوئی فکر نہیں، ہم اللہ والے لوگ ہیں شب و روز امت کی فکر میں گھُل رہے ہیں اب تجھے ایسے خواب نہیں آئیں گے تو اور کیا ہو گا۔

مُرید نے کہا حضرت پوری بات تو سُنیں، میں نے تو ابھی آدھا خواب سُنایا ہے۔

پیر صاحب نے کہا اچھا آگے سناؤ۔

بھولے بھالے مرید نے کہا حضرت میری انگلی آپ کے منہ میں تھی اور آپ کی انگلی میرے منہ میں تھی،

پیر صاحب نے تو گستاخ، بے ادب اور نامعقول کہکر ڈانٹ دیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کا خواب بالکل صحیح تھا اسلئے کہ مرید تو پیر صاحب کے پاس ہدایت کی تلاش میں آتے ہیں لیکن پیر صاحب کی نظر مریدوں کے بینک بیلنس اور جیبوں پر ہوتی ہے، جیب ہلکی ہو تو ہلکا استقبال اور جیب بھاری ہو تو بھاری استقبال۔

تو اس قسم کے جعلی پیر ہوتے ہیں جو قوالیوں کو جائز کہتے ہیں اور جن کو قوالیاں سُن کر حال آتا ہے، اور قوالیاں تو کیا، یہ لوگ اور اس قسم کے دوسرے نفس پرست گانے کو بھی جائز کہتے ہیں، گویا گناہ بھی کرنا چاہتے ہیں اور ساتھ یہ بھی چاہتے ہیں کہ گناہ نہ ہو لہٰذا گناہ کو حلال کرنے کے لئے عجیب و غریب دلیلیں تلاش کر کے لاتے ہیں۔

یاد رکھیں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں کو حرام کیا ہے وہ کسی جعلی پیر اور نام نہاد مولوی کی تاویل سے حلال نہیں ہو سکتیں پھر اُن کے دلائل بھی تو دیکھیں کتنے واہیات اور کمزور قسم کے ہوتے ہیں۔

غلط استدلال جہالت اور تحریف کی انتہا یہ ہے کہ حضرت ایوبؑ کو جب خارش کی بیماری نے عاجز کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ارْكُضْ بِرِجْلِكَ اے ایوب اپنا پاؤں زمین پر ماریئے یہاں سے ٹھنڈے پانی کا چشمہ پھوٹے گا اُس سے غسل کیجئے۔ تو بعض بد بختوں نے اس سے رقص پر استدلال کر لیا، اور کہنے لگے کہ رقص پاؤں مارنے ہی کو تو کہتے ہیں۔ جب نعوذ باللہ حضرت ایوبؑ رقص کر سکتے ہیں تو ہمارے لئے کیوں ممانعت ہے؟ یعنی اپنی نفسانی خواہش کو پورا کرنے کے لئے اللہ کے نبی کو بھی معاف نہیں کیا اور اُسے بھی معاذ اللہ رقص کرنے والوں میں شامل کر دیا۔

جیسا ان کا یہ استدلال ہے اسی طرح کے دوسرے کمزور استدلال بھی ہیں۔
کبھی تو کہتے ہیں کہ بخاری میں آتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی موجودگی میں دو لڑکیوں نے گانا گایا جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی گھر تشریف فرما تھے۔
کبھی کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو آپکے استقبال کے لئے لڑکیوں نے گیت گائے۔

یہاں پہلی بات تو یہ آپ ذہن میں رکھیں کہ اسلام کے احکام بتدریج نازل ہوئے ہیں لہٰذا ہم ابتدائے اسلام کے کسی واقعے کو دلیل کے طور پر پیش نہیں کر سکتے جبکہ بعد میں اُس کی حُرمت کا حکم آ گیا ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ گانے والی چھوٹی چھوٹی بچیاں تھیں، نوجوان اور بالغ عورتیں نہیں تھیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ یہ نابالغ بچیاں یا تو ایسے اشعار گاتی تھیں جن میں اُن کے آباؤ اجداد کے جنگی کارنامے بیان کئے گئے تھے یا پھر وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی حمد و ثنا کے پاکیزہ اشعار پڑھتی تھیں۔ مثلاً جب حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں داخل ہو رہے تھے تو بچیاں یہ اشعار پڑھ رہی تھیں:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع

کوہِ وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر چودھویں رات کا چاند چمک اُٹھا،

وجب الشکر علینا مادعا للہ داع

جب تک خدا سے دعا کرنے والے خدا سے دعا کریں ہم پر اس نعمت کا شکر واجب ہے،

ایھا المبعوث فینا جئت بالامر المطاع

اے وہ شخص جسے ہم میں بھیجا گیا ہے، تو ایسا حکم لے کر آیا ہے جس کی اطاعت کیجائیگی

آپ ذرا غور فرمائیں کہ کہاں وہ چھوٹی چھوٹی معصوم بچیاں اور صاف ستھرے پاکیزہ اشعار اور کہاں آج کل کی نوجوان بالغ رقاصائیں! جو بن ٹھن کر محفلوں میں آتی ہیں، تھرکتی ہیں، ناچتی ہیں، ٹھمکا لگاتی ہیں، دیدے نچاتی ہیں ہاتھ ہلاتی ہیں، کولھے مٹکاتی ہیں، فحش اور غلیظ ترین گلنے گاتی ہیں۔ کیا ان فاحشہ عورتوں کو ان معصوم بچیوں پر قیاس کیا جاسکتا ہے جن کے جسم کو بالغ ہونے کے بعد کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور ان کی آواز کسی کان نے نہیں سُنی۔

ازواجِ مطہرات کو حکم | اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ازواجِ مطہرات سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے:

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِہٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (سورہ احزاب پ ۲۲ ع ۱)	اے نبی کی بیبیو! تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو تم بولنے میں نزاکت مت کرو کہ ایسے شخص کو خیال ہونے لگتا ہے جس کے قلب میں خرابی ہے اور قاعدہ کی موافق بات کہو۔

اندازہ فرمائیے کہ خطاب ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکدامن اور باحیا

بیویوں کو اور اُن سے بات کرنے والے اکثر و بیشتر تھے صحابہ کرامؓ جن کی وہ روحانی مائیں تھیں اور جن کے دل میں اُن کا بے حد ادب و احترام تھا اور اُن سے بات بھی وہ پردے کے پیچھے کرتی تھیں۔ اور بات بھی اکثر دینی مسائل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات کے بارے میں ہوتی تھی، لیکن اس کے باوجود حکم دیا گیا کہ کسی کے ساتھ لوچ دار لہجے میں بات نہ کرو کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی کے دل میں بُرا خیال آئے، جب ازواجِ مطہرات کو اپنے روحانی بیٹوں کے ساتھ نزاکت کے لہجے میں بات کرنے کی اجازت نہیں تو چودہویں اور پندرھویں صدی کی کسی رقّاصہ اور گلوکارہ کو بن سنور کر بھوکے بھیڑیوں کے سامنے ٹھمکے لگانے اور شہوت انگیز گانا گانے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے۔

کسی ایئر ہوسٹس کو مسافروں کا دل بہلانے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے،
کسی خاتون سکریٹری کو ملاقاتیوں کو دیکھ کر کھنے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے،
کسی نوجوان عورت کو غیر محرم مردوں کے ساتھ میل ملاپ کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے،
کسی بھی خاتون کو صدر اور وزیر اعظم بننے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے۔

کیا موسیقی روح کی غذا ہے؟ بہت سے خوفِ خدا سے عاری لوگ بڑی ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ جناب موسیقی تو روح کی غذا ہے مگر یہ کیسی غذا ہے
جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملعون قرار دیا،
جس سے شہوانیت غالب آتی ہے اور روحانیت مغلوب ہو جاتی ہے،
جس سے نفاق اور قساوت پیدا ہوتی ہے،
جس کی وجہ سے ذکر و تلاوت اور عبادت و اطاعت کی لذت ختم ہو جاتی ہے،
جو مسلمان بیٹیوں کو بے حجاب اور بے حیا بنا دیتی ہے،
جو انسان کو دینی اور دنیوی ذمہ داریوں سے غافل کر دیتی ہے،
یہ تو میرے دوست! نشہ ہے جسے تو غذا سمجھ بیٹھا ہے

یہ تو انیون، بھنگ، چرس، شراب اور ہیروئن کی طرح ایک نشہ ہے جو انسان کو وقتی طور پر لذت دیتا ہے اور اسے دنیا ومافیہا سے غافل کر دیتا ہے پھر یہ بھی تو سوچو کہ بہت سارے بگڑے ہوئے نوجوان ہیروئن اور بھنگ چرس کو بھی تو غذا جانتے ہیں تو کیا ہم بھی ان کو غذا مان لیں،

اگر بالفرض موسیقی غذا ہے تو جان لو کہ یہ شیطان اور شیطان کے چیلے چانٹوں کی غذا ہے

یہ حیوانوں اور موذیوں کی غذا ہے اسی لئے اونٹ اور سانپ موسیقی سُن کر طرب میں آجاتے ہیں۔

یہ قیصر وکسریٰ اور یہود ونہود کی غذا ہے،

مسلمان کی روح کی غذا قرآن کی تلاوت ہے،

مسلمان کی روح کی غذا خدا اور اس کے رسول کی حمد وثنا ہے،

مسلمان کی روح کی غذا نماز اور ذکر واستغفار ہے

حکایت بھنگی کی | جس مسلمان کی روح کی غذا موسیقی ہے، اس کی روح اصل میں زنگ آلود ہو چکی ہے اور اُس کی حسِ لطیف فاسد ہوگئی ہے اور اس کی مثال گندگی صاف کرنے والے اُس بھنگی کی سی ہے جو ایک دن عطر کی دکان کے سامنے سے گذرا تو بے ہوش ہو کر گر پڑا، لوگوں نے اُسے ہوش میں لانے کی بہت کوشش کر دیکھی مگر وہ ہوش میں نہیں آیا، اتفاق سے وہاں سے اُس کی برادری کے ایک آدمی کا گذر ہوا، اُس نے سارا ماجرا دیکھا تو لوگوں سے کہا آپ حضرات پریشان نہ ہوں، اس کا علاج میں جانتا ہوں، وہ بھاگا ہوا گیا اور تھوڑی سی غلاظت کہیں سے لے آیا اور اپنے بیہوش بھائی کی ناک کے قریب اُس گندگی کو رکھ دیا، تو وہ فوراً ہوش میں آگیا، لوگ حیران رہ گئے کہ یہ کیسے ہوگیا، اُس معالج بھنگی نے لوگوں کو

سمجھایا کہ بھائیو، ہر وقت گندگی میں رہنے کی وجہ سے اب گندگی کی بدبو اس کے مزاج میں رچ بس گئی ہے اب یہ خوشبو سونگھتا ہے تو اس کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔

یہی حال اُس مسلمان کا ہے جو مسلمان ہونے کے باوجود قرآن پڑھتا ہے تو اسے وحشت ہوتی ہے، اور موسیقی سُنتا ہے تو اُسے لذّت محسوس ہوتی ہے

قوم کا مزاج

دراصل بات یہ ہے کہ قوم کا مزاج بدل گیا ہے۔ یہ قوم جس کی، کبھی حالت یہ تھی کہ اُسے قرآن سُننے سے وجد آتا تھا اب اسے قوالیوں میں وجد آتا ہے
کبھی اس کے دل کو تلاوت سے سکون ملتا تھا اب میوزک سے اُسے راحت ملتی ہے
کبھی اس کی روح کی غذا اللہ کا ذکر ہوتا تھا اب اس کی روح کی غذا موسیقی ہے،
کبھی اس کی بیٹی اور بہن کا اجنبیوں کے سامنے جانا ناقابلِ برداشت تھا آج وہ تھرکتی ناچتی بیٹی پر فخر کرتی ہے۔

پہلے جن کو ڈوم، بھانڈ اور کنجر کہا جاتا تھا اب اُنہیں فنکار ایکٹر اور گلوکار کہا جاتا ہے۔ اب تو یہ حالت ہو گئی ہے کہ دیندار طبقہ تقریر بھی بغیر سُر اور خوش الحانی کے پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ کامیاب اور عوامی خطیب کے لئے آدھا گویّا ہونا بھی ضروری ہے اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ایسے جاہل اور کم علم بلکہ بے علم خطیبوں نے میدانِ خطابت پر قبضہ جما رکھا ہے، جن کے پاس سوائے خوش الحانی اور گپ بازی کے کوئی کمال نہیں۔

تو لوگوں کا گناہوں کی کثرت کی وجہ سے اپنا مزاج تو بدل ہی گیا ہے، اب وہ چاہتے ہیں کہ اسلام کا مزاج بھی بدل ڈالیں لیکن اسلام کے احکام ہماری نفسانی خواہشات کی بناء پر نہیں بدل سکتے، لہٰذا میں آپ سے درخواست کروں گا کہ خدارا اسلام کو بدلنے کے بجائے اپنے آپ کو بدلنے کی کوشش کریں اور اُن نقصانات کو محسوس کریں جو موسیقی اور غنا اور رقص وسرود جیسے عظیم گناہ میں جراثیم کی طرح چھپے ہوئے ہیں۔

نقصانات ناچ گانے کا پہلا نقصان تو یہ ہے کہ اس سے اللہ اور اُس کا رسول ناراض ہوتے ہیں اور ایک مسلمان کے لیئے مسلمان ہونے کی حیثیت سے یہ کوئی چھوٹا نقصان نہیں

اگر ہم اپنے والدین کو ناراض نہیں کر سکتے ،
اپنی چہیتی بیوی کو ناراض نہیں کر سکتے ،
لاڈلی اولاد کو ناراض نہیں کر سکتے ،
دوست احباب کو ناراض نہیں کر سکتے ،
جن کی ناراضگی کا نقصان صرف دنیا میں ہو سکتا ہے
تو ہم اللہ اور اُس کے رسولؐ کو ناراض کرنے کی جسارت کیسے کر لیتے ہیں
جن کے ناراض ہونے سے دنیا اور آخرت دونوں کا نقصان ہے ،

دوسرا نقصان دوسرا نقصان یہ ہے کہ موسیقی میں انہماک کی وجہ سے انسان مادی اور عارضی لذّتوں میں اتنا گم ہو جاتا ہے کہ اُسے بسا اوقات نہ دینی ذمہ داریوں کا خیال رہتا ہے اور نہ دنیوی ذمہ داریوں کا ، اُس پر ہر وقت موسیقی کا نشہ سوار رہتا ہے ، اور باقی تمام معاملات سے وہ غافل ہو جاتا ہے ، ہم دیکھتے ہیں کہ جن لوگوں کو پکچر دیکھنے اور گانے سننے کی لت پڑ جاتی ہے وہ بعض اوقات چوبیس گھنٹے مسلسل اسی میں مگن رہتے ہیں ۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ عربی زبان میں آلاتِ موسیقی کو ملاہی کہا جاتا ہے
جن کا معنی ہے غفلت میں ڈالنے والی چیزیں

تو میوزک میں انہماک کی وجہ سے دینی حقوق و فرائض کے بارے میں تو غفلت ہوتی ہے دنیاوی امور کے بارے میں بھی غفلت ہو جاتی ہے ، اور یہ غفلت بعض اوقات حکومتوں اور سلطنتوں کی چولیں ہلا کر رکھ دیتی ہے ، اس کی واضح مثال

متحدہ ہندوستان میں مغلوں کی حکومت ہے۔ اس حکومت کا زوال اسی وقت شروع ہوا جب وہاں محمد شاہ رنگیلے جیسے رنگین مزاج لوگ بادشاہ بنے جو سارا دن رقص وسرود کی محفلوں میں مگن رہتے تھے، اس ظالم نے تو سارے ہندوستان کے نامی گرامی بھانڈ اور میراثی اپنے دربار میں اکٹھے کر لئے تھے اور وہ ہر وقت ڈومیوں اور کنجریوں کے جھرمٹ میں گھرا رہتا تھا۔ اس ظالم نے تو یہاں تک کر دیا کہ خواجہ سراؤں اور حسیناؤں کی باقاعدہ فوج بنا ڈالی، جب یہ لوگ رقص وسرود میں اتنے محو ہو گئے، تو انگریزوں کو دخل اندازی کا موقع مل گیا۔ چنانچہ مسلمانوں کے ہزار سالہ اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔

تیسرا نقصان! گانے سننے سنانے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے، نیکی بدی کا امتیاز اُٹھ جاتا ہے اور گناہوں کی طرف میلان بڑھ جاتا ہے پھر یوں بھی ہوتا ہے کہ انسان کے اندر منافقوں والی صفات پیدا ہو جاتی ہیں جیسا کہ حدیث کے حوالے سے یہ بات گزر چکی ہے کہ غنا نفاق پیدا کرتا ہے، دل کی سیاہی اور زنگ کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہدایت کی کوئی بات اثر نہیں کرتی، دل میں قساوت اور سختی پیدا ہو جاتی ہے۔ عبادت میں دل نہیں لگتا، تلاوت سے دل میں رقت پیدا نہیں ہوتی خدا کے ڈر سے کبھی رونا نہیں آتا۔

چوتھا نقصان! فحش گانوں اور گندی فلموں کی وجہ سے بے غیرتی اور دیوثی پیدا ہوتی ہے کیونکہ ہمارے ہاں کامیاب اور مقبول گانے وہ شمار ہوتے ہیں جن میں شہوانی جذبات کو خوب بھڑکایا گیا ہو، محبوب اور معشوق کا تذکرہ والہانہ انداز میں کیا گیا ہو، اب جو شخص دن رات اس قسم کے گانے سنتا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ اگر وہ گانے والیوں کو ڈانس کرتا ہوا دیکھتا بھی ہو تو وہ بے غیرت نہیں بنے گا تو اور کیا بنے گا۔

پانچواں نقصان رقص وسرود کا پانچواں نقصان یہ ہے کہ اس سے زنا کا داعیہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ فحش گانوں کے سننے کی وجہ سے شہوانی جذبات بھڑک اٹھتے ہیں، پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ عورت کی آواز میں فطرت نے نزاکت اور کشش رکھی ہے، اسی لئے قرآن حکیم میں ازواجِ مطہرات کو حکم دیا گیا ہے کہ کسی غیر محرم کے ساتھ لوچ دار لہجے میں بات نہ کرو۔ اور اسی لئے اسلام میں عورت کی آواز کے بھی پردے کا حکم ہے

سلیمان بن عبدالملک نے ایک موقع پر کہا تھا کہ :

اونٹ بلبلاتا ہے تو اونٹنی بے خود ہو جاتی ہے،
بکرا جوشِ شہوت میں آکر آواز نکالتا ہے تو بکری مست ہو جاتی ہے،
کبوتر غٹرغوں کرتا ہے تو کبوتری مزے میں آتی ہے،
مرد راگ گاتا ہے تو عورت مستی میں آجاتی ہے،
تو کیا عورت جب پرکشش آواز نکالے گی اور ٹھمکا لگائے گی تو مرد جوش میں نہیں آئے گا۔

چھٹا نقصان چھٹا نقصان یہ ہے کہ دولت کا ضیاع ہوتا ہے۔ اس وقت ہمارے ہاں حالت یہ ہے کہ لوگوں کی کمائی کا بہت بڑا حصہ گانے بجانے کا سامان خریدنے پر خرچ ہوتا ہے۔ پہلے ریڈیو خریدا جاتا ہے، پھر ٹیپ ریکارڈ حاصل کیا جاتا ہے، پھر ٹی وی، اور سادہ ٹی وی کے بعد رنگین ٹی وی، پھر وی سی آر اور اس کی ویڈیو کیسٹیں۔

یہ تو ان لوگوں کا حال ہے جو گھروں میں یہ سامان جمع کرتے ہیں کچھ لوگ وہ ہیں جو انتہائی مہنگے ٹکٹ خرید کر فائیو اسٹار ہوٹلوں میں منعقد ہونے والی موسیقی کی محفلوں میں شرکت کرتے ہیں اور ناچنے گانے والیوں پر

ہزاروں روپے نچھاور کر دیتے ہیں، وہ لوگ جو خدا کے دین کے لیئے ایک پائی دینے پر آمادہ نہیں ہوتے وہ گناہوں کی گندگی اور جہنم کا ایندھن اکٹھا کرنے کے لیئے دن رات لاکھوں کروڑوں اُڑا دیتے ہیں۔

ساتواں نقصان ایک بہت بڑا نقصان یہ ہے کہ گانے بجانے کی کثرت کی وجہ سے نئی نسل تباہ ہو رہی ہے، وہ معصوم بچہ جس کے کانوں میں قرآن کی آواز پڑنی چاہیئے تھی، ہوش سنبھالتے ہی اُسے فحش گانے سننے کو ملتے ہیں، اسلام نے اولاد کی تربیت پر بڑا زور دیا ہے اور اس کی ذمہ داری والد اور والدہ دونوں پر ڈالی ہے، مگر آپ خود سوچیں کہ

جب دن رات بچے کے کانوں میں موسیقی کی آواز پڑے گی،
جب وہ گھر کے ہر چھوٹے بڑے کو موسیقی کا دلدادہ دیکھے گا،
جب وہ اپنے والدین کو کلبوں اور پارٹیوں میں ڈانس کرتا دیکھے گا
جب ناچنے گانے پر والدین کی طرف سے بچے کی حوصلہ افزائی کیجائے گی،
جب مہمانوں کے سامنے اُسے ایک ڈانسر کے طور پر پیش کیا جائے گا،
تو اُس بچے میں ایمان کی صفات کیسے پیدا ہوں گی،
وہ دین داروں کا کیسے احترام کرے گا،
وہ قرآن کی تلاوت سے شغف کیسے رکھے گا،
وہ صحابہ کرام اور ازواجِ مطہرات کی زندگیوں کو اپنا آئیڈیل کیسے بنائیگا

آئیڈیل بنانا تو دور کی بات ہے بچوں کو صحابہ کرام اور ازواجِ مطہرات کے نام تک یاد نہیں۔

خدارا اپنی اولاد پر رحم کرو، خود تو تباہ ہو گئے اب اپنی اولاد کو تباہ نہ کرو، ان کی تباہی اور گمراہی کی ذمہ داری تم پر ہے قیامت کے دن تم سے اس کے بارے میں سوال ہوگا۔

اولاد خدا کی بہت بڑی نعمت اور امانت ہے، اس امانت میں خیانت نہ کرو۔

یاد رکھو! اگر والدین نیک بخت عابد و زاہد ہوں نمازی اور پرہیزگار ہوں، خدا سے ڈرنے والے ہوں، حلال روزی کمانے والے ہوں، حرام سے بچنے والے ہوں تو پھر اولاد

محمد بن قاسم جیسی ہوتی ہے،
طارق بن زیاد جیسی ہوتی ہے،
مجدد الف ثانیؒ جیسے ہوتی ہے،
شیخ الحدیث مولانا زکریاؒ جیسی ہوتی ہے،
محدث العصر مولانا یوسف بنوریؒ جیسی ہوتی ہے،
مفتی محمودؒ جیسی ہوتی ہے،

اور جب والدین خدا کے نافرمان ہوں،
فاسق و فاجر ہوں،
حرام کھانے والے ہوں،
گانے بجانے کے رسیا ہوں

تو پھر اولاد:

گلوکار اور فنکار بنتی ہے،
چور اور ڈاکو بنتی ہے،
قاتل اور دیوث بنتی ہے،
فریبی اور مکار بنتی ہے،
ظالم اور خونخوار بنتی ہے،
نپولین اور ہٹلر بنتی ہے،
چنگیز خان اور ہلاکو خان بنتی ہے،

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی اور اپنی اولاد کی اصلاح اور تربیت کی سچی تڑپ عطا فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ

سکونِ قلب

کسی کو رات دن سرگرمِ فریاد وفغاں پایا
کسی کو فکرِ گوناگوں سے ہر دم سرگراں پایا
کسی کو ہم نے آسودہ نہ زیرِ آسماں پایا
بس اک مجذوب کو اس غمکدہ میں شادماں پایا

غموں سے بچنا ہو تو آپ کا دیوانہ ہو جائے

"اب خدا کی طرف سے پکار آتی ہے میرے بندے!
تو نے دولت کے انبار لگا لیئے مگر تجھے سکون نہ مل سکا،
تو نے رقص و سرود کی محفلیں سجائیں مگر تجھے سکون نہ مل سکا
تو نے جوئے اور سٹے کا بازار گرم کیا مگر تجھے سکون نہ مل سکا
تو نے مینا و ساغر کا استعمال کر دیکھا مگر تجھے سکون نہ مل سکا،
تو چاند اور ستاروں تک جا پہنچا مگر تجھے سکون نہ مل سکا،
اے بھولے بھٹکے مسافر! میں تیرا رب ہوں، تو میرے دروازے
پر آ میں تجھے بتاتا ہوں کہ نہ تو سیم و زر کی چھنا چھن تجھے سکون
دے سکتی ہے نہ رقص و سرود تیری بیماریوں کا علاج ہے، نہ
منشیات کا استعمال تیرے قلب و دماغ کو سکون دے سکتا
ہے۔ اگر تجھے سکون ملا تو میری یاد کی چھاؤں میں ملے گا، میرے
ذکر کی خوشبو سے ملے گا۔
اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ○"

سکونِ قلب

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَرَسُوْلِنَا الْکَرِیْمِ
اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (سورۃ الرعد پ۱۳ ع ۱۱)	خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان ہوجاتا ہے
اَلَا اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ ○ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ ذٰلِکَ ھُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○ (سورۃ یونس پ۱۱ ع ۱۲)	یاد رکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ (ناک اچانک اقعہ پڑنے والا) ہے اور نہ وہ (کسی مطلوب کے فوت ہونے پر) مغموم ہوتے ہیں وہ (اللہ کے دوست) ہیں جو ایمان لائے اور (معاصی سے) پرہیز رکھتے ہیں، اُن کے لئے دنیوی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی (منجانب اللہ خوف وحزن سے بچنے کی) خوشخبری ہے (اور) اللہ کی باتوں میں (یعنی وعدوں میں) کچھ فرق نہیں ہوا کرتا، یہ (بشارت جو مذکور ہوئی) بڑی کامیابی ہے۔
وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ	(اے مجموعہ امت) تم میں جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۝

(سورۃ النور پ۱۸ ع ۱۲)

اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو (اس اتباع کی برکت سے) زمین میں حکومت عطا فرمائیگا جیسے ان سے پہلے (اہل بیت) لوگوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو (اللہ تعالیٰ نے) ان کے لئے پسند کیا ہے (یعنی اسلام ان کو نفع آخرت کے لئے قوت دیگا) اور ان کے اس خوف کے بعد اس کو مبدل بامن کر دیگا۔

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ۝ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

(سورۃ الانعام پ ۷ ع ۱۱)

سو جب ان کو ہماری سزا پہنچی تھی وہ ڈھیلے کیوں نہ پڑے لیکن ان کے قلوب تو سخت رہے اور شیطان ان کے اعمال کو ان کے خیال میں آراستہ کرکے دکھلاتا رہا پھر جب وہ لوگ ان چیزوں کو بھولے رہے جن کی ان کو نصیحت کی جاتی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کشادہ کر دیئے، یہاں تک کہ جب ان چیزوں پر جوکہ ان کو ملی تھیں وہ خوب اترا گئے، ہم نے ان کو دفعۃً پکڑ لیا، پھر تو وہ بالکل حیرت زدہ رہ گئے، پھر ظالم لوگوں کی جڑ کٹ گئی اور اللہ کا شکر ہے جوکہ تمام عالم کا پروردگار ہے۔

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ

اور تم کو (اے گنہگارو) جو کچھ مصیبت پہنچتی

فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ○
(سورۃ الشوریٰ ع ۵)

ہے تو وہ تمہارے ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں سے (پہنچتی ہے) اور بہت سے تو درگزر ہی کر دیتا ہے

وعن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ علیہ وسلم اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ لِکُلِّ شَیْءٍ صِقَالَۃٌ وَصِقَالَۃُ القُلُوْبِ ذِکْرُ اللہِ وَمَا مِنْ شَیْءٍ اَنْجٰی مِنْ عَذَابِ اللہِ مِنْ ذِکْرِ اللہِ، قَالُوْا وَلَا الجِہَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ، قَالَ وَلَا ان یضرب بِسَیفِہٖ حتّٰی یَنْقَطِعَ ۔
(رواہ البیہقی)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ ہر چیز کے لئے ایک صفائی ہوتی ہے اور دلوں کی صفائی اللہ کا ذکر ہے اور کوئی چیز ذکر اللہ سے بڑھ کر عذابِ الٰہی سے نجات دلانے والی نہیں صحابہ رضوان اللہ علیہم نے عرض کیا، کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی ذکر سے بڑھ کر نہیں ؟ ارشاد فرمایا (ہاں جہاد بھی ذکر اللہ سے بڑھکر) نہیں (اگرچہ) مارتے مارتے مجاہد کی تلوار ٹوٹ جائے۔

اِیَّاكَ وَالمعصیۃ فَاِنَّ بالمعصیۃِ حَلَّ سَخَطُ اللہِ (مشکوٰۃ)

گناہ سے بچ، کیونکہ گناہ کی وجہ سے اللہ کی ناراضگی کا نزول ہو جاتا ہے۔

وعن ابی الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم : اِنَّ اللہ تعالیٰ یقول ؛ اَنَا اللہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا مٰلِكُ المُلُوْكِ وَمَلِكُ المُلُوْكِ

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں ساری مخلوق کا معبود ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں میں بادشاہوں کا مالک اور سلطانوں کا

قُلُوْبُ الْمُلُوْكِ فِیْ یَدِیْ وَاِنَّ الْعِبَادَ اِذَا اَطَاعُوْنِیْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَ مُلُوْکِهِمْ عَلَیْهِمْ بِالرَّحْمَةِ وَالرَّاْفَةِ وَاِنَّ الْعِبَادَ اِذَا عَصَوْنِیْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَهُمْ بِالسَّخْطَةِ وَالنِّقْمَةِ فَسَامُوْهُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ فَلَا تَشْغَلُوْا اَنْفُسَکُمْ بِالدُّعَاءِ عَلَی الْمُلُوْكِ وَلٰکِنِ اشْغَلُوْا اَنْفُسَکُمْ بِالذِّکْرِ وَالتَّضَرُّعِ کَیْ اَکْفِیَکُمْ

(ابونعیم فی الحلیۃ)

سلطان ہوں، بادشاہوں کے دل میرے قبضہ میں ہیں۔ جب بندے میری اطاعت کرتے ہیں تو بادشاہوں کے دل رحمت اور مہربانی کے ساتھ ان کی طرف پھیر دیتا ہوں اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو بادشاہوں کے دلوں کو غصہ اور سختی کی طرف مائل کر دیتا ہوں جس کی وجہ سے وہ رعایا کو سخت عذاب چکھاتے ہیں۔ پس اے بندو! تم بادشاہوں کے لئے بددعا مت کرو بلکہ میری یاد میں لگے رہو اور میرے سامنے گڑگڑاتے رہو میں تمہارے لئے کافی ہوں گا (یعنی تمہاری مدد کروں گا، بادشاہوں اور حاکموں کے دل میں مہربانی ڈال دونگا)

وعن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللہُ لَہٗ مِنْ کُلِّ ضِیْقٍ مَخْرَجًا وَمِنْ کُلِّ ھَمٍّ فَرَجًا وَرَزَقَهٗ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ

(رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجۃ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص استغفار میں لگا رہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی سے نکل جانے کا راستہ بنا دیتے ہیں اور اس کو ہر غم سے نجات دیتے ہیں اور ایسی جگہ سے رزق دیتے ہیں جس کا اس کو خیال بھی نہیں ہوتا۔

دنیا کا ہر ذی شعور انسان راحت اور سکون چاہتا ہے ہر کسی کو اسی کی طلب اور جستجو ہے۔ یہ جو ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی اقتدار اور بڑے بڑے عہدوں کا طالب ہے کوئی دولت کا پرستار ہے، کوئی گھر بنانے کی فکر میں ہے تو یہ لوگ بھی حقیقت میں خوشی اور سکون ہی کے طلب گار ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ایک یہ سمجھتا ہے کہ مجھے راحت اور خوشی تخت و تاج اور بادشاہت اور وزارت سے ملے گی، دوسرا یہ سمجھتا ہے کہ مجھے سکون دولت کے انبار سے ملے گا، تیسرا یہ سمجھتا ہے کہ مجھے قلبی اطمینان گھر کے بسانے اور بچوں کی معصوم شرارتوں سے حاصل ہوگا۔ تو یوں وسائل اور ذرائع کے بارے میں تو یہ سب مختلف ہیں لیکن مقصد کے بارے میں سب متفق ہیں۔

ہر شخص پریشان ہے

سکون کی طلب تو ہر کسی کو ہے لیکن اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ سکونِ قلب کی دولت بہت کم لوگوں کو حاصل ہے، جو لوگ بظاہر نہایت راحت و آسائش میں معلوم ہوتے ہیں، ان کی اندرونی حالت اگر آپ کبھی دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ ساری دنیا کی پریشانیوں کا نشانہ یہی ہیں۔ حضرت تھانویؒ نے اس پر ایک لطیفہ لکھا ہے، فرماتے ہیں میرے ایک استاد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایک شخص نے دعا کی کہ مجھے خواجہ خضر علیہ السلام مل جائیں، چنانچہ ایک دن خواجہ خضر علیہ السلام اس کو مل گئے اس نے کہا کہ حضرت یہ دعا کر دیجیے کہ خدا تعالیٰ مجھ کو اس قدر دنیا دیں کہ میں بالکل بے فکر ہو جاؤں۔ خواجہ خضر علیہ السلام نے کہا کہ بے فکری اور راحت دنیا داری میں نہیں ہو سکتی۔ اس نے پھر اصرار کیا، انھوں نے فرمایا کہ اچھا تو کسی ایسے شخص کو چھانٹ لے جو تیرے نزدیک بالکل بے فکر اور نہایت آرام میں ہو، میں یہ دعا کروں گا کہ تو بھی اُسی جیسا ہو جائے۔ اور تین دن کی مہلت اس کو دی۔ آخر اس نے لوگوں کی حالت کو دیکھنا شروع کیا، جس کو دیکھا کسی نہ کسی تکلیف یا شکایت اور پریشانی میں پڑا پایا۔ بہت سی

تلاش کے بعد اس کو ایک جوہری نظر پڑا جس کے پاس نوکر چاکر بھی بہت کچھ تھے، اولاد والا بھی تھا اور اس کو بظاہر کوئی فکر اور پریشانی نہ معلوم ہوتی تھی، اس کو خیال ہوا کہ اس جیسا ہونے کی دعا کراؤں گا، لیکن ساتھ یہ بھی خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو یہ بھی کسی بلا اور مصیبت میں گرفتار ہو، اور میں بھی دعا کی وجہ سے اس بلا میں گرفتار ہو جاؤں، لہذا بہتر ہے کہ اوّل اس جوہری سے اس کی اندرونی حالت دریافت کر لوں، چنانچہ اس جوہری کے پاس گیا اور اپنا پورا ماجرا اس کو کہہ سنایا۔ جوہری نے ایک آہِ سرد کھینچی اور کہا خدا کے لئے مجھ جیسا ہونے کی دُعا ہرگز نہ کرانا میں تو ایک ایسی مصیبت میں گرفتار ہوں کہ خدا نہ کرے کوئی دشمن بھی گرفتار ہو۔ بات یہ ہے کہ ایک مرتبہ میری بیوی بیمار ہوئی اور بالکل مرنے کے قریب ہو گئی، میں اس کو مرتے دیکھ کر رونے لگا۔ اس نے کہا کہ تم کیوں روتے ہو میں مر جاؤں گی، تم دوسری شادی کر لوگے، میں نے کہا کہ نہیں اب میں ہرگز نکاح نہ کروں گا۔ کہنے لگی سب کہا ہی کرتے ہیں پورا کوئی بھی نہیں کرتا۔ میں چونکہ اس کی محبت میں مغلوب تھا اور اس وقت اس کے مرنے کا نہایت سخت رنج دل پر تھا، میں نے استرا لے کر اپنا اندامِ نہانی یعنی پیشاب کا مقام فوراً کاٹ ڈالا اور اس سے کہا کہ اب تو تجھ کو اطمینان ہو گیا، کہا ہاں ہو گیا، وہ اپنے مرض سے بچ گئی۔ اب چونکہ میں بالکل بیکار ہو چکا تھا اس لئے اس نے میرے نوکروں سے سازباز کر لیا۔ یہ جس قدر اولاد جو تم دیکھتے ہو سب میرے نوکروں کی عنایت ہے، میں اپنی آنکھوں سے اس حرکت کو دیکھتا ہوں لیکن اپنی بدنامی کے خیال سے کچھ نہیں کہہ سکتا، اسلئے تم مجھ جیسے ہونے کی ہرگز دعا نہ کرانا۔ آخر اس شخص کو یقین ہو گیا کہ دنیا میں کوئی آرام سے نہیں۔ جب تیسرے دن حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ کہو کیا رائے ہے۔ اُس نے کہا کہ حضرت یہ دعا کر دیجئے

کہ خدا مجھے اپنی کامل محبت اور کامل دین عطا فرمائے۔ چنانچہ آپ نے دعا فرمادی اور وہ شخص کامل دیندار ہوگیا۔

توحقیقت میں دنیاداروں میں کوئی بھی آرام میں نہیں ہے۔ اندرونی حالت سب کی پریشان ہے اس واسطے کہ دنیا کی حالت یہ ہے کہ ایک آرزو ختم نہیں ہوتی دوسری شروع ہوجاتی ہے اور تقدیر پر راضی ہے نہیں، توہر کام یوں چاہتا ہے کہ یہ بھی طے ہوجائے اور وہ بھی ہوجائے۔ اور سب امیدوں کا پورا ہونا دشوار ہے اس لئے نتیجہ اس کا پریشانی ہے، گو ظاہر میں مال اور اولاد سب کچھ ہے۔

خصوصًا اس دور میں اگر آپ غور فرمائیں تو آپ کو ہر شخص مضطرب اور پریشان نظر آئے گا، جسے دیکھیں اُسے روزگار کی، عزیز واقارب کی، اور دوست واحباب کی حالات کی شکایت کرتا ہوا پائیں گے۔ کسی کو سکون اور راحت حاصل نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ دورِ حاضر کا سب سے بڑا مسئلہ نہ جمہوریت ہے نہ حقوق ہیں نہ معاشی مسائل ہیں بلکہ سب سے بڑا مسئلہ دل کے سکون اور اطمینان کا فقدان۔ حالانکہ آج کے انسان کو راحت اور آسائش کے وہ وسائل اور سامان حاصل ہیں جن کا اُس کے آباء واجداد نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔ یہ فرّاٹے بھرتی کاریں، یہ دنوں کا سفر گھنٹوں میں طے کرنے والے ہوائی جہاز، یہ نرم وگداز گدیلے، یہ فرجیں اور ائیر کنڈیشنڈ۔ یہ ساری چیزیں ہمارے آباء واجداد کو کہاں حاصل تھیں، لیکن اس کے باوجود وہ ہمارے مقابلے میں زیادہ پُرسکون زندگی گذارتے تھے اور ہم راحت کے تمام اسباب کے باوجود مضطرب اور پریشان ہیں بلکہ صورت حال تو کچھ ایسی ہوگئی ہے کہ جن لوگوں کو زیادہ آسائشیں حاصل ہیں وہ اور زیادہ پریشان ہیں۔

یورپ کا اضطراب شاید آپ جانتے ہوں کہ ہالی وڈ عیش پسندوں کے لئے سب سے بڑی جنت ہے۔ ساری دنیا کے محروم اور پسماندہ لوگ ہالی وڈ کے رہنے والوں پر رشک کرتے ہیں لیکن اخبارات و رسائل میں یہ بات آچکی ہے کہ وہاں کے رہنے والے قابلِ رحم زندگی گذار رہے ہیں۔ ان کے دلوں کا اضطراب اور بے اطمینانی انتہا کو پہنچ چکی ہے وہ دنیا کی ہر آسائش پالینے کے بعد اکتاہٹ کا شکار ہو جاتے ہیں، ان کی بے اطمینانی کا اندازہ آپ اس بات سے لگائیں کہ بعض اوقات وہ اکتاہٹ کو کم کرنے کے لئے اپنے مکانوں حتیٰ کہ بیویوں کا بھی آپس میں تبادلہ کر لیتے ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ کرنے کے باوجود اُن کو قلبی سکون اور اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔ علّامہ اقبال نے یورپ کو بہت قریب سے دیکھا تھا وہ فرماتے ہیں: ؎

یورپ میں روشنی آج علم و ہنر سے ہے سچ یہ کہ بے چشمۂ حیوان ہے یہ ظلمات
جو قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہے محروم حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

یہ ایک پرانی کہاوت ہے کہ آبِ حیات بحرِ ظلمات میں پایا جاتا ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ یورپ عالمِ ظلمات تو ہے لیکن اس میں آبِ حیات نہیں، جس سے دلوں کو سکون اور اطمینان حاصل ہو۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ چونکہ یورپ والے وحی کے علم سے محروم ہیں اس لئے ان کی ساری ذہانتیں لوہے اور جمادات اور برق و بخارات پر صرف ہو رہی ہیں۔ انسان کو انسان بنانے کی طرف ان کی کوئی توجہ نہیں بلکہ ان کی ساری صلاحیتیں جمادات کو مختلف شکلیں دینے پر مرکوز ہیں اور اسی کا نتیجہ ہے کہ دورِ حاضر کے انسان کی صبح سے شام تک کی زندگی مشینی بن گئی ہے اُس نے پرندوں کی طرح اڑنا اور مچھلیوں کی طرح تیرنا تو سیکھ لیا لیکن انسانوں کی طرح رہنا نہیں سیکھا۔

غلط راستے مضطرب اور بے قرار انسان نے دل کا سکون حاصل کرنے کے لئے بے شمار غلط راستے اختیار کئے لیکن اُسے سکون نہ مِل سکا، کسی نے سوچا کہ راحت اور سکون اقتدار میں ہے لیکن اقتدار ملنے کے بعد پتہ چلا کہ یہاں تو ایک لمحے کا سکون نہیں۔ عبدالرحمٰن اموی جو اسپین میں پچاس برس تک مطلق العنان بادشاہ کی حیثیت سے حکومت کرتا رہا جب دنیا سے رخصت ہوا تو لوگوں نے سُنا کہ وہ کہہ رہا تھا میں نے اپنی پوری زندگی میں صرف چودہ دن سکون کے دیکھے ہیں۔

کوئی سمجھتا ہے کہ سکون دولت کی کثرت سے ملتا ہے لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ بڑے بڑے سرمایہ داروں کا یہ حال ہے کہ انھیں کاروباری اور دوسری پریشانیوں کی وجہ سے راتوں کو نیند نہیں آتی، وہ خواب آور گولیوں کے بغیر سو نہیں سکتے۔

یونان کے کروڑپتی تاجر ارسطاتل اوناسس کی بیٹی کرسٹینا اپنے باپ کی وارث اور یونان کی صنعتِ جہاز رانی کی ملکہ ہے مگر اس ساری دولت سے وہ دل کا سکون نہیں خرید سکی وہ ساری دنیا میں ماری ماری پھرتی ہے اُس نے کئی شادیاں کی ہیں مگر پھر بھی اُسے سکون نہیں مل سکا۔

کسی کا خیال ہے کہ اگر انسان کی جنسی خواہشات پوری ہو جائیں تو اُسے سکون مل سکتا ہے چنانچہ یورپ میں جنسی خواہشات کے لئے زنا عام کر دیا گیا ہے۔ زناکاری اور لواطت کو قانونی تحفّظ حاصل ہے، باہمی رضا مندی سے جب چاہیں جہاں چاہیں، جس سے چاہیں زنا ہو سکتا ہے، بیویوں کا آپس میں تبادلہ ہو سکتا ہے، عورتیں کرائے پر مِل جاتی ہیں، انڈیانا سٹیٹ میں ایک شہر آباد ہے جس میں چھوٹے بڑے، مرد اور عورت سب مادر زاد ننگے رہتے ہیں، لیکن اتنی آزادی

دینے کے باوجود اضطراب کا عالم یہ ہے کہ :

امریکہ میں ہر تین منٹ میں ایک قتل ہوتا ہے ،

ہر ۱۳ منٹ میں ایک زنا بالجبر کیا جاتا ہے ،

ہر ۸۱ سیکنڈ میں کوئی زبردست ڈاکہ پڑتا ہے

کسی کی سوچ یہ ہے کہ منشیات کے استعمال سے سکون ملتا ہے لیکن کون نہیں جانتا کہ منشیات نے ہزاروں گھرانوں کو تباہ کر دیا ہے اور لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا ہے۔

یہ تمام ذرائع انسان کو حقیقی سکون نہیں دے سکے جبکہ انسان سکونِ دل کی تلاش میں مارا مارا پھر رہا ہے اب خدا کی طرف سے پکار آتی ہے :

میرے بندے تو نے دولت کے انبار لگائے مگر تجھے سکون نہ مل سکا ،

تو نے وزارتیں اور بادشاہتیں حاصل کر لیں مگر تجھے سکون نہ مل سکا ،

تو نے رقص و سرود کی محفلیں سجائیں مگر تجھے سکون نہ مل سکا ،

تو نے فحاشی ، عریانی اور بدکاری کی انتہا کر دی مگر تجھے سکون نہ مل سکا ،

تو نے جوے اور سٹے کا بازار گرم کیا مگر تجھے سکون نہ مل سکا ،

تو نے ساغر و مینا ، شراب ، ہیروئن ، چرس اور بھنگ کا استعمال کر دیکھا مگر تجھے سکون نہ مل سکا ،

تو نے نت نئے فیشن اختیار کئے مگر تجھے سکون نہ مل سکا ،

تو نے کوہ پیمائی کی مہمیں سر کیں مگر تجھے سکون نہ مل سکا ،

تو نے کھیلوں میں کمال حاصل کر لیا مگر تجھے سکون نہ مل سکا ،

تو نے سمندروں اور صحراؤں کو چھان مارا مگر تجھے سکون نہ مل سکا ،

تو چاند اور ستاروں تک جا پہنچا مگر تجھے سکون نہ مل سکا ،

تو نے سائنسی علوم سے حیرت انگیز مشینیں بنالیں مگر تجھے سکون نہ مل سکا
آ ، بھولے بھٹکے مسافر میرے دروازے پر آ ، میں تیرا رب ہوں ، میں تیری ضروریات کا کفیل اور مالک ہوں ،
او ظلوم وجہول انسان تو بھی کتنا پگلا ہے ، انگاروں پر بیٹھا ہے اور چاہتا ہے کہ مجھے ٹھنڈک نصیب ہو ،
گندگی کے ڈھیر پر بیٹھکر چاہتا ہے کہ مجھے خوشبو کے دلنواز جھونکے آئیں ،
کانٹوں پر بستر بچھایا ہے اور چاہتا ہے کہ چُبھن بھی نہ ہو ،
تیل چھڑک کر تیلی جلاتا ہے اور چاہتا ہے آگ بھی نہ لگے ،
اپنے خالق ومالک کو بُھلا رکھا ہے اور چاہتا ہے کہ مجھ پر پریشانیاں بھی نہ آئیں ۔

او میرے پاگل بندے !
تجھے نہ سیم وزر کی چھناچھن سکون دے سکتی ہے ،
نہ تخت وتاج تیرے دل کے اضطراب کو دور کر سکتا ہے ،
نہ رقص وسرود اور میوزک تیری قلبی بیماریوں کا علاج ہے ،
نہ زناکاری اور فحاشی تجھے مطمئن رکھ سکتی ہے ،
نہ منشیات کا استعمال تیرے قلب ودماغ کو سکون دے سکتا ہے ،
اگر تجھے سکون ملا تو میری یاد کی چھاؤں میں ملے گا ،
میرے ذکر کی خوشبو سے ملے گا ،

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ

ذکر کیا ہے ؟ یہ بات تو معلوم ہوگئی کہ سکون مادی چیزوں سے حاصل

نہیں ہو سکتا بلکہ سکونِ قلب صرف اللہ کے ذکر سے حاصل ہو سکتا ہے
اب سوال یہ ہے کہ ذکر ہے کیا ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یوں تو تلاوت بھی ذکر
ہے، نماز بھی ذکر ہے، استغفار بھی ذکر ہے، درود شریف بھی ذکر ہے، اللہ اللہ
کہنا بھی ذکر ہے۔ لیکن ذکر کا اصل مفہوم یہ ہے کہ دل میں خدا کا دھیان نصیب
ہو جائے۔ بندہ کسی وقت بھی خدا سے غافل نہ ہو بلکہ ہر وقت دل میں خدا کی
یاد تازہ رہے۔ یعنی یہ تصور ہر وقت مستحضر رہے کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے، اور
ظاہر ہے کہ جس شخص کو یہ یقین ہو کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے اور اس کا یقین مستحضر
بھی ہو تو وہ معصیت اور نافرمانی کا ارتکاب کیسے کریگا۔ ایک عام بادشاہ
کے سامنے کسی کو اُلٹی سیدھی حرکت کی جرأت نہیں ہوتی تو بادشاہوں کے
بادشاہ کے سامنے بندہ گناہ اور حکم عدولی کی جرأت کیسے کرے گا، تو ذکر کا
حاصل یہ ہے کہ بندہ گناہوں کا ارتکاب چھوڑ دے اور زندگی کے کسی بھی سفر میں
صرف اپنے خالق و مولیٰ کی محبت میں مجذوب اور دیوانہ ہو جائے پھر دیکھے کہ
پریشانیاں کیسے دور ہوتی ہیں اور دل کو کیسے سکون ملتا ہے اسی لئے تو کہا
گیا ہے ؎

کسی کو رات دن سرگرمِ فریاد و فغاں پایا
کسی کو فکرِ گوناگوں سے ہر دم سرگراں پایا
کسی کو ہم نے آسودہ نہ زیرِ آسماں پایا
بس اِک مجذوب کو اس غمکدہ میں شادماں پایا

غموں سے بچنا ہو تو آپ کا دیوانہ ہو جائے

گناہوں میں لذّت یا کُلفت ؟

آپ کہہ سکتے ہیں کہ گناہوں میں بھی
تو لذّت محسوس ہوتی ہے تو اس کا

ایک جواب تو یہ ہے کہ گناہوں کی لذت ایسی ہے جیسے کھجلی کی لذت کہ خود اسمیں کوئی لذّت نہیں صرف بیماری کی وجہ سے لذّت معلوم ہوتی ہے پھر کھجانے کے بعد فوراً جلن اور تکلیف ہونے لگتی ہے، سویہ دراصل بیماری ہے جیسا سانپ کے کٹے ہوئے کو کڑوا بھی میٹھا معلوم ہونے لگتا ہے، سوکوئی عقلمند تندرستی کے مقابلہ میں ایسی لذّت کو نفع کی چیز نہیں سمجھ سکتا۔ البتہ اصلی لذّت عبادت میں ہے۔ چونکہ ان لوگوں نے ابھی عبادت اور پرہیزگاری کی لذت چکھی نہیں اس لئے گناہ اور نفس کی لذّتوں کی ان کو رغبت ہوتی ہے، آخرت اور پرہیزگاری کی لذّت حضرت ابراہیم ادہمؒ سے پوچھئے کہ کس طرح اس کے پیچھے بادشاہت کی لذت چھوڑ دی تھی، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس لذت کے پیچھے بادشاہی کپڑے پہننے چھوڑ دیئے تھے اور غریبوں کے سے کپڑے پہننے اختیار کئے تھے،

حماقت و سفاہت دوسرا جواب یہ ہے کہ اصل میں تو گناہوں سے دنیا کی بھی تکلیف ہوتی ہے لیکن ہم اپنی حماقت اور کم عقلی کی وجہ سے اس تکلیف کو لذّت سمجھتے ہیں۔ اس کی مثال تو وہ ہے کہ ایک وحشی آدمی ہندوستان میں آیا تھا اتفاق سے آپ ایک حلوائی کی دوکان سے گذرے وہاں گرم گرم حلوا رکھا ہوا تھا خوشبو سونگھ کر طبیعت للچائی۔ دام دمڑی کچھ پاس نہ تھے آپ نے اس میں سے ایک دو ہتڑ بھر کر حلوا اٹھا لیا اور کھا گئے حلوائی نے رپٹ لکھوائی، افسر نے چالان کرنا تو مناسب نہ سمجھا، بس تنبیہ کے لئے یہ حکم دے دیا کہ اس کو گدھے پر سوار کریں اور پیچھے پیچھے لڑکے ڈفلی بجاتے ہوئے چلیں اس شکل سے بازار میں گھما کر شہر بدر کریں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا جب یہ اپنے ملک کو واپس ہوا تو لوگوں نے ہندوستان کا حال پوچھا۔ آپ فرماتے

ہیں کہ ہندوستان خوب ملک ہے حلوا کھانا مفت ہے، گدھے کی سواری مفت ہے، لڑکوں کی فوج مفت ہے، ڈم ڈم مفت ہے، ہندوستان خوب ملک ہے۔ تو جیسا اس وحشی نے بیوقوفی سے اس ذلّت کے سامان کو عزّت کا سامان سمجھا تھا، ایسا ہی ہم بھی اپنی تکلیف کے سامان کو لذّت کا سامان سمجھے ہیں۔

آسان طریقہ | حضرت تھانویؒ نے آسان سا طریقہ بتایا ہے جس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ لذّت گناہوں میں نہیں بلکہ خدا کی عبادت میں لذّت اور راحت ہے۔ فرماتے ہیں کہ: جس چیز کو آپ نے لذّت کا سامان سمجھ رکھا ہے کبھی اس سے گذر کر اس کے دوسرے پہلو پر بھی نظر کیجئے تب آپ کو معلوم ہو کہ یہ ظاہری لذّت اصل میں تکلیف ہے کیونکہ سمجھ کی غلطی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس سامان کے مقابل دوسرے پہلو کو نہیں دیکھا۔ مشہور قاعدہ ہے کہ ہر چیز کی پہچان اس کی ضد کو دیکھ کر ہوتی ہے۔ دیکھو جو مینڈک گندے تالاب میں رہتا ہو اور اسی میں پیدا ہوا ہو وہ چونکہ صاف شفّاف پانی سے واقف نہیں اس لئے اس کے نزدیک وہ سڑا ہوا کیچڑ ہی صاف شفّاف پانی ہے لیکن اگر کبھی شفاف پانی پر اس کا گذر ہوجائے تو اس کو اس وقت اس کیچڑ کی حقیقت فوراً معلوم ہوجائے گی، اسی طرح ہم نے چونکہ گندی حالت میں ہوش سنبھالا ہے ہم کو اس کی اچھائی یا برائی کی خبر نہیں۔ امتحان کے لئے یہ کیجئے کہ ایک ہفتہ بھر کے لئے گناہ کو چھوڑ دیجئے اور اپنے دنیوی کاموں کا کوئی بندوبست کرکے اس زمانہ میں تلاوت اور اللہ کے ذکر میں مشغول رہئے اور کسی قسم کا گناہ اس زمانہ میں نہ کیجئے۔ صرف ایک ہفتہ بھر ایسا کرلیجئے اس کے بعد اپنے دل کو دیکھئے کہ کیا حالت ہے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالےٰ آپ اپنے قلب میں بہار اور چین پائیں گے۔ اور اس کے

بعد گناہوں کی پہلی حالت پر تو آپ خود بخود آہی جائیں گے۔ جب ایک دو دن گناہوں میں گذر چکیں گے پھر دیکھئے کہ اب دل کی کیا حالت ہے اور اس پہلی حالت سے اس کو ملائیے۔ خدا کی قسم آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ اطمینان تھا اور یہ پریشانی ہے، وہ راحت تھی اور یہ کلفت ہے، وہ لذت تھی یہ مصیبت ہے۔ اس وقت آپ کو گناہ کر کے ایسی تکلیف ہوگی جیسے کسی کانٹے کے لگ جانے سے ہوتی ہے۔ خدا کی قسم جو لوگ گناہ سے بچتے ہیں ان کو گناہ سے ایسا ہی صدمہ ہوتا ہے بلکہ اگر بلا ضرورت گنہگار کے پاس بھی بیٹھتے ہیں تو پریشان ہو جاتے ہیں، اور اگر کوئی کم ہمتی سے یہ امتحان بھی نہ کرنا چاہے کیونکہ اسمیں بھی چند دن کے لئے نیک فرمانبردار بننا پڑتا ہے تو میں اس سے ترقی کر کے کہتا ہوں کہ اپنی موجودہ حالت میں ہی غور کیجئے کہ آپ کو اطمینان نصیب ہوتا ہے یا ہر وقت تکلیف اور پریشانی ہی میں گذرتی ہے ظاہر ہے کہ کبھی نہ کبھی تو راحت و اطمینان میسر ہوتا ہی ہے۔ اب غور کر کے دیکھئے کہ وہ اطمینان و راحت عبادت و طاعت کے زمانہ میں تھا یا گناہ کے وقت میں۔ یقیناً آپ اقرار کریں گے کہ جس زمانہ میں آپ کے دل کو چین تھا اسوقت آپ کسی نیک کام میں لگے ہوئے تھے۔ اگر اس کا بھی اندازہ نہ ہو سکے تو ایک اور آسان طریقہ بتاتا ہوں کہ اللہ والوں کے پاس جائیے اور اللہ والوں سے مراد وہ نہیں جن کے بیوی بچے کچھ بھی نہ ہوں۔ بلکہ وہ لوگ مراد ہیں جن کو اصلی محبت صرف خدا سے ہو، اگرچہ بیوی بچے ان کے ہیں۔ تو ایسوں کے پاس جائیے اور دیکھئے کہ مصیبت میں ان کی کیا حالت ہوتی ہے اور راحت میں کیا حالت ہوتی ہے، تو آپ دیکھیں گے کہ وہ مصیبت اور راحت دونوں میں خوش ہیں کیونکہ ان کا مذاق یہ ہے کہ دوست کی طرف سے جو کچھ بھی اپنے اوپر گذرے وہ بہتر ہی ہے۔

اللہ والے کا واقعہ | چنانچہ ایک بزرگ کی خدمت میں کسی نے ایک نہایت قیمتی موتی بھیجا تھا، جب وہ ان کے پاس پہنچا تو فرمایا خدا کا شکر ہے۔ اس کے بعد وہ موتی گم ہوگیا، آپ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا خدا کا شکر ہے۔ خادم نے عرض کیا کہ حضرت یہ کیا بات ہے کہ موتی کے آنے پر بھی خوشی تھی اور گم ہونے پر بھی خوشی ہے۔ فرمایا کہ مجھے خوشی اس کے آنے یا جانے پر نہیں ہوئی بلکہ ایک دوسری بات پر ہوئی ہے وہ یہ کہ جب یہ موتی آیا تھا تو میں نے اپنا دل ٹٹول کر دیکھا کہ اس موتی کے ساتھ دل کو زیادہ تعلق تو نہیں ہوا، معلوم ہوا کہ نہیں تو میں نے اس حالت پر خدا کا شکر ادا کیا۔ اس کے بعد جب وہ گم ہوگیا تو میں نے پھر دل کو دیکھا کہ اب غم کا اثر تو نہیں ہوا، معلوم ہوا کہ نہیں۔ اس پر میں نے پھر خدا کا شکر ادا کیا تو یہ شکر اس پر تھا کہ خدا کے سوا مجھے کسی سے تعلق نہیں کہ موتی کے آنے سے نہ خوشی ہوئی نہ جانے سے کچھ غم ہوا۔

حضرت جیلانیؒ کا واقعہ | اسی طرح حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے پاس ملک چین کا آئینہ کوئی شخص لایا آپ نے خادم کے سپرد کر دیا اور فرمایا جب ہم طلب کریں ہمارے سامنے لاکر رکھ دیا کرو، اتفاق سے وہ آئینہ ایک دن خادم کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا وہ مارے خوف کے گھبرا گیا اور عرض کیا کہ ؎ از قضا آئینۂ چینی شکست، کہ قسمت کی بات وہ چینی آئینہ ٹوٹ گیا۔ آپ نے فرمایا ؎ خوب شد اسباب خود بینی شکست۔ کہ چلو اچھا ہوا اپنی خوبیوں پر نظر کرنے کا سامان تھا ٹوٹ گیا۔ آپ نے ہنسی ہی میں اس کو اڑا دیا، اور کچھ بھی اثر یا غصہ مزاج مبارک پر نہ ہوا۔

فرق یہ ہے | مصیبتیں اور پریشانیاں دینداروں پر بھی آتی ہیں اور دنیا داروں پر بھی آتی ہیں لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ دنیا دار تھوڑی سی

تکلیف کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان بلکہ خدا تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہو جاتا ہے۔ اور بعض اوقات اس کے منہ سے کفریہ کلمات بھی نکل جاتے ہیں لیکن ایسا دیندار شخص جس کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مضبوط تعلق ہو وہ ناموافق حالات کی وجہ سے ایسا پریشان کبھی نہیں ہوتا کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سے مایوس ہو جائے۔

فانی اور عارضی تکلیفیں بلکہ وہ کبھی تو یوں سوچتا ہے کہ دنیا بھی فانی ہے اور اس کی نعمتیں اور مصیبتیں بھی فانی ہیں یہ زندگی تو کسی نہ کسی طرح گذر ہی جائے گی مسلمان کا اصل وطن آخرت ہے اور وہاں کا آرام اور وہاں کی تکلیف دائمی ہے مسلمان کی شان یہی ہے کہ وہ آخرت کو اپنا مقصودِ زندگی بنائے اور دنیا کی عارضی تکلیفوں سے ہائے واویلا نہ کرے ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ جب ریل میں سفر کرتے ہیں تو بعض اوقات رش کی وجہ سے انھیں دروازوں پر لٹک کر اور بیٹریوں میں گھس کر بھی سفر کرنا پڑتا ہے، پھر سفر میں کسی سرائے میں قیام ہوتا ہے تو ٹوٹی پھوٹی چارپائیوں پر سونا پڑتا ہے جن میں کھٹمل ہوتے ہیں، کھانا بھی طبیعت کے موافق میسر نہیں آتا لیکن وہ یہ ساری تکلیفیں اس لئے برداشت کر لیتے ہیں کہ یہ عارضی تکلیفیں ہیں، گاڑی کا سفر عارضی ہے، سرائے کا قیام عارضی ہے۔ اس وجہ سے ان تکلیفوں کا سہہ لینا آسان ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب مؤمن اس اعتبار سے سوچتا ہے کہ دنیا اور اس کی تکلیفیں عارضی ہیں اور وہ اپنی نظر آخرت کے دائمی گھر پر رکھتا ہے تو اس کے لئے یہ تکلیفیں آسان ہو جاتی ہیں۔

نعمتوں پر نظر اور کبھی وہ یوں سوچتا ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی بیشمار نعمتیں ہیں وہاں اگر تھوڑی سی تکلیف بھی آگئی تو کیا ہوا۔

حضرت لقمان علیہ السلام پہلے ایک مالدار شخص کے غلام تھے وہ شخص آپ کی ذکاوت و ذہانت کی وجہ سے آپ سے بڑی محبت رکھتا تھا اور اپنے ہاتھ سے آپ کو کھانے کے لئے لذیذ ترین اشیاء پیش کیا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے خربوزہ کاٹ کر اس کی قاشیں آپ کی خدمت میں پیش کیں، آپ مزے لے لے کر کھانے لگے آخری قاش اس نے خود کھائی تو وہ اتنی کڑوی تھی کہ کڑواہٹ کی وجہ سے اس کی زبان پر آبلہ پڑ گیا۔ اس نے کہا تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ خربوزہ کڑوا ہے آپ نے فرمایا جس آقا کے ہاتھ سے بے شمار لذیذ اور میٹھی چیزیں کھائیں آج اس کے ہاتھوں ایک کڑوی چیز ملی تو میری غیرت نے گوارا نہیں کیا کہ کڑوا بتلا کر اُسے شرمندہ کروں۔

دمشق میں ایک شخص عبدویہ نامی تھا ایک بار سفر کی حالت میں اس نے صحرا میں ایک شخص کو بوریا پہنے حمد وثنا کرتے ہوئے دیکھا اُس نے پوچھا کس نعمت کا شکریہ کرتا ہے کیونکہ میں تجھ پر نعمت نہیں دیکھتا ہوں اس نے کہا تمام نعمتیں اللہ نے مجھ کو دی ہیں۔ سن! مسلمان ہوں نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی اُمت میں ہوں، تندرست ہوں، زبان کو ذکر الٰہی کی قدرت حاصل ہے، مردار دنیا سے دور ہوں، مجھے اس کی تمنّا نہیں ہے۔ عبدویہ رویا اور اپنا مال اللہ کی راہ میں صرف کر کے یادِ الٰہی میں مصروف ہو گیا۔

ایک بزرگ کو راہ میں قزاقوں نے گھیرا ایک قزاق نے کہا اس کو مار ڈالو، دوسرے نے کہا نہیں بلکہ اس کا ہاتھ کاٹ دو ان بزرگ نے کہا اللہ کا شکر ہے میں نے خلاصی پائی، انہوں نے کہا کس بات پر شکر کرتا ہے کہا گردن کاٹنے سے ہاتھ کاٹنے پر صلح ہو گئی۔

ایک بزرگ کے مکان میں چور آئے اور اسباب لے گئے جب گھر والوں نے

ان سے ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ چور آیا اور اسباب لے گیا شیطان نہیں جو ایمان لے جاتا

ایک بزرگ راہ میں جارہے تھے اوپر سے کوئی مٹی پھینک رہا تھا وہ آپکے سر پر پڑی آپ نے فرمایا میں آگ کا مستحق تھا اللہ کا شکر ہے کہ خاک پر کفایت ہوئی، ہر بلا گناہوں کا کفارہ ہوتی ہے۔ ایک رات کی تپ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے، پس ہر مسلمان کو شکر کرنا چاہئے کہ تھوڑی تکلیف پر بہت سے گناہ مٹا دیئے۔ یہ تکلیف روز اول ہی لکھ دی گئی تھی اس وقت تک انتظار میں تھی اب گذر گئی، اس لئے شکر لازم ہے۔

حضرت ابوسعید خدریؓ خچر پر سے گر پڑے آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا لوگوں نے پوچھا آپنے کس بات پر شکر کیا آپ نے جواب دیا اس بات پر کہ گرنا جو میری تقدیر میں لکھا تھا گذر گیا تکلیف کے گذر جانے کا شکر کرنا چاہیئے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک دفعہ تشریف لے جارہے تھے آپ کے ساتھ کچھ رفقاء بھی تھے، ایک ایسے شخص پر گذر ہوا جو اندھا، لنگڑا لولا، اپاہج اور ساتھ ساتھ برص کا مریض تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے رفقاء سے پوچھا کہ بتایئے کہ اس سے بھی آخرت میں نعمتوں سے متعلق سوال ہوگا؟ قرآن کریم میں ہے ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ "نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا کہ ان کا شکر یہ ادا کیا تھا؟"

تو رفقاء نے جواب دیا کہ حضرت اس بیچارہ کے پاس ہے ہی کیا جو اس سے سوال ہوگا نہ ہاتھ، نہ پاؤں، نہ آنکھیں حتی کہ اس کی چمڑی بھی صحیح نہیں۔ فرمایا کہ غلط کہہ رہے ہو، اس سے بھی نعمتوں کے بارے سوال ہوگا،

کیا اس کے کھانے پینے اور اس کے پیشاب و پاخانہ کا راستہ صحیح نہیں ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ کھانے کا راستہ یا پینے کا راستہ بند فرما دیں یا ان کی نکاسی کا راستہ بند فرما دیں تو کیا ہو؟ یہ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف ایک مثال بیان فرمادی ورنہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں تو بے شمار ہیں

بدتر حال والے اور کبھی ایک سچا مؤمن یوں سوچتا ہے کہ میں اگر گرفتارِ بلا ہوں تو کیا ہوا مجھ سے بدتر حال والے لوگ بھی تو ہیں کیونکہ دنیا میں کوئی ایسی مصیبت اور بلا نہیں جس سے بڑی بلا نہ ہو۔ جب مسلمان اپنے سے بدتر اور کمزور لوگوں کی حالت پر نظر رکھتا ہے تو اُسے شکر کی توفیق ہوتی ہے اور اگر وہ ہمیشہ اپنے سے زیادہ مالدار اور خوشحال لوگوں پر ہی نظر رکھے تو وہ ناشکرا بن جاتا ہے اور مالی دنیا میں مسابقت کا جذبہ اُس کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دین کے اعتبار سے اُس کو دیکھو جو تم سے آگے ہے (تاکہ تمہارے دل میں مزید عبادت کا جذبہ پیدا ہو) اور دنیا کے اعتبار سے اس کو دیکھو جو تم سے پیچھے اور کمتر ہے (تاکہ تمہیں خدا کا شکر کرنے کی توفیق ہو) جبکہ ہمارا حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ ہم دین کے اعتبار سے ان کو دیکھتے ہیں جو ہم سے پیچھے ہیں، یہ سوچتے ہیں کہ میں تو پانچ نمازیں پڑھتا ہوں، فلاں تو ایک بھی نہیں پڑھتا، میں تو روزانہ ایک پاؤ تلاوت کرتا ہوں فلاں تو کچھ بھی تلاوت نہیں کرتا۔ ہم یہ نہیں سوچتے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ ایسے بندے بھی تو ہیں جو فرض نمازوں کے ساتھ تہجد اشراق، چاشت اور اوابین جیسی نفلی نمازیں بھی ادا کرتے ہیں اور وہ لوگ بھی تو ہیں جو روزانہ دس دس پارے تلاوت کرتے ہیں۔ اور ہم دنیا کے اعتبار سے اُن لوگوں پر نظر رکھتے ہیں جو ہم سے زیادہ مالدار اور خوشحال ہیں اسی لئے

ہر شخص پریشان ہے کیونکہ جن لوگوں جیسا وہ مالدار بننا چاہتا ہے اُن جیسا بن نہیں سکتا۔ بڑا مکان نہیں بنا سکتا تو پریشان ہوتا ہے، کار نہیں خرید سکتا تو پریشان ہوتا ہے، فریج، ٹی وی اور وی سی آر حاصل نہیں کر سکتا تو پریشان ہوتا ہے لیکن اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق اپنے سے زیادہ غریب اور کمتر لوگوں پر نظر رکھی جائے تو پریشانیاں بھی دور ہونگی اور شکر کی بھی توفیق نصیب ہوگی۔

شیخ سعدیؒ کا واقعہ شیخ سعدی پر ایک وقت ایسا آیا کہ گرمی کا زمانہ تھا اور ان کو پہننے کے لئے جوتا بھی میسّر نہیں تھا۔ دل میں شکوہ سا پیدا ہوا کہ اے اللہ تو نے اپنے نافرمانوں کو کتنی بڑی بڑی نعمتوں سے نواز رکھا ہے اور میں تیرا چاہنے والا ہوں مگر مجھے جوتا بھی میسّر نہیں، اسی اثناء میں ظہر کی نماز کا وقت ہوگیا، نماز پڑھنے کے لئے شیخ سعدیؒ مسجد میں تشریف لے گئے، مسجد کی سیڑھیوں پر ایک ایسے نوجوان پر نظر پڑی جس کے سرے سے پاؤں ہی نہیں تھے فوراً سجدے میں گر پڑے اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ کم از کم میرے پاؤں تو ہیں۔

رابعہ بصری کا واقعہ اور کبھی مسلمان یوں سوچتا ہے کہ یہ تکلیفیں اور مصیبتیں میری آزمائش اور میرے درجات کی بلندی کے لئے ہیں۔

بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

حضرت رابعہ بصری رحمہا اللہ تعالیٰ کہیں جا رہی تھیں، ٹھوکر لگی، پاؤں کے انگوٹھے پر زخم آیا، خون نکل پڑا، اُسے دیکھ کر ہنسنے لگیں، خادم نے دریافت کیا کہ حضرت کیا بات ہے؟ فرمایا زخم آیا، تکلیف ہو رہی ہے اُس پر جب میری نظر گئی تو اس کی مسرّت پر مجھے ہنسی آرہی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کو جو بھی کوئی دکھن یا تھکن یا فکر یا رنج یا تکلیف یا گھٹن پہنچتی ہے یہاں تک کہ (اگر) کانٹا ہی ایک بار لگ جاتا ہے تو ضرور ان چیزوں کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رب سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ قسم ہے میری عزت وجلال کی جس بندے کو میں دنیا سے نکال کر بخشنا چاہتا ہوں تو اس کے سارے گناہوں کو جو اس کے ذمہ ہوتے ہیں بدن میں مرض پیدا کر کے اور رزق میں تنگی کر کے معاف کر دیتا ہوں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب خدا تعالیٰ اپنے بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے تو دنیا ہی میں اُس کو عذاب دیتا ہے (جس کی وجہ سے گناہ یہیں معاف ہو جاتے ہیں) اور جب خدا تعالیٰ بندے کو خرابی میں مبتلا فرمانا چاہتے ہیں تو اس کے گناہوں کے سبب جو مصیبت آنی ہوتی ہے اس کو روک لیتے ہیں حتیٰ کہ قیامت کے روز اس کے گناہوں کی پوری سزا دیدیں گے (ترمذی)

ان حدیثوں سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ مصیبت چھوٹی ہو یا بڑی مومن بندے کے حق میں وہ بھی نعمت ہے، یوں تو اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ عافیت کا سوال کرتے رہنا لازم ہے اور مصیبتوں کی تمنا نہیں کرنی چاہیے لیکن جب کوئی جسمانی یا مالی یا معاشی تکلیف پہنچ جائے تو ثواب کی پختہ امید رکھتے ہوئے اور گناہوں کے کفارے کا یقین کرتے ہوئے صبر کے ساتھ برداشت کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ کتنا بڑا فضل وکرم ہے کہ فانی اور تھوڑی سی زندگی میں گناہوں کے سبب دُکھ تکلیف پہنچا کر اپنے مؤمن بندوں کو گناہوں سے پاک وصاف فرما کر

اُٹھا لیتے ہیں اور مرنے کے بعد کی زندگی کو "حیاتِ طیبہ" بنا دیتے ہیں، جو شخص مرنے کے بعد کی کٹھن گھاٹیوں کی مصیبت سے بچا دیا گیا اور جنت کی نعمتوں سے نواز دیا گیا وہ بہت بڑا کامیاب ہے، اللہ جل شانہٗ نے مصائب اور تکالیف کے ذریعے مؤمن بندوں کے لئے کفارۂ سیّئات کا قانون بنا کر آخرت کے عذابوں سے محفوظ رکھنے کا انتظام فرما دیا ہے، اللہ تعالیٰ خالق اور مالک ہیں ان کو یہ بھی اختیار ہے کہ مصیبت پر نہ تو ثواب دیں اور نہ اس کو گناہوں کا کفارہ بنائیں اور یہ بھی اختیار ہے کہ ہر گناہ کی سزا آخرت ہی میں دیں لیکن انھوں نے محض اپنے فضل و کرم سے آخرت کے عذابوں سے محفوظ رکھنے کا راستہ پیدا فرما دیا، فللہ الحمد والمنۃ۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی کو مرض وغیرہ کے ذریعے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو گرا دیتے ہیں جیسے درخت اپنے پتّے گراتا ہے (بخاری و مسلم)

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلا شبہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی (خاص) مرتبہ ملنا مقدر ہو جائے جس کو وہ اپنے عمل سے نہ پہنچے تو اللہ تعالیٰ جسم یا مال یا اولاد میں مصیبت بھیج کر اس کو مبتلا فرماتے ہیں پھر صبر (بھی) دیدیتے ہیں یہاں تک کہ وہ اُس مرتبے کو پہنچ جاتا ہے جو اللہ کی طرف سے اس کے لئے مقرر ہو (احمد و ابو داؤد)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن مرد و عورت کے جان، مال اور اولاد میں برابر مصیبت پہنچتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالےٰ سے اس حال میں ملاقات کرتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں رہتا (ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب بندے کے گناہ بہت ہو جائیں اور کفارہ کرنے والے اعمال نہ ہوں تو اس کو اللہ تعالیٰ (کسی) رنج میں مبتلا فرما دیتے ہیں تاکہ گناہوں کا کفارہ ہو جائے۔ (احمد)

بہر حال عرض یہ کر رہا تھا کہ مصیبتیں اللہ والوں پر بھی آتی ہیں لیکن وہ تعلق مع اللہ کی وجہ سے، ان مصیبتوں پر دل شکستہ اور مایوس نہیں ہوتے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اطاعت کی وجہ سے جس قدر اللہ تعالیٰ سے قرب ہوگا اسی قدر زیادہ اطمینان ہوگا اگرچہ مصیبت ہی کیوں نہ ہو

حضرت موسیٰؑ کا جواب | اس پر ایک حکایت یاد آئی کہ افلاطون نے حضرت موسیٰ سے پوچھا کہ جب آسمان کمان ہو اور دنیا کی مصیبتیں تیر ہوں اور خدا تعالیٰ نشانہ لگانے والے ہوں تو آدمی کہاں جا کر بچے، حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ تیر چلانے والے کے پاس جا کھڑا ہو، کیونکہ تیر دور والے پر چلاتے ہیں۔ کہنے لگا کہ بے شک آپ نبی ہیں، ایسا علم نبیوں ہی کا حصہ ہے۔ تو جب خدا تعالیٰ کی نزدیکی ہوگی تو حقیقت میں جس کا نام مصیبت ہے وہ نہیں آسکتی، یعنی تکلیف نہ ہوگی، چاہے صورت مصیبت کی ہو مگر دل میں بالکل خوش ہوگا۔

ایک بزرگ کی حکایت | ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میری توبہ کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک مرتبہ قحط کے زمانہ میں، میں نے ایک غلام کو دیکھا کہ نہایت ہی خوش ہے میں نے اس سے پوچھا کہ دنیا میں تو قحط ہے اور تو ایسا خوش ہے کہنے لگے کہ میں فلاں شخص کا غلام ہوں میرا کھانا کپڑا اس کے ذمہ ہے اور اس کے پاس ایک گاؤں ہے اس سے آمدنی آجاتی ہے وہ اس میں سے مجھے دونوں وقت کھانے کو دیتا ہے اس لئے میں بالکل بے فکر ہوں یہ سنکر ان کے دل پر ایک چوٹ لگی کہ تیرے مالک

کے پاس تو زمین اور آسمان کے خزانے ہیں اور پھر تو اس قدر فکر مند ہے تو واقعی جب خدا سے نزدیکی بڑھ جاتی ہے تو بے فکری ہو جاتی ہے، دیکھئے معمولی سے مالدار کے ساتھ تعلق ہو جانے سے کیسی بے فکری ہو جاتی ہے تو جو تمام خزانوں کا مالک ہے اس کے ساتھ تعلق رکھنے سے بے فکری کس طرح نہ ہو۔

ہندو بچے کی حاضر جوابی حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے ماتحت ایک ریاست کا ہندو راجہ مرگیا اس کا لڑکا کم سن تھا، اس لئے یہ امر قابلِ غور تھا کہ حکومت اس کے سپرد کی جائے یا نہیں آپ نے اس لڑکے کو معائنے کے لئے بلوایا، جب وہ حاضر ہوا اس وقت آپ حوض کے کنارہ پر تھے، دل لگی کے طور پر اس بچہ کو دونوں بازوؤں سے اُٹھا کر تالاب کے اوپر لٹکا کر فرمایا، چھوڑ دوں؟ اس نے کہا کہ جس کا ہاتھ آپ جیسے بادشاہ کے ہاتھ میں ہو اس کو ڈوبنے کا کیا خطرہ؟ آپ نے یہ عجیب جواب سُنکر حکومت اس کے سپرد کرنے کا فیصلہ فرما دیا۔

اس ہندو بچے کا ہاتھ بادشاہ کے ہاتھ میں تھا اس لئے وہ مطمئن تھا اُسے ڈوبنے کا خوف اور خطرہ نہیں تھا۔ اگر ہم بھی اپنا ہاتھ اللہ کے ہاتھ میں دے دیں تو انشاء اللہ تمام پریشانیاں ختم ہو جائیں گی، اور اللہ کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا مطیع اور فرمانبردار بن جائے اور اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی کے تابع کر دے۔

اکابر کے چند واقعات میں اس سلسلہ میں اکابر علماء دیوبند کے چند واقعات عرض کرنا چاہتا ہوں اور بات یہ ہے کہ میرے اکابر تسلیم و رضا کی زندہ تصویریں اور اسلامی اخلاق و اوصاف کی چلتی پھرتی تعبیریں تھے اس لئے مجھے تو اپنے اکابر کے واقعات اور حکایات میں بڑا مزا آتا ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ جو علماء دیوبند کے شیخ الشیوخ ہیں، ان کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ سخت بیمار ہوئے، خدّام نے ایک دن خلوت

میں قہقہہ کی آواز سُنی ، انھیں تعجّب ہوا کہ آپ تو سخت علیل ہیں آخر تنہائی میں ایسی کونسی بات آپ نے دیکھی جس پر آپ کو ہنسی آرہی ہے ۔ کچھ دنوں بعد افاقہ ہوا مزاج بھی ٹھیک تھا ، خدّام نے دریافت کیا حضرت فلاں دن کیا معاملہ پیش آیا تھا جس پر آپ بیماری کے باوجود ہنس رہے تھے ، فرمایا کہ اس وقت مرض میں ایسی لذّت آئی کہ بے اختیار ہنسی آگئی ۔

اللہ اکبر ! بیماری اور لذّت ! ہمارے لئے یہ کیسی تعجّب انگیز بات ہے ۔ مگر جو محبت گزیدہ اور عشق چشیدہ لوگ ہیں ان کو واقعی زخموں میں بھی لذّت محسوس ہوتی ہے ان کو کانٹوں کی چبھن میں پھولوں کی نزاکت کا مزہ آتا ہے ۔

دین پور شریف کے مورثِ اعلیٰ حضرت مولانا غلام محمد صاحب قدس سرہ کے شیخ و مربّی قبلہ حضرت حافظ محمد صدّیق بھرچونڈی رحمہ اللہ دردِ گردہ میں مبتلا تھے ۔ یہ درد کبھی کبھی اس شدّت سے اُٹھتا کہ خدا کی پناہ ! دیکھنے والوں کا کلیجہ منہ کو آتا تھا بیماری کا علاج کروانا اگرچہ توکّل کے خلاف نہیں ہے لیکن حافظ صاحب پر تفویض و توکّل اور راضی برضا رہنے کا ایسا غلبہ تھا کہ اس تکلیف دہ مرض کا کبھی علاج نہ کرایا بلکہ جب بھی درد کا دورہ پڑتا حجرہ مبارک میں ٹھنڈی ریت ڈلوا کر اندر سے دروازہ بند کرلیتے اور گھنٹوں ریت پر لوٹ پوٹ ہوتے رہتے اور کہنا چاہئے کہ درد والم سے لطف اندوز ہوتے رہتے زبان پر یہ شعر جاری رہتا ۔

لطف سجن دم بدم قہرِ سجن گاہ گاہ
اِین وی سجن واہ واہ تے اوں وی سجن واہ واہ

یعنی محبوبِ حقیقی کی جانب سے لطف و کرم تو ہر دم رہتا ہے مگر اس کی جانب سے درد والم کبھی کبھار ہوتا ہے مگر ہم ہر حال میں اس کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور واہ واہ کہتے ہیں ۔ بیماری اور تکلیف پر شکوہ کرنا ہمارے بزرگوں کا شیوہ نہیں اس کی وجہ یہ ہے

کہ غم اور پریشانی کی وجہ سے دل میں عاجزی اور رقّت پیدا ہوتی ہے اور اس حالت میں اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت متوجہ ہوتی اسی لئے تو فرمایا اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔ اس مضمون کو حضرت اصغر گونڈویؒ نے خوب بیان فرمایا ہے

خوشا حوادثِ پیہم، خوشا یہ اشکِ رواں
جو غم کے ساتھ ہو تم بھی تو غم کا کیا غم ہے

غم اور پریشانی کی وجہ سے جو دل شکنی ہوتی ہے اور آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں اسی شکستہ دلی اور گریہ وزاری پر تو رحمتِ حق متوجہ ہوتی ہے مولانا رومؒ فرماتے ہیں

ے تا نہ گرید طفل کے جوشد لبن
تا نہ گرید ابر کے خندد چمن

ترجمہ: جب تک بچہ روتا نہیں ماں کے سینہ میں دودھ کب جوش مارتا ہے اور جب تک بادل برستا نہیں اس وقت تک چمن کب سرسبز و شاداب ہوتا ہے۔

ے ہر کجا اشک روان رحمت بود
ہر کجا آب روان خضرت بود

ترجمہ: جس جگہ آنسو رواں ہوتے ہیں اسی جگہ رحمت ہوتی ہے جس جگہ پانی رواں ہوتا ہے اسی جگہ سرسبز و شادابی ہوتی ہے۔

زاری و گریہ عجب سرمایہ است
رحمتِ کلّی قوی تر دایہ است

ترجمہ: گریہ وزاری عجیب پونجی ہے، خدا کی رحمت بہت قوی دایہ ہے

مایہ در بازارِ دنیا این زر ہست
مایہ ایں جا عشق و دو چشم تر است

ترجمہ: دنیا کے بازار کا سرمایہ تو سونا چاندی ہے اور حق تعالےٰ کی

بارگاہ کا سرمایہ عشق اور دورونے والی آنکھیں ہیں

حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ سخت بیماری اور تکلیف کا اظہار بھی نہیں کرتے تھے اور زبان سے ظاہر کرنے کو اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرنا سمجھتے تھے جس کا نتیجہ تھا کہ مخلص سے مخلص حاضر باش کو بھی پتہ نہ چلتا تھا کہ آپ کو تکلیف ہے۔ ایک بار حاضرین نے دیکھا کہ نماز کے لئے مسجد کو جاتے وقت آپ کے پاؤں میں لنگڑاہٹ ہے تو انہوں نے پوچھا کہ حضرت! کیا کوئی تکلیف ہے مگر آپ نے فرمایا نہیں الحمدللہ ہر طرح راحت ہے کئی دن متواتر اسی حال پر گذر گئے آخر چھٹے ساتویں دن مسجد کو جاتے ہوئے شلوار خون اور پیپ سے بھر گئی اور اس وقت خدام کو پتہ چلا کہ دمل تھا جو اندر ہی اندر پک رہا تھا اور آپ نہ زبان سے ذکر فرماتے تھے نہ چلنے میں اثر محسوس ہونے دیتے تھے۔

ایک مخلص طبیب نے آپ کے آخری مرض میں نبض دیکھ کر عرض کیا کہ حضرت آپ کو تو بہت پرانا بخار معلوم ہوتا ہے اور ایسا بخار ہے جو کسی شدید غم کی وجہ سے لاحق ہوا ہے اور اندر ہی اندر گھلا رہا ہے، آپ نے آج تک کسی کے سامنے اس بیماری کو اور اس کی وجہ کو بیان نہ کیا تھا لیکن برسہا برس اس بیماری میں گھلنے پر اس وقت آپ کو جوش آگیا اور فرمایا ہاں حکیم صاحب سچ فرمایا مجھے یہ بخار اس وقت شروع ہوا جس دن حضرت گنگوہیؒ نے دنیا کو الوداع کہا اور اس کا بدن پر ظہور اس دن ہوا جس دن خبر سُنی کہ مولانا محمود حسنؒ مالٹا میں قید ہو گئے آج مولانا رہا ہو کر تشریف لے آئیں تو کچھ نہ سہی ایک دفعہ تو جھرجھری لے کر اُٹھ ہی کھڑا ہوں گا۔ اتنا فرما کر چُپ ہو گئے مگر افسوس کہ اسیرِ مالٹا کے ہندوستان آنے سے قبل ہی آپ دنیا سے سُدھار گئے ؎

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زبان سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغزِ استخوان سوزد

چند مزید واقعات | حضرت بہلولؒ سے ایک شخص نے پوچھا کہ مزاج کیسا ہے، انھوں نے کہا اس شخص کے مزاج کی کیا کیفیت پوچھتے ہو کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اس کی خواہش کے مطابق ہوتا ہے۔ کہا یہ کس طرح ہو سکتا ہے، کہا یہ تو تم جانتے ہو کہ ہر بات خدا کے ارادہ اور خواہش کے موافق ہوتی ہے اور میں نے اپنی خواہش کو خدا کی خواہش میں مٹا دیا اور اس کے تابع کر دیا ہے۔ اب جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ میری خواہش کے موافق ہوتا ہے۔

شاہ دَوْلا کی حکایت | اسی طرح ایک حکایت مشہور ہے کہ پنجاب میں ایک بزرگ تھے، شاہ دولاؒ، ایک مرتبہ دریا زیادتی پر تھا اور ان کے گاؤں کی طرف چلا آرہا تھا، لوگوں نے ان بزرگ سے کہا کہ دعا کیجئے، گاؤں کے ڈوبنے کا اندیشہ ہے۔ ان بزرگ نے کہا کہ کل آنا ہم دعا کریں گے اور پھاوڑے ساتھ لے آنا، لوگ پھاوڑے ساتھ لے کر حاضر ہوئے تو فرمایا کہ دریا کا راستہ گاؤں کی طرف کھودنا شروع کر دو، لوگوں نے کہا اس طرح تو کل کی جگہ آج ہی گاؤں تباہ ہو جائے گا، فرمایا مجھ سے دعا چاہتے ہو تو یوں ہی کرو، کیوں کہ جدھر مولا اُدھر شاہ دولا۔ لوگ بھی ایسے معتقد تھے کہ گاؤں کی طرف راستہ کھودنے لگے، بس فوراً دریا دور ہٹ گیا۔ یہ حکایت تو بہت بڑی ہے، میرا مقصود یہ ہے کہ وہ جدھر خدا کی مرضی دیکھتے ہیں اُدھر ہی ہو جاتے ہیں۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ کی حکایت | حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ کے صاحبزادے پر ایک مقدمہ ہو گیا تھا، ایک حافظ لکھنؤ کے تھے، کہتے ہیں کہ مجھ کو تعجب تھا کہ سب کے لئے تو یہ دعا کرتے ہیں پر اپنے بیٹے کے معاملے میں کچھ نہیں کرتے۔ بس خواب میں دیکھا کہ مولانا آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھائے یہ عرض

کر رہے ہیں کہ یا اللہ! میں اپنے بیٹے کے بارے میں تو کچھ کہوں گا نہیں، جو آپ کی مرضی اسی پر راضی ہوں۔

پس جس کی یہ شان ہو کہ جو خدا کی مرضی ہو وہی اس کی مرضی ہو، اس کو کوئی ناگواری کیوں پیش آئے گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والوں پر کبھی کوئی مصیبت نہیں آتی۔ دیکھئے سنکھیا ایک کے لئے زہر ہے اور دوسرے کے حق میں دوا ہے، جس نے کسی تدبیر سے اس کا زہر مار دیا ہو، پس اللہ والے اس مصیبت کا زہر مار دیتے ہیں اور خدا کی محبت اور اس کی رضا پر راضی رہنے سے اس کی ساری تیزی کھو دیتے ہیں۔ اب نہ کہیں کوئی چیز کڑوی ہے نہ سنکھیا زہر ہے۔

اعمال کا نتیجہ خلاصہ یہ کہ جو واقع میں مصیبت ہے وہ گناہ ہی سے آتی ہے پس جب کوئی مصیبت آئے فوراً توبہ کرو اور اس توبہ پہ پکے رہو، یہ نہیں کہ شکوہ شکایت کرنے لگو، کیونکہ یہ ایک فضول بات ہے۔ حدیث میں تو یہاں تک آیا ہے کہ اگر حاکم وقت کی جانب سے بھی کوئی بات خلافِ مرضی کے پیش آئے تو حاکم کو برا بھلا مت کہو بلکہ خدا کو راضی کرو وہ حاکم کے دل کو بھی نرم کر دیں گے دیکھئے کتنی عمدہ بات سکھلائی ہے اور کس قدر فتنہ کی روک تھام کے لئے فرماتے ہیں کہ ان کے دل تو میرے قبضہ میں ہیں، جب میں تمہارے عمل برے دیکھتا ہوں ان کے دل سخت کر دیتا ہوں۔ تو جب حاکم کی طرف سے سختی دیکھو مجھے راضی کرو میں ان کے دلوں کو نرم کر دوں گا، پھر تمہارے ساتھ نرمی برتیں گے۔ کسی نے خوب کہا ہے اَعْمَالُکُمْ عُمَّالُکُمْ یعنی تمہارے عمل تمہارے حاکم ہیں۔

نادر شاہ کے زمانے کا ایک شخص کہتا ہے کہ نادر شاہ کی صورت میں ہمارے برے عمل ہم کو ستا رہے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ ظاہری کارخانہ باطن کے کارخانہ

کے تابع ہے۔ اول حکم وہاں سے صادر ہوتا ہے پھر اسی کے موافق یہاں ہوتا ہے

نعمت میں عذاب اور عذاب میں نعمت

جب اللہ تعالیٰ کی سچی محبت نصیب ہو جاتی ہے تو پھر تکلیف میں بھی لذّت محسوس ہوتی ہے، اسی لئے کسی شاعر نے کہا ہے

تیرے درد میں ہے درمان تیرے غم میں ہے مسرت
تیرے جور میں ہے لذّت تیرے قہر میں حلاوت
ہے قبول مجھ کو سب کچھ، ہو عتاب یا عنایت
نشود نصیبِ دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت

یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ وہ اپنے بعض بندوں کے لئے آگ کو بھی گلشن بنا دیتے ہیں، حالانکہ آگ تو خدا کا بہت بڑا عذاب ہے اور اپنے قریب آنے والی ہر چیز کو جلا کر راکھ بنا دیتی ہے۔ وہ نہ اپنے کو دیکھتی ہے نہ پرائے کو، نہ دوست کو نہ دشمن کو، نہ مومن کو نہ کافر، نہ عربی کو نہ عجمی کو۔ جیسا کہ حضرت ابراھیمؑ کے لئے آگ کو گلشن بنا دیا گیا اور اس میں حرارت کے بجائے برودت اور تپش کے بجائے ٹھنڈک اور راحت پیدا ہو گئی

اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے نعمتیں بھی وبال جان بن جاتی ہیں وہ چیزیں جو دوسروں کے لئے راحت رسانی کا کام دیتی ہیں وہ ان کے لئے اذیت اور پریشانی کا سبب بن جاتی ہیں

بیوی پریشانی کا سبب بن جاتی ہے،

اولاد ان کی زندگی اجیرن بنا دیتی ہے،

ان کی تجارت اور ان کا کارخانہ ان کا سکون غارت کر دیتا ہے

پانی خدا تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے، دنیا کی ہر چیز پانی سے زندہ ہے

مگر یہی پانی فرعونِ مصر کے لئے عذاب بن گیا ، فرعون کو پانی میں غرق کر کے دنیا کے لئے عبرت کا نشان بنا دیا گیا۔

عرض یہ کر رہا تھا کہ پریشانیاں اہل اللہ پر بھی آتی ہیں اور فاسقوں اور فاجروں پر بھی آتی ہیں لیکن اہل اللہ پہ پریشانیاں ترقی درجات اور آزمائش کے لئے آتی ہیں اور دنیا داروں پر تکلیفیں اور مصیبتیں ان کے گناہوں اور اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بغاوت کی وجہ سے آتی ہیں اور یہ مضمون متعدد آیات اور احادیث میں بیان ہوا ہے ایک جگہ فرمایا :

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى سورۃ طٰہٰ پ ۱۶ ع ۱۶	اور جو شخص میری اس نصیحت سے اعراض کرے گا تو اس کے لیے تنگی کا جینا ہوگا اور قیامت کے روز ہم اس کو اندھا کر کے (قبر سے) اُٹھائیں گے وہ (تعجب سے) کہے گا کہ اے میرے رب آپ نے مجھ کو اندھا کر کے کیوں اٹھایا میں تو (دنیا میں) آنکھوں والا تھا، ارشاد ہوگا کہ ایسا ہی (تجھ سے عمل ہوا تھا اور وہ یہ کہ) تیرے پاس ہمارے احکام پہنچے تھے پھر تو نے ان کا کچھ خیال نہ کیا اور ایسا ہی آج تیرا کچھ خیال نہ کیا گیا

جو شخص اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اعراض کریگا اُس پر دنیا کی زندگی تنگ ہو جائے گی ہر طرف سے ناموافق حالات کا سامنا کرنا پڑیگا اور سب کچھ ہونے کے باوجود وہ پریشان رہے گا اور آخرت میں اُسے اندھا کر کے اُٹھایا جائے گا

اور یہ اس لئے ہوگا کہ دنیا میں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے احکام و فرائض سے اندھا بنا ہوا تھا۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ سورۃ النحل پ۱۴ ع ۲۱	اور اللہ تعالیٰ ایک بستی والوں کی حالتِ عجیبہ بیان فرماتے ہیں کہ وہ (بڑے) امن و اطمینان میں (رہتے) تھے اور ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت سے ہر چہار طرف سے ان کے پاس پہنچا کرتی تھیں سو انھوں نے خدا کی نعمتوں کی بے قدری کی اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان حرکات کے سبب سے ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز ہماری طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ اے مہاجرین! پانچ چیزوں میں جب تم مبتلا ہو جاؤ اور خدا نہ کرے کہ تم مبتلا ہو (تو پانچ چیزیں بطورِ نتیجہ ضرور ظاہر ہوں گی۔ پھر ان کی تفصیل فرمائی کہ) جب کسی قوم میں کھلم کھلا بے حیائی کے کام ہونے لگیں تو ان میں ضرور طاعون اور ایسی ایسی بیماریاں پھیل پڑیں گی جو ان کے باپ دادوں میں کبھی نہیں ہوئیں، اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگے گی تو قحط اور سخت محنت اور بادشاہ کے ظلم کے ذریعے ان کی گرفت کی جائے گی اور جو لوگ اپنے مالوں کی زکوٰۃ روک لیں گے اُن سے بارش روک لی جائے گی (حتیٰ کہ) اگر چوپائے (گائے بیل، گدھا، گھوڑا وغیرہ) نہ ہوں تو بالکل بارش نہ ہو، اور جو قوم اللہ اور اس کے رسول کے عہد کو توڑ دے گی خدا ان پر غیروں

میں سے دشمن مسلط فرمائیگا جو اُن کی بعض مملوکہ چیزوں پر قبضہ کرلیگا۔ اور جس قوم کے با اقتدار لوگ اللہ کی کتاب کےخلاف فیصلے دیں گے اور احکامِ خداوندی میں اپنا اختیار و انتخاب جاری کریں گے تو وہ خانہ جنگی میں مبتلا ہوں گے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جن لوگوں میں زنا اور سود ظاہر ہوجائے تو ان لوگوں نے اپنے نفسوں پر اللہ کا عذاب نازل کرلیا۔

حضرت ام المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہم اُس وقت بھی ہلاک ہوسکتے ہیں جب کہ ہمارے اندر صالحین موجود ہوں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ ہاں جب خباثت زیادہ ہوجائے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جب خیانت کا غلبہ ہوجائے اور خدا اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بغاوت اور مخالفت عام ہوجائے تو دنیا میں چند صلحاء کے موجود ہونے کے باوجود بھی مصیبتیں اور پریشانیاں اور ہلاکت اور بربادی نازل ہوسکتی ہے اور یہ تباہی سب پر نازل ہوگی۔

نیکوں پر بھی اور بدوں پر بھی،

فاسقوں فاجروں پر بھی اور نیک اور صالحوں پر بھی،

نمازیوں پر بھی اور بے نمازوں پر بھی۔

بخاری اور مسلم کی ایک روایت میں بھی یہ مضمون آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل فرماتے ہیں تو ان سب کو پہنچتا ہے جو اُن میں رہتے ہیں، پھر اپنے اپنے اعمال کے مطابق ہر ایک کا حشر ہوگا۔

شاید نیکوں پر عذاب اور پریشانی آنے کی وجہ یہ ہو کہ انہوں نے امر

بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام نہیں دیا ہوگا بلکہ گناہوں کا ارتکاب دیکھ کر بھی انہوں نے خاموشی اختیار کرلی ہوگی کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (ایک مرتبہ) اللہ عزوجل نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ فلاں شہر کو وہاں کی آبادی سمیت الٹ دو (یعنی زمین کا اوپر کا حصہ نیچے اور نیچے کا حصہ اوپر کردو تاکہ وہاں کے لوگ ہلاک ہوجائیں) جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار ان لوگوں میں فلاں تیرا بندہ ایسا ہے جس نے پلک جھپکنے کے برابر بھی تیری نافرمانی نہیں کی (کم ازکم اُس کی تو جان بخشی کردی جائے) اللہ پاک نے فرمایا اس سمیت شہر کو اُلٹ دو، کیونکہ میرے بارے میں کبھی بھی اس کا چہرہ نہیں بدلا

(بیہقی فی شعب الایمان)

یعنی خود تو وہ نیک ہے لیکن اس نے دوسروں کو بار ہا گناہ کرتے دیکھا، زبان سے منع کرنا تو درکنار اس کے ماتھے پر گناہ دیکھ کر کوئی شکن بھی نہیں پڑی اور گناہوں کے خلاف غصہ کا کوئی اثر اس کے چہرے پر کبھی محسوس نہیں کیا گیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بذاتِ خود نیک اور فرمانبردار بن کر بیٹھ جانا دین دار ہونے کے لئے کافی نہیں ہے دوسرے انسانوں کو بھی خدا پاک کے حکموں پر چلانے کی فکر لازم ہے۔

حاصل یہ کہ ہماری بے شمار انفرادی اور اجتماعی پریشانیوں کا سبب گناہوں کی کثرت ہے۔ جب تک ہم گناہ نہیں چھوڑیں گے، اسوقت تک ہمیں سکون اور سچی خوشی نصیب نہیں ہوسکتی۔ قرآن وحدیث کے واضح ارشادات کی موجودگی میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ:

تم دولت کے انبار لگالو،

تم فحاشی اور عریانیت کو عام کردو۔

تم میوزک کی محفلیں برپا کر لو،
تم حکومت و اقتدار میں بڑے بڑے عہدے حاصل کر لو،
تم منشیات کا استعمال کر کے دیکھ لو،
تم جمہوریت یا اشتراکیت کا انتخاب کر کے دیکھ لو،
تمہیں دل کا سکون اور سچی خوشی اللہ کے ذکر کے بغیر کبھی حاصل نہیں ہو سکتی،
تم جب تلک گناہوں کو نہیں چھوڑو گے تمہاری پریشانیاں کبھی دور نہیں ہوں گی،
آؤ آج ہم عہد کریں کہ آج کے بعد ہم کبھی بھی زندگی کے کسی شعبہ میں بھی کتاب و سنّت کی مخالفت نہیں کریں گے پھر دیکھنا تمہیں سکونِ قلب کیسے حاصل ہوتا ہے:
تمہارا گھر جنّت کا نقشہ پیش کریگا،
تمہیں روکھی سوکھی روٹی میں وہ لذّت نصیب ہو گی جو امراء کو مرغن غذاؤں میں نصیب نہیں ہوتی۔ تمہیں گھاس پھونس کے بستر پر ایسی پُرکیف نیند آئے گی جو خدا کے باغیوں کو حریر و کمخواب کے بستر پر نہیں آتی،
اور جب تک تم گناہ نہیں چھوڑتے تمہاری زندگی اجیرن رہے گی،
بیوی بچے باغی رہیں گے،
ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں اپنے گناہ کا اثر اپنے گدھے اور گھوڑے میں محسوس کر لیتا ہوں کیونکہ جب مجھ سے گناہ ہو جاتا ہے تو وہ بھی سرکشی کرنے لگتے ہیں،
ایک اللہ والے کے بارے میں لکھا ہے کہ انھوں نے ایک دن اپنی بیوی کو کسی کام کا حکم دیا مگر بیوی نے نافرمانی کی تو انھوں نے فوراً دو نفل توبہ کے ادا کئے، کسی نے پوچھا کہ اس موقع پر توبہ کرنے میں کیا تُک ہے، فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ مجھ سے کوئی گناہ ہو گیا ہے اسی لئے بیوی میری نافرمانی کر رہی ہے،
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں نافرمانی چھوڑ کر فرمانبردار بننے کی توفیق عطا فرمائے آمین

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ

امانت

دمِ تقریر تھی مسلم کی صداقت بیباک
عدل اس کا تھا قوی لوثِ مراعات سے پاک
شجرِ فطرتِ مسلم تھا حیا سے غمناک
تھا "امانت[۱]" میں وہ اِک ہستیِ فوق الادراک

وہ زمانے میں معزّز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

علامہ اقبال

[۱] بتغیرِ یسیر

" امانت صرف وہ نہیں جسے ہم امانت سمجھتے ہیں بلکہ ہر وہ چیز امانت ہے جس کے ساتھ کسی کا حق متعلق ہو اور جس کی حفاظت اور مالک کی طرف ادائیگی انسان پر لازم ہو اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ عالم کے پاس علم امانت ہے متولّی اور مہتمم کے پاس مسجد اور مدرسہ امانت ہے، بادشاہ اور فرمانروا کے پاس اقتدار امانت ہے، افسروں اور عہدیداروں کے پاس عہدہ اور منصب امانت ہے، صاحبِ ثروت کے پاس مال و دولت امانت ہے استاد کے پاس شاگرد امانت ہیں، باپ کے پاس اولاد امانت ہے، بیوی کے پاس عزّت و آبرو امانت ہے۔ ہر انسان کے پاس اُس کی جان اور اُس کے اعضاء امانت ہیں، ہماری زندگی بلکہ زندگی کا ایک ایک لمحہ امانت ہے

یوں تو یہ سب چیزیں امانت ہیں مگر میں سمجھتا ہوں کہ سب سے بڑی امانت وہ ہے جس کا بوجھ اُٹھانے سے ارض و سماء نے انکار کردیا، کوہ و شجر نے انکار کردیا۔ اور وہ ہے قرآن کی امانت، دین کی امانت، علم کی امانت، ہدایت کی امانت "
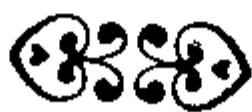
امانت

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ سیّدنا ورسولنا الکریم

امّا بعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّ اللہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا

(سورۃ النساء پ ۵ ع ۵)

بیشک اللہ تم کو فرماتا ہے کہ پہنچا دو امانتیں امانت والوں کو۔

وعن انس قال: قلّما خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا قال: لا ایمان لمن لا امانۃ لہٗ ولا دین لمن لا عھد لہٗ۔ (رواہ البیہقی)

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ بہت کم ایسا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے کوئی خطبہ پڑھا ہو (کوئی تقریر کی ہو) اور اس میں یہ نہ فرمایا ہو کہ جو شخص امین و دیانتدار نہ ہو اس کا ایمان کامل نہیں ہے اور جو شخص عہد کا پابند نہ ہو اس کا دین کامل نہیں ہے۔

وعن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: آیۃ المنافق ثلاث، زاد مسلم و ان صام وصلّی وزعم انّہ

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں، اور مسلم کی روایت میں ان الفاظ کے

مسلمٌ، ثُمَّ اتفقا اذا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَ اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ

بعد یہ لفظ ہیں کہ: اگرچہ روزہ رکھتا ہو، نماز پڑھتا ہو اور اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتا ہو(اور اس میں ان علامتوں میں سے کوئی علامت پائی جائے تب بھی وہ منافق ہی ہے) اس کے بعد بخاری اور مسلم دونوں کے متفقہ الفاظ یہ ہیں: بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو خلافِ وعدہ کرے، کوئی امانت اس کے پاس رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔

وعن عبد الله بن عمرو قال: قال رسول الله صلی الله علیہ وسلم: اربع من کن فیہ کان منافقا خالصا ومن کانت فیہ خصلۃ منھن کانت فیہ خصلۃ من النفاق، حتی یدعھا اذا اؤتمن خان واذا حدث کذب واذا عاھد غدر واذا خاصم فجر.

(متفق علیہ)

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص میں چار باتیں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے اور جس میں ان چاروں باتوں میں سے کوئی ایک بات پائی جائے اس میں نفاق کی ایک خصلت ہو گی، جب تک کہ وہ ان باتوں کو یا ان میں سے جو بات اس میں پائی جائے اس کو ترک نہ کرے (اور وہ چار باتیں یہ ہیں) امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے، بات کرے تو جھوٹ بولے، عہد کرے تو اس کو توڑ دے، اور کسی سے لڑے تو گالیاں بکے۔ (بخاری ومسلم)

حضراتِ گرامی قدر! خطبہ میں، میں نے جو آیت کریمہ تلاوت کی ہے اس آیت کا شانِ نزول تفسیر کی کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ عرب لوگ زمانہ جاہلیت میں

بھی کعبہ کی خدمت کو اپنے لیے عزت اور فخر کی بات سمجھتے تھے، اور انھوں نے کعبہ کی مختلف خدمتیں اپنے ذمہ لے رکھی تھیں ۔

دعوتِ فکر ! میں اس مقام پر ان لوگوں کو دعوتِ فکر دیتا ہوں جو مسلمان کہلواتے ہیں، جو محبتِ اسلام کے بڑے بڑے دعوے کرتے ہیں، لیکن اللہ کے گھر یعنی مسجد کی خدمت کرنے میں ان کو بڑی شرم محسوس ہوتی ہے اور خود مسجد کی خدمت کرنا تو دور کی بات ہے وہ مسجد کے خادموں کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ راشیوں، زانیوں، بدکاروں اور وڈیروں کے دفتروں، کمروں اور بنگلوں کی صفائی کرنے والے کو تو عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور بڑے فخر سے کہا جاتا ہے کہ یہ فلاں صاحب کے پی اون ہیں، لیکن جو اللہ کے گھر کا خادم ہو، جو مسجد کی صفائی کرتا ہو، جو مسجد میں اذان دیتا ہو یا جو مسجد میں نماز پڑھاتا ہو اسے معاشرہ کا حقیر اور ادنیٰ فرد سمجھا جاتا ہے۔ اس کے برعکس ان لوگوں کا طرزِ عمل دیکھئے :

جو زمانہ جاہلیت کی پیداوار تھے ،

جو تہذیب و تمدن سے ناآشنا تھے ،

جو کافر اور مشرک تھے ،

جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ لات و ھبل کے بھی پجاری تھے ،

جو تعظیم و تکریم کے شرعی قاعدوں اور ضابطوں سے ناواقف تھے ،

وہ بیت اللہ کی خدمت کو باعثِ شرف و کرم سمجھتے تھے، جس شخص کو کسی بھی شعبہ میں بیت اللہ کی خدمت کا شرف حاصل ہو جاتا تھا، اسے سوسائٹی میں اعلیٰ مقام دیا جاتا اور اُسے بڑا معزز اور محترم انسان سمجھا جاتا تھا اور ہر قبیلے کے سربراہ کی یہ کوشش اور خواہش ہوتی تھی کہ اسے اللہ کے گھر کی خدمت کا موقع مل جائے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس نے سقایہ یعنی حاجیوں کو زمزم پلانے کی ڈیوٹی اپنے ذمّہ لے رکھی تھی اور ابوطالب نے بھی بعض خدمات کے لئے اپنے آپ کو وقف کیا ہوا تھا۔ اسی طرح بیت اللہ کا کھولنا اور بند کرنا یہ عثمان بن طلحہ کے ذمّے تھا۔

عثمان بن طلحہ کا رویہ عثمان بن طلحہ کا اپنا بیان ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ہم پیر اور جمعرات کے روز بیت اللہ کو کھولا کرتے تھے، اور لوگ اس میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کرتے تھے، ہجرت سے پہلے ایک روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کچھ صحابہ کے ساتھ بیت اللہ میں داخل ہونے کے لئے تشریف لائے (اس وقت تک عثمان بن طلحہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے) انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر جانے سے روکا، اور انتہائی ترشی دکھائی، آپ نے بڑی بردباری کے ساتھ ان کے سخت کلمات کو برداشت کیا، پھر فرمایا: اے عثمان! شاید تم ایک روز یہ بیت اللہ کی کنجی میرے ہاتھ میں دیکھو گے، جبکہ مجھے اختیار ہوگا کہ جس کو چاہوں سپرد کردوں۔ عثمان بن طلحہ نے کہا کہ اگر ایسا ہوگیا تو قریش ہلاک اور ذلیل ہوجائیں گے۔ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں، اس وقت قریش آباد اور عزّت والے ہوجائیں گے، آپ یہ کہتے ہوئے کعبۃ اللہ کے اندر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد جب میں نے اپنے دل کو ٹٹولا تو مجھے یقین سا ہوگیا کہ آپؐ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ ہوکر رہے گا میں نے اسی وقت مسلمان ہونے کا ارادہ کرلیا لیکن میں نے اپنی قوم کے تیور بدلے ہوئے پائے، وہ سب کے سب مجھے سخت ملامت کرنے لگے، اس لئے میں اپنے ارادہ کو پورا نہ کرسکا۔ جب مکّہ فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلاکر بیت اللہ کی کنجی طلب فرمائی، میں نے پیش کردی۔

بعض روایات میں ہے کہ عثمان بن طلحہ کنجی لے کر بیت اللہ کے اوپر چڑھ گئے تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کے حکم کی تعمیل کے لئے زبردستی کنجی ان کے ہاتھ

سے لیکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدی تھی۔ بیت اللہ میں داخلہ اور وہاں نماز ادا کرنے کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو پھر کنجی مجھ کو واپس کرتے ہوئے فرمایا کہ لو اب یہ کنجی ہمیشہ تمہارے ہی خاندان کے پاس قیامت تک رہے گی۔ جو شخص تم سے یہ کنجی لے گا وہ ظالم ہوگا، مقصد یہ تھا کہ کسی دوسرے شخص کو اس کا حق نہیں کہ تم سے یہ کنجی لے لے۔ اسی کے ساتھ یہ ہدایت فرمائی کہ بیت اللہ کی اس خدمت کے صلہ میں تمہیں جو مال ملجائے اس کو شرعی قاعدہ کے موافق استعمال کرو۔

عثمان بن طلحہؓ کہتے ہیں کہ جب میں کنجی لے کر خوشی خوشی چلنے لگا تو آپؐ نے پھر مجھے آواز دی اور فرمایا: کیوں، عثمان جو بات میں نے کہی تھی وہ پوری ہوئی یا نہیں ؟ اب مجھے وہ بات یاد آ گئی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے فرمائی تھی، کہ ایک روز تم یہ کنجی میرے ہاتھ میں دیکھو گے، میں نے عرض کیا کہ بیشک آپؐ کا ارشاد پورا ہوا، اور اسوقت میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس روز جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ سے باہر تشریف لائے تو یہ آیت آپ کی زبان پر تھی اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا، اس سے پہلے یہ آیت میں نے کبھی آپؐ سے نہ سُنی تھی، ظاہر یہ ہے کہ یہ آیت اُس وقت جوفِ کعبہ میں نازل ہوئی تھی، اسی آیت کی تعمیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ عثمان بن طلحہ کو بلا کر کنجی ان کے سپرد کی۔ کیونکہ عثمان بن طلحہ نے جب یہ کنجی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی تو یہ کہکر دی تھی کہ "میں یہ امانت آپؐ کے سپرد کرتا ہوں" اگرچہ ضابطہ سے اُن کا یہ کہنا صحیح نہ تھا، بلکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ہر طرح کا اختیار حاصل تھا کہ جو چاہیں کریں لیکن قرآن کریم نے صورتِ

امانت کی بھی رعایت فرمائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی ہدایت کی کہ کنجی عثمان ہی کو واپس فرمادیں، حالانکہ اس وقت حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کی تھی کہ جس طرح بیت اللہ کی خدمت سقایہ اور سدانہ ہمارے پاس ہے یہ کنجی برداری بھی ہمیں عطا فرمادیجئے، مگر آیت مذکورہ کی ہدایت کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست رد کر کے کنجی عثمان بن طلحہ کو واپس فرمائی۔

مفہوم کی وسعت اگرچہ اس آیت کا شان نزول تو یہی واقعہ ہے لیکن اس آیت کا مفہوم بہت وسیع ہے کیونکہ کوئی آیت بھی اپنے شان نزول کے ساتھ خاص نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو قرآن حکیم کے بہت سارے احکام اور اوامر و نواہی پر عمل کرنے سے ہم محروم ہو جاتے، کیونکہ ہر حکم اور ہر امر و نہی کا کوئی نہ کوئی شان نزول تو ضرور ہے۔

عام طور پر لوگوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ امانت صرف یہ ہے کہ کسی کے پاس کچھ سامان یا روپیہ پیسہ حفاظت کی خاطر رکھوا دیا جائے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم صرف اسی بات کو امانت کہیں تو یہ امانت کے مفہوم کے ساتھ بہت بڑی خیانت ہوگی۔

آپ اس بات پر بھی غور فرمائیں کہ قرآن نے واحد کا صیغہ یعنی "امانۃ" استعمال نہیں کیا، بلکہ جمع کا صیغہ یعنی "امانات" استعمال کیا ہے۔ اس لفظ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امانتیں کئی قسم کی ہیں اور صرف وہ چیز امانت نہیں ہے، جسے ہم نے امانت سمجھ رکھا ہے۔ بلکہ ہر وہ چیز امانت ہے جس کے ساتھ کسی کا حق متعلق ہو اور جس کی حفاظت اور مالک کی طرف ادائیگی انسان پر لازم ہو۔ اس بنا پر کہا جا سکتا ہے:

عالم کے پاس علم امانت ہے ،
متولی اور مہتمم کے پاس مسجد اور مدرسہ امانت ہے ،
بادشاہ اور فرمانروا کے پاس اقتدار امانت ہے ،
افسروں اور عہدیداروں کے پاس اقتدار امانت ہے ،
صاحبِ ثروت کے پاس مال و دولت امانت ہے ،
استاد کے پاس شاگرد امانت ہیں ،
باپ کے پاس اولاد امانت ہے ،
بیوی کے پاس عزت و آبرو امانت ہے ،
ہر انسان کے پاس اس کی جان اور اس کے اعضاء امانت ہیں ،
ہماری زندگی ، بلکہ زندگی کا ہر ہر لمحہ امانت ہے ،
انسان کہتا تو یہی ہے کہ سب کچھ میرا ہے لیکن حقیقت میں اس کا تو کچھ بھی نہیں ہے ، انسان تو صرف متولی ہے ، نگران ہے ، محافظ ہے ، امین ہے ۔ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ اللہ کا دیا ہوا ہے اور اُسی کی امانت ہے ۔

جان ایک امانت ہے انسان کو سب سے زیادہ گھمنڈ تو اپنی جان پر ہے اپنی شنوائی اور بینائی پر ہے ، اپنی قوتِ عقل اور گویائی پر ہے لیکن یہ سب کچھ بھی اس کا نہیں ہے اسی لئے انسان کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالے نہ اُسے یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے آپ کو زخمی کرے یا اپنے اعضاء کو کاٹے بلکہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا خودکشی ہے اور خودکشی کرنا اسلام کی نظر میں ناقابلِ معافی جرم ہے ۔

خودکشی کرنے والے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنی جان کو ہلاک کیا قیامت میں اس کو بھی عذاب دیا جائیگا کہ جس طرح اپنی جان کو

ہلاک کیا اسی طرح دوزخ میں اپنی جان کو ہلاک کرتا رہے گا جس نے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرایا وہ پہاڑ سے گرایا جاتا رہے گا اور جس نے زہر پیا وہ زہر پلایا جاتا رہے گا، اور جس نے اپنے آپ کو چھری سے قتل کیا وہ چھری سے ذبح ہوتا رہیگا قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا : وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ ۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق انسان اپنی جان قربان کر دے، اپنا خون بہا دے، اپنے اعضاء کٹوالے تو اس پر اللہ تعالیٰ فخر کرتا ہے اور اس کی غیرت یہ بھی گوارا نہیں کرتی کہ ایسے شخص کو مردہ کہا جائے۔ قرآن حکیم میں ہے : وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ٥ ۔

لیکن اگر کوئی شخص خودکشی کرلے یا اپنے اعضاء کو کاٹ لے تو بہت بڑا جرم بن جاتا ہے، حالانکہ اُس نے کسی کو تو کچھ نہیں کہا، کسی کو زخمی نہیں کیا، کسی پہ ہتھیار نہیں اٹھایا، کسی کو ہلاک نہیں کیا۔ اس نے تو اپنے آپ ہی کو دُکھ دیا ہے اپنے اوپر ہاتھ اٹھایا ہے، پھر یہ جرم کیوں ہے ؟ اور جہاد میں جان دے دینا جرم کیوں نہیں، آخر ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ بات یہ ہے کہ جان اور زندگی جسم اور اعضاء یہ سب اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔ اسی امانت کو اگر دینے والے کے حکم کے مطابق استعمال کریگا تو عظیم عبادت ہوگی، بے مثال اجر و ثواب ہوگا، لیکن اگر اس امانت میں خیانت کریگا اور اُسے ایسی جگہ استعمال کرے گا جہاں استعمال کرنے کی اجازت نہیں تو یہ حکم عدولی ہوگی، گناہ ہوگا، جرم ہوگا۔

جہاد میں جان لڑانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے لہذا وہاں جان کو ہلاکت کے لیے پیش کرنا اجر و ثواب کا ذریعہ ہے، مقام اور مرتبہ کا سبب ہے لیکن خودکشی اور خود اذیتی کی صورت میں اپنے آپ کو نقصان پہنچانے سے جان کے مالکِ حقیقی نے

منع فرمایا ہے لہٰذا ایسا کرنا جرمِ عظیم اور گناہِ کبیرہ ہے۔

دولت امانت ہے اور مال و دولت جو انسان اپنے ہاتھوں سے کماتا ہے جس کے لئے وہ اپنی بہترین توانائیاں اور صلاحیتیں استعمال کرتا ہے، وہ بھی اُس کا اپنا نہیں ہے۔ اسی لئے تو قیامت کے دن اس وقت تک قدم اُٹھانے کی اجازت نہ ہوگی جب تک ہر مال والے سے یہ نہ پوچھ لیا جائے کہ یہ مال کہاں سے حاصل کیا اور کہاں خرچ کیا۔

انسان کی یہ فکر اور سوچ کہ مال میرا ہے، میں نے اپنے علم اور تجربے سے حاصل کیا ہے میں اسے جہاں چاہوں خرچ کروں مجھے کوئی روک نہیں سکتا۔ یہ تو قارون کا نظریہ ہے، یہ تو کافرانہ سوچ ہے، یہ تو مشرکانہ تھیوری ہے۔

قارون سے جب کہا جاتا : وَابْتَغِ فِيمَآ اٰتٰكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ○ (سورۃ القصص پ۲۰ ع۱۱)

ترجمہ : اور خدا نے تجھ کو جتنا دے رکھا ہے اس میں عالمِ آخرت کی بھی جستجو کیا کر اور دنیا سے اپنا حصّہ فراموش مت کر اور جس طرح خدا تعالیٰ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے تو بھی احسان کیا کر اور دنیا میں فساد کا خواہاں مت ہو، بیشک اللہ تعالیٰ اہلِ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

تو وہ اس کے جواب میں انتہائی متکبّرانہ انداز میں کہتا : قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ترجمہ : قارون کہنے لگا کہ مجھ کو تو یہ سب کچھ میری ذاتی ہنرمندی سے ملا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام جب مالی معاملات میں اپنی کافر قوم کو خدا سے ڈراتے تو وہ جواب میں کہتے قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ

مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ط اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ ○ (سورہ ھود پ۱۲ ع ۸)

ترجمہ : وہ لوگ کہنے لگے کہ اے شعیب کیا تمہارا تقدس تم کو تعلیم کر رہا ہے کہ ہم اُن چیزوں کو چھوڑ دیں جن کی پرستش ہمارے بڑے کرتے آئے ہیں یا اس بات کو چھوڑ دیں کہ ہم اپنے مال میں جو چاہیں تصرّف کریں، واقعی آپ ہیں بڑے عقلمند دین پر چلنے والے۔

مسلمان کی یہ سوچ نہیں بلکہ اس کی سوچ تو یہ ہے کہ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ، اور وَلِلّٰہِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔

اسلام نے کمانے کے بھی حدود مقرر کئے ہیں اور خرچ کرنے کے بھی حدود مقرر کئے ہیں نہ تو بلا روک ٹوک کمانے کی اجازت ہے اور نہ ہی جا و بے جا خرچ کرنے کی اجازت ہے ۔

پھر اس کمائے ہوئے مال پر خزانے کا سانپ بن کر بیٹھنے کی اجازت نہیں بلکہ حکم یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں کمائے ہوئے مال کو اللہ کی امانت سمجھو اور اسے اپنے اوپر، اپنے بچوں پر، اللہ کی نادار مخلوق پر اور دینِ اسلام کی نشر و اشاعت کیلئے قاعدے کے مطابق خرچ کرو

یاد رکھیں ، دنیا میں سارا بگاڑ ہی اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب انسان دولت کو امانت نہیں بلکہ اپنی محنت اور ذہانت کی دَین سمجھتا ہے، اگر انسان دولت کو خدا کی امانت سمجھے اور اس کے ذہن میں ہر وقت یہ بات مستحضر رہے کہ دینے والا قادر و مالک جب چاہے دولت چھین سکتا ہے وہ چاہے تو شاہوں کو گدا کر دے اور گداؤں کو شاہ کر دے ، فقیروں کو امیر اور امیروں کو فقیر بنا دے ، لکھ سے ککھ اور ککھ سے لکھ بنا دے ۔

اگر یہ سوچ پیدا ہو جائے ، یہ یقین دل میں بیٹھ جائے
تو پھر کوئی سرمایہ دار غرور اور تکبّر کا شکار نہ ہو ،
وہ کسی غریب انسان کو نفرت اور حقارت کی نظر سے نہ دیکھے ،
وہ کبھی خدائی کا دعویدار نہ ہو ،
اور پھر کبھی بھی دولت کے ڈھیر پر قارون بن کر نہ بیٹھے ،
اور پھر کبھی بھی کارخانہ دار اور مزدور کی جنگ نہ ہو ،
کہیں امیر اور فقیر باہم دست وگریباں نہ ہوں ،

سارا فساد تو اس ذہنیت کا ہے کہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ میں نے کمایا ہے وہ میرا ہے ، اُس کا تنہا میں مالک ہوں ۔ حالانکہ وہ یہ نہیں سوچتا کہ دولت کمانے کے لئے جس ذہانت کی ضرورت ہے وہ کس نے دی ہے دست وبازو کس نے دئے ہیں

اولاد امانت ہے اولاد بھی خدا کی امانت ہے ، ضروری نہیں کہ ہر نکاح کرنے والے جوڑے کو اولاد میسّر آجائے بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے یَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ○ (سورة الشوریٰ پ ۲۵ ع ٦)

ترجمہ : جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے ، یا ان کو جمع کر دیتا ہے بیٹے بھی اور بیٹی بھی ، اور جس کو چاہے بے اولاد رکھتا ہے ، بیشک وہ بڑا جاننے والا بڑی قدرت والا ہے

پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ اگر وہ اولاد دے تو واپس نہ لے بلکہ اس کی مرضی ہے کہ جب چاہے اپنی امانت واپس لے لے ۔ کوئی بچپن میں فوت

ہو جاتا ہے کوئی جوانی میں اور کوئی بڑھاپے میں۔ کسی نے خوب کہا ہے :

باغِ دنیا میں مرجھاتے ہیں یہ پھول　　کچھ کِھلے کچھ اَدھ کِھلے کچھ بِن کھلے

دوسرا شاعر کہتا ہے ؎

اس گلستاں میں بہت سی کلیاں مجھے تڑپا گئیں
کیوں لگی تھیں شاخ میں، کیوں بِن کھلے مرجھا گئیں

اولاد کے امانت ہونے کی بات حضرت اُمِ سلیم نے خوب سمجھائی ہے اور پوری امت کی ماؤں بہنوں کے لئے ایک عظیم مثال اور نمونہ قائم کر دیا ہے۔ حضرت ام سلیمؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خادمِ خاص حضرت انسؓ کی والدہ تھیں۔ اپنے شوہر کی وفات کے بعد انھوں نے حضرت ابو طلحہؓ سے شادی کر لی جن سے ابو عمیر پیدا ہوئے، جب کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لیجاتے تو ابو عمیر سے دل لگی اور مذاق بھی فرمایا کرتے تھے جو کہ حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے۔ اتفاق سے ابو عمیرؓ کا انتقال ہو گیا، ام سلیم نے اُن کو نہلایا دُھلایا، کفن پہنایا اور ایک چارپائی پر لٹا دیا۔ ابو طلحہؓ کا روزہ تھا، ام سلیم نے ان کے لئے کھانا وغیرہ تیار کیا اور خود اپنے آپ کو بھی آراستہ کیا، خوشبو وغیرہ لگائی، رات کو خاوند آئے، کھانا وغیرہ بھی کھایا، بچہ کا حال بھی پوچھا تو انھوں نے کہدیا کہ اب تو سکون معلوم ہوتا ہے بالکل اچھا ہو گیا ہے، وہ بے فکر ہو گئے، رات کو خاوند نے صحبت بھی کی، صبح جب وہ اٹھے تو کہنے لگیں کہ ایک بات دریافت کرنی تھی، اگر کوئی شخص کسی کو مانگی چیز دیدے پھر وہ اسے واپس لینے لگے تو واپس کر دینا چاہیئے یا اُسے روک لے اور واپس نہ کرے وہ کہنے لگے کہ ضرور واپس کر دینا چاہیئے، روکنے کا کیا حق ہے مانگی چیز کا تو واپس کرنا ہی ضروری ہے۔ یہ سُنکر ام سلیم نے کہا کہ تمہارا لڑکا جو اللہ کی امانت تھا وہ اللہ نے لے لیا، ابو طلحہؓ کو اس پر رنج ہوا اور

کہنے لگے کہ تم نے مجھ کو خبر نہ دی، صبح کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ابو طلحہؓ نے اس سارے قصّے کو عرض کیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی اور فرمایا کہ شاید اللہ جل شانہٗ اس رات میں برکت عطا فرمائیں۔ ایک انصاری کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت دیکھی کہ اس رات کے حمل سے عبداللہ بن ابی طلحہؓ پیدا ہوئے، جن کے نو بچے ہوئے اور سب نے قرآن شریف پڑھا

تو جو اولاد اللہ تعالیٰ نے ہم کو دی ہے یہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور اس بارِ امانت کی ادائیگی کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اولاد کی عملی اور اخلاقی تربیت اسلامی نہج پر کی جائے۔ جو لوگ چند ٹکوں کے لالچ میں اولاد کی تربیت میں غفلت کرتے ہیں وہ ایک بہت بڑی امانت میں بہت بڑی خیانت کرتے ہیں اور آج کل کے کالج اور یونیورسٹیاں بھی حقیقت میں تربیت گاہیں نہیں بلکہ قتل گاہیں ہیں جہاں سے فارغ ہونے والوں کی ایک بہت بڑی تعداد چور، ڈاکو، ہیروئنچی، راشی اور فراڈی بن کر نکلتی ہے، اسی لئے تو اکبر نے کہا تھا

یوں قتل سے بچوں کے بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ہم دیکھتے ہیں کہ بے شمار والدین ایسے ہیں کہ انھیں اپنی اولاد کی تربیت کی کوئی فکر نہیں۔

اولاد غلط محفلوں میں بیٹھے،
بری صحبت میں شب و روز گذارے،
منشیات کی عادی بن جائے،
ننگی اور بے ہودہ فلمیں دیکھے،
بے پردہ ہو کر غیر محرموں کے سامنے جائے،

عشق و محبت کی پینگیں بڑھائے،
رقص و سرود اور موسیقی کی تعلیم حاصل کرے،

والدین کی بلا سے ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی بلکہ ہمارا خوشحال طبقہ تو اولاد کے ان کمالات پر فخر کرتا ہے اور مہمانوں کے سامنے بڑے فخر کے ساتھ اپنی بیٹی کو پیش کرتا ہے کہ ماشاء اللہ اتنی سی چھوٹی عمر میں کتنا پیارا ڈانس کرتی ہے۔

اللہ کے بندو! سن لو، اولاد خدا کی نعمت ہے اس کے فساد اور بربادی کے ذمہ دار تم ہوگے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا قُوْا أَنْفُسَكُمْ اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور
وَأَهْلِيْكُمْ نَارًا (سورہ تحریم) اپنے اہل و عیال کو آگ سے

اللہ کے نبی نے ارشاد فرمایا کلکم راعٍ وکلکم مسئول عن رعیتہٖ تم میں سے ہر ایک راعی اور نگھبان ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اپنی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا (بخاری و مسلم)

اگر تم نے اپنی اولاد کو دنیا کی اندھی ہوس اور لالچ میں تباہ کر دیا تو قیامت کے دن تم اس سے بری الذمہ نہیں ہوگے اور اگر تم نے اولاد کی صحیح تربیت کر دی تو یہ صدقہ جاریہ ہوگا جس کا ثواب مرنے کے بعد بھی تم کو ملتا رہے گا، اللہ تعالیٰ کے سچے نبی نے ارشاد فرمایا :

اذا مات الانسان انقطع عمله جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع
الا من ثلاث صدقة جارية ہوجاتا ہے مگر تین چیزوں سے صدقہ جاریہ یا
او علم ينتفع به او ولدٍ صالح علم جس سے فائدہ ہو یا نیک اولاد جو اس کے لئے
يدعو له (مسلم) دعا کرے۔

علم امانت ہے علماء کرام کے پاس علم دین امانت بھی ہے اور نبی کی

وراثت بھی جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے دولتِ علم سے نوازا ہے انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ یہ انتہائی مقدس امانت ہے
جو ایک لاکھ چوبیس ہزار پاکیزہ قلوب پر نازل ہوئی ،
جس کے حاملین ہر دور کے مقتدا اور نبی اور مصلح و مرشد بنے۔
جس کے حاصل کرنے والے کو اللہ کے نبی نے بنی اسرائیل کے انبیاء جیسا قرار دیا ہے اور اس امانت کی ادائیگی یہ ہے کہ صاحبِ علم پہلے تو خود اس پر عمل کرے پھر ساری دنیا کو اس پر عمل کرنے کی دعوت دے ، دولتِ دنیا کی خاطر علمی وقار کو فروخت نہ کرے ، حق بات کبھی نہ چھپائے ، کسی حکمران یا سرمایہ دار کی خاطر مسائل میں تحریف نہ کرے اس لیے کہ مشہور ہے (زلۃ العالِم زلۃ العالَم) ایک عالم کی لغزش سارے جہاں کی لغزش اور گمراہی کا سبب بن سکتی ہے اور حضرت زیاد بن حدیرؓ سے روایت ہے : قال : قال لی عمر : ھل تعرف ما یھدم الاسلام قال : قلت : لا ، قال یھدمہ زلۃ العالم وجدال المنافق بالکتاب وحکم الائمۃ المضلین (رواہ الدارمی)
ترجمہ : مجھ سے حضرت عمرؓ نے پوچھا ، تم جانتے ہو اسلام کو تباہ و برباد کرنے والی کونسی چیز ہے ؟ میں نے کہا مجھ کو معلوم نہیں ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اسلام کو تباہ کرتا ہے پھسلنا عالم کا (یعنی اس کی غلطی یا گناہ) اور جھگڑنا منافق کا کتاب اللہ کے اندر اور تباہ کرتا ہے گمراہ سرداروں کا حکم جاری کرنا ۔
امانتِ علم کا حق یہ بھی ہے کہ اسے کبھی بھی دنیا کمانے کا ذریعہ نہ بنائے کیونکہ اللہ کے نبی کا ارشاد ہے

من تعلم علماً مما یُبتغی بہٖ وجہ اللہ لا یتعلمہ الا لیصیب	جس شخص نے اس علم کو سیکھا جس سے خدا تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے ،

به عرضًا من الدنیا لم یجد عرف الجنۃ یوم القیامۃ یعنی ریحھا — دنیا کمانے کے لئے وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہ سونگھ سکے گا۔ روا (ابوداؤد وابن ماجہ)

تاریخ گواہ ہے کہ جن علماء کو امانتِ علم کے بارِ گراں کا احساس تھا انہوں نے اپنا سب کچھ لٹا دیا، اپنے احساسات اور جذبات قربان کر دیئے، اپنی جوانیاں لٹا دیں، اپنی زندگیاں نچھاور کر دیں لیکن انہوں نے علم کے ساتھ خیانت کا رویّہ اختیار نہیں کیا۔ جو علماء سوء دولت کی چکاچوند پر علم کی عزت اور آبرو کو قربان کر دیتے ہیں اور حکمرانوں کو خوش کرنے کے لئے قرآن اور حدیث کے معنی بدلنے پر تیار ہو جاتے ہیں ایسے علماء خائن اور فریبی ہیں انہی کے بارے میں اللہ کے رسول نے فرمایا علماءھم شر من تحت ادیم السماء ان کے علماء آسمان کے نیچے رہنے والی مخلوق میں سے سب سے بدترین ہوں گے۔

شاگرد امانت ہیں اساتذہ کے پاس شاگرد امانت ہیں، ان کی صلاحیتیں امانت ہیں، ان کی زندگی امانت ہے، ان کا ایک ایک لمحہ امانت ہے۔ جو اساتذہ اپنے شاگردوں پر پوری توجہ نہیں دیتے یا جو ٹیچر اپنے تلامذہ کی صلاحیتوں کو غیر تعمیری کاموں میں ضائع کر دیتے ہیں یا جو کلاس میں پورا وقت نہیں دیتے وہ خیانت کے مرتکب ہو رہے ہیں، اور اسی خیانت کا نتیجہ ہے کہ آج کی درسگاہوں سے پڑھے لکھے لٹیرے اور علم فروش پیدا ہو رہے ہیں اور اساتذہ کی غیر ذمہ دارانہ حرکتوں کا نتیجہ ہے کہ آج کے طلباء کے ہاتھ اساتذہ کے گریبانوں تک جا پہنچتے ہیں، ورنہ کیا کبھی یہ تصوّر بھی کیا جا سکتا تھا کہ طالب علم ہو اور استاد کے سامنے اونچی آواز سے بات کرے، شاگرد ہو اور استاد کو گالی دے شاگرد ہو اور استاد پہ ہاتھ اُٹھائے۔

عہدہ ومنصب امانت ہے | مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم ومغفور نے لکھا ہے کہ حکومت کے عہدے اور منصب جتنے ہیں، وہ سب اللہ کی امانتیں ہیں، جس کے امین وہ حکام اور افسر ہیں جن کے ہاتھ میں عزل و نصب کے اختیارات ہیں، ان کے لئے جائز نہیں کہ کوئی عہدہ کسی ایسے شخص کے سپرد کر دیں جو اپنی عملی یا علمی قابلیت کے اعتبار سے اس کا اہل نہیں ہے بلکہ ان پر لازم ہے کہ ہر کام اور ہر عہدہ کے لئے اپنے دائرۂ حکومت میں اس کے مستحق کو تلاش کریں۔

کسی منصب پر غیر اہل کو بٹھانے والا ملعون ہے، پوری اہلیت والا سب شرائط کا جامع کوئی نہ ملے تو موجودہ لوگوں میں قابلیت اور امانت داری کے اعتبار سے جو سب سے زیادہ فائق ہو اس کو ترجیح دیجائے۔

ایک حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کو عام مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سپرد کی گئی ہو پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص کو محض دوستی و تعلق کی مد میں بغیر اہلیت معلوم کئے ہوئے دیدیا اس پر اللہ کی لعنت ہے، نہ اس کا فرض مقبول ہے نہ نفل یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل ہو جائے۔

(جمع الفوائد ص ۳۲۵)

بعض روایات میں ہے کہ جس شخص نے کوئی عہدہ کسی شخص کے سپرد کیا، حالانکہ اس کے علم میں تھا کہ دوسرا آدمی اس عہدہ کے لئے اس سے زیادہ قابل اور اہل ہے تو اس نے اللہ کی خیانت کی اور رسول کی اور سب مسلمانوں کی۔ آج جہاں نظام حکومت کی ابتری نظر آتی ہے وہ سب اس قرآنی تعلیم کو نظر انداز کر دینے کا نتیجہ ہے کہ تعلقات، سفارشوں اور رشوتوں سے عہدے تقسیم کئے جاتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نا اہل اور نا قابل لوگ عہدوں پر قابض ہو کر خلق خدا کو

پریشان کرتے ہیں، اور سارا نظامِ حکومت برباد ہو جاتا ہے۔

اس وقت تو ہمارے ہاں عہدوں کی تقسیم میں بندربانٹ والا اصول ملحوظ رکھا جاتا ہے، بڑے بڑے ذہین لوگ اس لئے ذلیل و خوار پھرتے ہیں کہ ان کے پاس کوئی سفارش نہیں، کسی بڑے افسر کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں، ان کے پاس رشوت دینے کے لئے پیسے نہیں۔ اور انگوٹھا چھاپ قسم کے لوگ صرف رشوت اور سفارش کے زور پر اونچے اونچے مناصب پر فائز ہیں۔

انتہا یہ ہے! آپ اندازہ کریں کہ ایک تو صحابہ کا وہ زرّین دور تھا کہ کسی عام محکمے میں بھی ملازمت کے لئے امیدوار سے پوچھا جاتا تھا کہ تم نے قرآن پڑھا ہے یا نہیں، حلال و حرام کا علم رکھتے ہو یا نہیں، ضروری مسائل جانتے ہو یا نہیں۔ اور ایک ہمارا دور ہے کہ ہمارے مذہبی امور کے وزیر ایسے افراد بنائے جاتے ہیں جو دین کی ابجد سے بھی واقف نہیں، جنہیں قرآن و سنّت کا کچھ بھی علم نہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے ہاں جسے بھی وزیر مذہبی امور مقرر کیا جاتا ہے وہ سب سے پہلے مذہب ہی کا مزاق اڑاتا ہے، اُس کی تنقید اور انگشت نمائی کا نشانہ سب سے پہلے مذہب بنتا ہے۔ اور حکومتِ وقت کے یہ زرخرید غلام چاہتے ہیں کہ اپنی من چاہی تاویلوں سے دین کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیں۔ کبھی تو وہ کہتے ہیں کہ اسلامی نظام فرسودہ ہو چکا ہے، اب تجدید کی ضرورت ہے، کبھی وہ رقص و سرود کو سندِ جواز دیدیتے ہیں، کبھی وہ میوزک کو عینِ اسلام ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کبھی وہ سنگ تراشی اور مصوری کو اسلامی ثقافت کا ایک حصہ سمجھتے ہیں

اسی قسم کے ایک مذہبی امور کے ماہر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اُس

نے نماز کے آخر میں سجدۂ سہو کیا تو اس سے پوچھا گیا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا تو اس نے جواب دیا کہ در اصل نماز کے دوران میرا وضو ٹوٹ گیا تھا تو اس کی تلافی کے لئے میں نے سجدۂ سہو کر لیا،

بتلائیے ؟ ایسے لال بجھکڑ اسلام کی خاک خدمت کریں گے ۔

اقتدار امانت ہے حکومت اور سلطنت بھی ایک امانت ہے۔ بلکہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی اور دوسرے بہت سارے مفسرین نے اس آیت کے بارے میں جو میں نے خطبہ میں تلاوت کی تھی، لکھا ہے کہ یہ آیت اہل حکومت کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اہل حکومت کا فرض ہے کہ وہ اہل حقوق کو اُن کے حقوق پہنچا دیں اور اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو وہ امانت میں خیانت کرتے ہیں ۔

حکمران کیسا ہو حکمران پر لازم ہے کہ وہ اپنی رعایا کے ساتھ نرمی اور محبت کا سلوک کرے، ان کے ساتھ سختی کا معاملہ نہ کرے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر دعا فرمائی اے اللہ! جو شخص میری امت کے کسی شعبہ کا نگران بنایا جائے اور اس کے باوجود وہ لوگوں پر بیجا سختی کرے تو تو بھی اس کے ساتھ سختی سے پیش آ، اور جو ذمہ داری قبول کرنے کے بعد لوگوں کے ساتھ نرمی کرے تو بھی اس کے ساتھ نرمی کا سلوک فرما،

حکمران پر لازم ہے کہ وہ اپنی رعایا کے دُکھ سُکھ میں شریک ہو، ان کی حفاظت اور نگرانی کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو شخص پبلک کی خدمت کے لئے متعین کیا جائے اور پھر وہ لوگوں کی حفاظت اور نگرانی اتنی نہ کرے جتنی کہ وہ اپنے گھر والوں کی حفاظت اور نگرانی کرتا ہے، تو ایسا شخص جنت کی بو بھی نہیں سونگھ سکے گا۔ چنانچہ خلفائے راشدین نے اس پر عمل کر کے دکھایا۔ موجودہ دور کے بادشاہوں

کو خلفاء راشدین کی سیرت و کردار کو اپنا آئیڈیل بنانا چاہیئے۔

حضرت عمر فاروقؓ ایک اندھی اپاہج بڑھیا کی رات کے وقت خبرگیری کیا کرتے تھے جو مدینہ طیبہ کے پاس کہیں رہا کرتی تھی، مگر چند روز کے بعد آپ نے دیکھا کہ کوئی شخص پہلے آکر اس کا کام کر جاتا ہے، آپ کو سخت حیرت ہوتی تھی کہ کون ایسا شخص ہے؟ آخر ایک رات یہ دیکھنے کے لئے کہ کون شخص آتا ہے، وہاں ٹھہر گئے، دیکھا تو صدیق اکبرؓ تھے۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا بھلا سوائے آپ کے اور کون ایسا ہو سکتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ جب سے میں خلیفہ ہوا ہوں جو کھانا کھایا وہ موٹا کھایا، بدن پر کپڑے موٹے پہنے۔ مسلمانوں کے مالِ غنیمت میں سے میرے پاس بجز اس حبشی غلام، اونٹ اور اس پرانی چادر کے اور کچھ نہیں ہے، میں مر جاؤں تو یہ چیزیں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دینا اور ان چیزوں سے بَری ہو جانا۔ حضرت عائشہؓ نے آپ کی وفات کے بعد ایسا ہی کیا۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ گرمیوں کی ایک دوپہر میں آرام فرما رہے تھے اور ایک لونڈی پنکھا جھل رہی تھی، پنکھا جھلتے جھلتے اس کی بھی آنکھ لگ گئی تو آپ پنکھا لے کر لونڈی کو جھلنے لگے، اس کی آنکھ کھلی تو گھبرا کر چلائی امیر المؤمنین یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ امیر المومنین نے لونڈی کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا میری طرح تم بھی انسان ہو، تم کو بھی گرمی لگتی ہے جس طرح تم مجھے پنکھا جھل رہی تھی اگر میں نے بھی جھل دیا تو مضائقہ کی کیا بات ہے؟

حکمران پر لازم ہے کہ رعایا میں عدل و انصاف کو عام کرے، ایسے قاضی اور جج مقرر کرے جو انصاف کو چند ٹکوں میں نہ بیچیں اور ان کی نظر میں امیر اور غریب برابر ہوں۔ اس سلسلہ میں حضرت علیؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ ان کی زرہ ایک دفعہ ایک یہودی نے لے لی تھی، آپ ہی کا زمانۂ خلافت تھا، آپ مدعی بن کر اپنے ملازم

قاضی شریح کے دربار میں جا کھڑے ہوئے اور اپنی گواہی میں حضرت حسنؓ اور اپنے غلام قنبر کو پیش کیا، قاضی نے ان کی شہادت لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ بیٹے کی شہادت باپ کے لئے اور غلام کی شہادت آقا کے لئے قبول نہیں کی جا سکتی اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا "آپ حسنؓ کی شہادت کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں حالانکہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے سنا ہے کہ حسنؓ اور حسینؓ دونوں جوانانِ جنّت کے سردار ہیں۔ کیا جنّت کے سرداروں کی شہادت مسترد کی جا سکتی ہے؟ قاضی ابو شریح نے کہا ہم زمین پر موجود ہیں اور آپ ذکر جنّت کا فرما رہے ہیں، آپ اپنے دعوے کی کوئی اور دلیل پیش فرمائیں یہودی یہ دیکھ کر سخت متحیّر ہوا کہ اسلام کا ایسا سچّا انصاف ہے۔ جب وہاں سے آپ کا دعویٰ خارج ہو گیا تو یہودی باہر نکل کر عرض کرنے لگا کہ آپ کی صداقت میں کوئی شک نہیں، یہ زرہ آپ کی ہے، یہ کہہ کر وہ بطیبِ خاطر مسلمان ہو گیا۔

حکمران پر لازم ہے کہ وہ بیت المال میں احتیاط کرے اور عوام کے مال و دولت میں کسی قسم کی خیانت نہ کرے۔ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کا مثالی دورِ حکومت اس سلسلہ میں مشعلِ راہ ہے۔ انہوں نے حضرت عمر فاروقؓ جیسے صحابہ کے اصرار پر اپنے لئے جو وظیفہ مقرر کیا وہ اتنا تھوڑا تھا کہ گھر میں کوئی اچھا کھانا نہیں پک سکتا تھا۔ ایک دفعہ اہلیہ نے میٹھا کھانے کی خواہش ظاہر کی تو صاف صاف فرما دیا اب اس سے زیادہ بیت المال سے نہیں لے سکتا۔ اور جب بیوی نے پیٹ کاٹ کاٹ کر ایک مدت میں کچھ پیسے اس کام کے لئے بچائے تو یہ حکم لکھ بھیجا کہ اتنی رقم میرے وظیفے سے کم کر دی جائے، کیونکہ اس کم کی ہوئی مقدار میں بھی کسی نہ کسی طرح گذارہ ہو جاتا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اپنی اہلیہ کی وہ بچائی ہوئی رقم بھی بیت المال میں بھجوا دی اور اس حساب سے جتنا روزانہ پڑتا

تھا اس کا تا وان بھی داخل کرا دیا۔

آج کا حکمران اقتدار کو امانت نہیں سمجھتا باپ دادا کی جاگیر سمجھتا ہے، بیت المال کو امانت نہیں سمجھتا بلکہ مالِ غنیمت سمجھتا ہے اور اس میں جیسے چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔

سب سے بڑی امانت یوں تو سب کچھ امانت ہے،

عالموں کے پاس علم امانت ہے،

دولت مندوں کے پاس دولت امانت ہے،

استاد کے پاس شاگرد امانت ہے،

والدین کے پاس اولاد امانت ہے،

حکمرانوں کے پاس اقتدار امانت ہے،

ہر نوجوان کے پاس اس کی جوانی امانت ہے،

ہر شخص کے پاس اس کی زندگی امانت ہے، اس کی عقل اور علمی صلاحیتیں امانت ہیں، اس کے اعضاء ہاتھ پاؤں، کان، آنکھ، دل و دماغ امانت ہیں، اور ان کے بارے میں قیامت کے دن سوال بھی ہوگا۔

اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا — کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی پوچھ ہوگی

(سورۂ بنی اسرائیل پ ۱۵ ع ۴)

کانوں سے کیا سنا، قرآن یا فحش میوزک اور عریاں موسیقی؟

آنکھوں سے کیا دیکھا، آیاتِ الٰہی کا مشاہدہ کیا یا غیر محرموں کے حسن کے نظارے کرتا رہا،

عقل و دماغ سے کیا کیا منصوبے باندھتا رہا شیطانی یا رحمانی،

پاؤں سے چل کر کہاں گئے تھے، مسجد میں یا میخانے میں، میدانِ جہاد میں یا بُت خانے میں ؟

ہاتھوں کو کہاں استعمال کیا کسی غریب پر ظلم ڈھایا یا کسی مظلوم کی دادرسی کی؟

جوانی کیسے گذاری، کہاں گذاری، رب کی اطاعت میں یا بغاوت میں ؟

ہاں تو یہ سب کچھ امانت ہے ۔ مگر آیئے میں آپ کو سب سے بڑی امانت کے بارے میں بتاؤں، جس امانت کا بوجھ زمین و آسمان نہ اُٹھا سکے، سر بفلک پہاڑ نہ اُٹھا سکے اور انسان نے اس بوجھ کو اپنے ناتوان کندھوں پر اٹھالیا، لیکن اس کا حق ادا نہ کرسکا۔

اور یہ وہ عظیم امانت ہے جس کی نسبت براہِ راست ربِ ذوالجلال کی طرف ہے ۔

یہ وہ امانت ہے کہ جب یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے ہوتی تھی تو آپ انتہائی ثقل اور بوجھ محسوس کرتے تھے، سخت سردی میں آپ کی مقدّس پیشانی پر پسینے کی بوندیں موتی بن کر جھلملانے لگتی تھیں ۔

یہ وہ امانت ہے جو ایک لاکھ سے زیادہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام کے حوالے وقتاً فوقتاً کی جاتی رہی ۔

ھاں، اسی امانت کے بارے میں ربِّ ذوالجلال نے ارشاد فرمایا :

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَیْنَ اَنْ یَّحْمِلْنَہَا وَاَشْفَقْنَ مِنْہَا وَحَمَلَہَا الْاِنْسَانُ اِنَّہٗ کَانَ ظَلُوْمًا جَہُوْلًا ۝	اور ہم نے یہ امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی تھی، سو انھوں نے اس کی ذمہ داری سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اپنے ذمہ لے لیا، وہ ظالم ہے جاہل ہے۔
سورۃ الاحزاب، پ۲۲	

ہاں، ہمارے پاس سب سے بڑی امانت قرآن ہے، سب سے بڑی امانت خدا کا دین ہے، سب سے بڑی امانت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی اور عملی وراثت ہے

دین کی امانت جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ ہوئی تو آپ نے اس امانت کا حق ادا کر دیا تھا

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ -

اے رسول جو کچھ آپ کے رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ سب پہنچا دیجئے اور اگر آپ ایسا نہ کریں گے تو آپنے اللہ کا ایک پیغام بھی نہیں پہنچایا۔

(سورۃ المائدہ پ ۶ ع ۱۴)

تو آپ نے یہ امانت دوسروں تک پہنچانے کے لئے اپنی ساری زندگی قربان کردی آپ نے نہ دن دیکھا نہ رات دیکھی، نہ صبح دیکھی نہ شام دیکھی نہ سردی دیکھی نہ گرمی دیکھی نہ بہار دیکھی نہ خزاں دیکھی

آپ نے نہ سب وشتم کی پرواہ کی نہ تمسخر اور طعنہ کی

تعذیب اور ایذا دہی کا کوئی حربہ آپ کا راستہ نہ روک سکا

آپ گالیوں اور پتھروں کی بارش میں بھی یہ امانت دوسروں تک پہنچاتے رہے ۔ یہاں تک کہ وہ وقت آپہنچا جب آپ عرفات کے تاریخی میدان میں اونٹنی پر سوار تھے، آپ نے اس مقدس مجمع سے سوال کیا و انتم تسألون عنی فما انتم قائلون لوگو! کل قیامت کے دن تم سے میرے بارے سوال ہوگا کہ میں نے دین کی امانت تم تک پہنچا دی تھی یا نہیں

لوگو! تم سے سوال ہوگا کہ میں نے یہ امانت تم تک پہنچانے میں کوئی کوتاہی تو نہیں کی ،

لوگو! میں قیامت کا دن آنے سے پہلے تم سے آج سوال کرتا ہوں کہ میں نے خدائی امانت تم تک پہنچادی ہے یا نہیں؟

آپ کے اس سوال کے جواب میں پورا مجمع پکار اٹھا قَالُوا نَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَاَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ،

ہماری جان آپ پر قربان پہنچانا کیا معنی آپ نے تو پہنچانے کا حق ادا کر دیا ہم میں سے وہ بھی تھے جنھوں نے آپ کو گالیاں دیں، بُرا بھلا کہا، راستے میں کانٹے بکھیرے، آپ کے جسم اطہر پر سنگ باری کی۔

مگر اے رسولِ ہاشمی! آپ نے اُن کو سینے سے لگایا، اُن کے راستے میں پھول بچھائے اُن کو دعائیں دیں اور اُن کے سینوں کو اس امانت کے نور سے منور کر دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف انگشتِ شہادت اٹھائی اور مجمع کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین بار ارشاد فرمایا: اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ، اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ، اَللّٰهُمَّ اَشْهَدْ

مجھے مقامِ نبوت پر فائز کرنے والے،

بارِ امانت میرے حوالے کرنے والے،

سُن لے گواہی ان سچے انسانوں کی جن کو تو نے خود رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ کی سند دی ہے، میں نے تیری امانت بلا کم و کاست ان تک پہنچادی ہے۔

پھر آپؐ نے ان برگزیدہ انسانوں سے کہا کہ اب اس امانت کو دوسروں تک پہنچانا یہ تمہاری ذمہ داری ہے۔

چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ صحابہ کرامؓ نے بھی امانت کو دوسروں تک پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔

آپ جانتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذات سے بھی محبت تھی

اور آپ کے متعلقات سے بھی محبت تھی، آپ کے شہر سے بھی محبت تھی اور اس شہر کے گلی کوچوں سے بھی محبت تھی، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ بہت کم صحابہ ایسے ہیں جن کی قبریں مدینہ منورہ میں ہیں۔ اکثر کی قبریں مدینہ سے بہت دور کے علاقوں میں ہیں جبکہ ہم میں سے گنہگار سے گنہگار انسان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اُسے مدینہ منورہ میں موت آئے اور اس کی قبر مدینہ منورہ میں بنے تو کیا صحابہؓ کی یہ خواہش نہیں تھی؟

تو بات یہ ہے کہ ان کی خواہش تو تھی لیکن صحابہ عظام کے سامنے دو راستے تھے ایک تو یہ کہ وہ مدینہ منورہ سے چمٹے رہیں اور کفر و شرک کی ظلمتوں میں ڈوبی ہوئی انسانیت کو ہدایت کے نور سے منور نہ کریں۔ اور دوسرا راستہ یہ تھا کہ دل میں عشق نبوی کی شمع جلائے ہوئے وہ مدینہ منورہ سے نکلیں اور عرب و عجم میں رہنے والے انسانوں تک دین کی امانت پہنچائیں۔ صحابہؓ نے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی تھی کہ ایک طرف اللہ کے نبی کی محبت تھی، دوسری طرف اللہ اور اس کے رسول کا حکم تھا کہ تم اس امانت کو دوسروں تک بھی پہنچاؤ، تو محبت پر حکم کی تعمیل غالب آئی، اور صحابہ عظام مدینہ منورہ سے محبت رکھنے کے باوجود

وہاں سے نکلے اور انہوں نے صحراؤں اور دریاؤں کو عبور کیا اور عربوں اور عجمیوں تک حق و صداقت کی امانت کو پہنچا دیا، اور میں صاف صاف کہتا ہوں کہ اگر صحابۂ عظام اور ان کے بعد اولیائے کرام اور ہمارے اسلاف اس امانت کی ادائیگی کی فکر نہ کرتے، اس کے لئے دربدر نہ پھرتے، اس کے لئے بحرِ ظلمات میں گھوڑے نہ دوڑاتے تو نہ معلوم آج ہم سکھ ہوتے یا ہندو، عیسائی ہوتے یا یہودی اور پارسی۔

اب اس امانت کے وارث ہم بنے ہیں اور میں آپ سب سے اپیل کرتا ہوں کہ

آپ ٹھنڈے دل ودماغ سے غور فرمائیں کہ کہیں ہم سے اس امانت کی ادائیگی میں خیانت تو نہیں ہو رہی۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہم اس عظیم امانت پر خزانے کے سانپ بن کر بیٹھے ہوئے ہیں نہ خود اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں نہ دوسروں تک اسے پہنچاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے اس جرم عظیم کو معاف فرمائے اور ہمیں ہر طرح کی امانت کی ادائیگی میں خیانت سے بچنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ
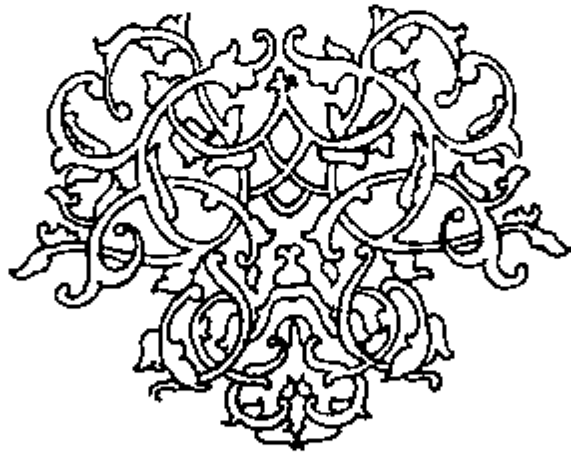
اسلام میں عورت کا مقام

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ درون
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشتِ خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا دُرِ مکنون

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے
ہند و یونان ہیں جس کے حلقہ بگوش
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مرد بیکار و زن تہی آغوش

"اگر آپ اسلام کا مطالعہ اس جہت سے کریں کہ اسلام سے پہلے عورت کو کیا مقام حاصل تھا اور اسلام نے اُسے کیا مقام دیا تو آپ بے ساختہ بول اٹھیں گے کہ عورت تحت الثریٰ تھی اسلام نے فوق الثریا پہنچا دیا، وہ گردِ راہ تھی اسلام نے اُسے سُرمۂ چشم (نورِ چشم) بنا دیا، وہ کانٹوں کے بستر پر تھی اسلام نے اُسے پھولوں کی سیج پر بٹھا دیا، وہ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھی اسلام نے اُسے زندگی عطا کر دی، وہ زیبِ میخانہ تھی اسلام نے اُسے زینتِ کاشانہ بنا دیا، وہ پامال تھی اسلام نے اسے باکمال بنا دیا، وہ برباد تھی ناشاد تھی اسلام نے اُسے شاد کیا، آباد کیا، اس کا کام صرف مرد کے دل کو لُبھانا تھا اسلام نے اُس کے ذمّے گھر کا سجانا لگا دیا۔ اگر اسلام عورت کو مقام نہ دیتا تو کوئی باپ بیٹی کی پیدائش پر سر اٹھا کر نہ چل سکتا، اگر اسلام عورت کو مقام نہ دیتا تو وہ ہمیشہ کی طرح بتوں اور دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھتی رہتی، اگر اسلام عورت کو عزّت نہ دیتا تو بیٹی کی تربیت جنت کی ضمانت نہ ہوتی ماں کی خدمت جنّت کا پروانہ نہ ہوتی"

اسلام میں عورت کا مقام

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

امّا بعد فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا

(سورۃ النساء پ۴ ع ۱۲)

اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار سے پیدا کیا اور اُس جاندار سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں، اور تم خدا تعالےٰ سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے مطالبہ کیا کرتے ہو اور قرابت سے بھی ڈرو، بالیقین اللہ تعالیٰ تم سب کی اطلاع رکھتے ہیں۔

فَاسْتَجَابَ لَھُمْ رَبُّھُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُکُمْ مِّنْ بَعْضٍ

(سورۃ آل عمران پ۴ ع ۱۱)

سو منظور کیا ان کی درخواست کو ان کے رب نے اس وجہ سے کہ میں کسی شخص کے کام کرنے والا ہو اکارت نہیں کرتا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو تم آپس میں ایک دوسرے کے جُزو ہو۔

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ
(سورۃ النساء پ۴ ع ۱۴)

اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گذران کیا کرو ،

ولهن مثل الذی عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ،
(سورۃ البقرہ پ۲ ع ۱۲)

اور عورتوں کے بھی حقوق ہیں جو کہ مثل اُن ہی حقوق کے ہیں جو ان عورتوں پر ہیں قاعدے کے موافق ، اور مَردوں کا اُن کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے ۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝
(سورۃ النساء پ۵ ع۲)

اور تم کسی ایسے امر کی تمنا مت کیا کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہو مردوں کے لیے اُن اعمال کا حصہ ثابت ہے، اور عورتوں کے لئے اُن کے اعمال کا حصہ ثابت ہے اور اللہ تعالےٰ سے اس کے فضل کی درخواست کیا کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔

قال: جاء رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أُرِيدُ الجهاد فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمُّكَ حَيَّةٌ ؟ قال: نَعَم، قال : اَلْزِمْ رِجْلَهَا فَثَمَّ الْجَنَّةُ ،
(رواه الطبرانی)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے جہاد کا ارادہ ظاہر کیا تو آپؐ نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تمہاری ماں زندہ ہے ؟ اس نے کہا ہاں ، تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کی خدمت کر اور اس کے قدموں میں بیٹھ کر وہیں جنّت ہے ۔

عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدُّنْیَا کُلُّھَا مَتَاعٌ وَخَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ ۔	عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کل کی کل برتنے کی چیز ہے اور اس دنیا کی بہترین متاع نیک عورت (بیوی) ہے ۔
عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْھَا قَالَتْ : قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (لوگو! جان لو) تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہو (اور جان لو کہ) تم میں سے سب سے بہتر اپنے گھر والوں سے حسنِ سلوک کرنے والا میں خود ہوں

گرامی قدر حاضرین! جدید تعلیم یافتہ حضرات جن کو پڑھے لکھے جاہل کہنا زیادہ مناسب ہے، ان کی طرف سے یہ بات تواتر کے ساتھ کہی جا رہی ہے کہ عورت ہمارے معاشرے کا مظلوم ترین طبقہ ہے، اس کے حقوق پائمال ہو رہے ہیں، اس کا استحصال ہو رہا ہے اور ساتھ ساتھ یہ بات بھی کہی جا رہی ہے کہ یورپ نے عورت کو آزادی دی ہے، اس کو حقوق دیئے ہیں اس کو مرد کے برابر لا کھڑا کیا ہے جس کی بدولت عورت خوب ترقی کر رہی ہے

میں آج کی نشست میں دلائل سے ثابت کروں گا کہ دنیا میں کسی مذہب اور قانون میں، کسی تمدن اور سوسائٹی میں عورت کو وہ مقام اور مرتبہ نہیں دیا گیا جو مقام اور مرتبہ عورت کو اسلام نے دیا ہے۔

عورت غیر اسلامی تہذیبوں میں | بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ مقام مرتبہ دنیا

دور کی بات ہے کہ اس کے بجائے غیر اسلامی تہذیبوں میں عورت کی حق تلفی ہوئی ہے اس کے ساتھ نا انصافی ہوئی ہے اُسے منحوس اور ذلیل سمجھا گیا ہے، اسے شیطان کی ایجنٹ قرار دیا گیا ہے اسے شر اور فساد کی جڑ ثابت کیا گیا ہے اور کہنے والے نے صحیح کہا ہے کہ "یہ بد نما داغ انسان کی پیشانی سے کبھی دھویا نہ جاسکے گا کہ جاہلیت میں مرد نے اسی گود کو بے عظمت و بے قیمت کیا جس میں خود پرورش پاکر آدمی بنا۔

قدیم یونان میں عورت کو شیطان کی بیٹی اور نجاست کا مجسمہ سمجھا جاتا تھا، وہ غلاموں کی طرح بازاروں میں بیچی جاتی تھی، میراث میں ان کا کوئی حق نہ تھا۔

رومیوں نے عورت کو جانور کا مقام دیا تھا، نکاح کو عورت کے خریدنے کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا، اصولاً عورت کو ہمیشہ نابالغ سمجھا جاتا تھا، معمولی قصور پر عورت قتل کر دی جاتی تھی،

اہلِ عرب زمانۂ جاہلیت میں لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے، ان کی کفالت کو ایک بوجھ سمجھا جاتا تھا، ان کی خرید و فروخت ہوتی تھی، ان کو رہن اور ضمانت کے طور پر رکھا جاسکتا تھا۔

یہودیوں کے ہاں کافی عرصہ اس بارے میں اختلاف رہا کہ عورت انسان بھی ہے یا نہیں، بہت سوں کا خیال یہی تھا کہ عورت انسان نہیں بلکہ مردوں کی خدمت کے لئے ایک انسان نما حیوان ہے لہٰذا اسے ہنسنے بولنے سے بھی روک دینا چاہیئے اس لئے کہ وہ شیطان کی ترجمان ہے، یہودیوں کے خیال میں ہر عورت شیطان کی سواری اور بچھو ہے جو ہر انسان کو ڈنگ مارنے کی فکر میں رہتا ہے۔

ہندو عورت کی جداگانہ حیثیت تسلیم نہ کرتے تھے، اگر شوہر مر جائے تو قابلِ فخر عورت وہ سمجھی جاتی تھی جو شوہر کی چتا پہ زندہ جل کر مر جائے، عورت پر پڑھنے اور قربانی میں حصہ لینے کی ممانعت تھی۔

عیسائیوں کے ہاں عورت کی کیا قدر و قیمت تھی، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۵۸۲ء میں کلیسا کی ایک مجلس نے فتویٰ دیا تھا کہ عورتیں روح نہیں رکھتیں۔

بڑے لوگ چھوٹی باتیں ہم جب عورت کے بارے میں مشہور غیر مسلم فلسفیوں اور دانشوروں کے خیالات کا مطالعہ کرتے ہیں تو تعجب ہوتا ہے کہ اتنے بڑے بڑے لوگ اور ایسی چھوٹی چھوٹی باتیں!

یوحنا کی طرف یہ قول منسوب کیا گیا ہے کہ عورت شر و فساد کی بیٹی ہے،

قدیس برنا کا قول یہ بتایا گیا کہ عورت شیطان کی ایجنٹ ہے،

سقراط کو تاریخ یہ کہتے ہوئے بتاتی ہے کہ جتنے ذلیل مرد ہیں وہ تمام کے تمام تناسخ کے عالم میں عورت بن جاتے ہیں۔

قدیس جان ڈسپلن کا قول ہے کہ عورت دوزخ کی چوکیدار ہے، امن کی دشمن ہے۔

حقوق کا محافظ یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس وقت کلیسا کی مجلس یہ فتویٰ صادر کر رہی تھی کہ عورتوں میں روح نہیں ہوتی اس سے چند سال پہلے جزیرۃ العرب میں اللہ کا وہ آخری نبی پیدا ہو چکا تھا جو تمام کچلے ہوئے انسانوں کے حقوق کا محافظ تھا، اللہ کے آخری نبی نے عورت کو ذلت اور پستی کی گہرائیوں سے اٹھایا اور اسے عظمت و رفعت کے بلند مقام پر فائز کر دیا۔ آپ نے فرمایا:

حُبّب الیّ من دنیاکم الطیب والنساء وجعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ	مجھے تمہاری دنیا میں خوشبو اور عورتیں پسند ہیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے۔

یہ حدیث بہت معنی خیز ہے۔ ایک تو یہ کہ آپ نے خوشبو کے ساتھ عورتوں کا ذکر کیا اس سے عورت کے حسن و جمال اور کشش کی طرف اشارہ ہے گویا عورت سے نفرت کرنے والوں کو سمجھایا کہ جیسے خوشبو کی طرف ہر سلیم الفطرت انسان کا میلان ہوتا ہے اور خوشبو کو ہر صاحبِ ذوق پسند کرتا ہے، اسی طرح عورت محبت اور پیار کی مستحق ہے، اس سے نفرت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص نہ تو سلیم الفطرت ہے، اور نہ ہی صاحبِ ذوق ہے

دوسرے یہ کہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نے پسند کی ہے بلکہ صیغۂ مجہول کے ساتھ ارشاد فرمایا "مجھے پسند کرائی گئی ہے" یہ گویا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ محبوبیت اور پسندیدگی خدائی اشارے کے ماتحت ہوئی ہے۔

ایک سفر میں حضرت انجشہ کو تیز اونٹ چلاتے دیکھا تو فرمایا: رُوَیْدَكَ یا اَنْجَشَةُ رِفقًا بالقواریر (انجشہ دیکھنا یہ آبگینے ہیں ذرا آہستہ چلو) اس اونٹنی پر عورتیں سوار تھیں۔ ایک حدیث میں فرمایا: "انما النساء شقائق الرجال" (عورتیں مردوں کی بہنیں اور دوسرا حصہ ہیں، گویا آج کی زبان میں ارشاد فرمایا کہ مرد و زن ایک گاڑی کے دو پہیے ہیں۔

آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ جس سے اللہ کا رسول محبت رکھے کیا مسلمان اس سے نفرت کر سکتے ہیں، اُسے حقارت اور ذلت کی نگاہ سے دیکھ سکتے ہیں، اسے دائرۂ انسانیت سے خارج کر سکتے ہیں۔

تعجب ہوتا ہے ان لوگوں پر جو اسلام کو عورتوں کے حقوق کا غاصب قرار دیتے ہیں۔ میں ان حضرات سے پوچھتا ہوں کہ کیا دنیا میں اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا مذہب ایسا ہے جس نے اچھی بیوی کو آدھا ایمان قرار دیا ہو، جس نے بیواؤں کو عزت کی مسند پر بٹھایا ہو، جس نے عورت کے حُسن و جمال کو نہیں اس کے عورت

ہونے کو قابلِ احترام ٹھہرایا ہو۔

عورت کی نمایاں حیثیتیں چار ہیں : بیٹی ہونے کی حیثیت، ماں ہونے کی حیثیت، بیوی ہونے کی حیثیت اور بہن ہونے کی حیثیت۔ ان چاروں حیثیتوں کے اعتبار سے جو عزت، جو عظمت، جو محبت اسلام نے عورت کو دی ہے دنیا کے کسی جدید اور قدیم قانون اور مذہب نے نہیں دی ہے۔

مامتا کی عظمت یہ عجیب اتفاق ہے کہ قرآن حکیم میں اکثر مقامات پر ایسا ہوا ہے کہ جہاں ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم ہے وہاں اس سے پہلے توحید اور اللہ کی عبادت کا ذکر ہے اور جہاں والدین کی نافرمانی کو ذکر کیا گیا ہے اس کے ساتھ شرک کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے اور باتوں کے علاوہ ایک نکتہ یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ جو موحد ہوگا، خدائے واحد کو ماننے والا ہوگا وہ والدین کا مطیع اور فرمانبردار بھی ہوگا اور جو مشرک اور کافر ہوگا ہو سکتا ہے کہ وہ والدین کا نافرمان بھی ہو

ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا	اور تیرے رب نے حکم کر دیا ہے کہ بجز
اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ	اس کے کسی کی عبادت مت کرو، اور
اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ	تم ماں باپ سے حسن سلوک کیا کرو، اگر
الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا	تیرے پاس اُن میں سے ایک یا دونوں
فَلَا تَـقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا	بوڑھاپے کو پہنچ جاویں سو اُن کو کبھی ہوں
تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا	بھی مت کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور اُن سے
كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا	خوب ادب سے بات کرنا، اور ان کے سامنے
جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ	شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا
وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا	اور یوں دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار

رَبَّیٰنِیۡ صَغِیۡرًا ۝ ان دونوں پر رحمت فرمایئے جیسا انھوں نے مجھ کو بچپن میں پالا پرورش کیا ہے۔
(سورۂ بنی اسرائیل پ۱۵ ع ۸)

آپ مجھے دنیا کا کوئی ایسا قانون اور کوئی ایسا صحیفۂ اخلاق دکھا سکتے ہیں جس میں والدین کو "اُف" تک کہنے کی اجازت نہ ہو؟ کیسا بے مثال حکم ہے کہ کبھی والدین سے سوال جواب کی نوبت آجائے تو اُف بھی نہ کہو تاکہ ان کے آبگینۂ دل کو ٹھیس نہ پہنچے۔ جب تم ان کے سامنے جاؤ تو اکڑ کر نہیں عاجزی اور انکساری کے ساتھ جاؤ اور جب وہ تمہاری نظروں سے اوجھل ہوں تو ان کے لئے دعا کرتے رہو۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ۖ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ۝ وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۖ وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ۝
(سورۂ لقمان پ۲۱ ع ۱۱)

اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے، اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اُٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کیا کر، میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے، اور اگر تجھ پر وہ دونوں اس بات کا زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ ایسی چیز کو شریک ٹھہرائے جس کی تیرے پاس کوئی دلیل نہ ہو تو تُو ان کا کہنا نہ ماننا اور دنیا میں ان کے ساتھ خوبی کے ساتھ بسر کرنا۔

احسان تو دونوں کے ساتھ کرو، لیکن تمہارے حسنِ سلوک کی زیادہ مستحق تمہاری والدہ ہے جس نے حمل سے لے کر ولادت تک اور ولادت سے لے کر رضاعت اور تربیت و پرورش تک تمہارے لئے بے پناہ تکلیف اور مشقت برداشت کی ہے۔

اس موقع پر میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ قانونی اعتبار سے اولاد پر باپ کا استحقاق ہوتا ہے اولاد کی نسبت باپ کی طرف کیجائے بالفرض طلاق ہوجائے تو رضاعت اور تربیت کا ذمہ دار باپ ہوگا۔ لیکن جہاں تک تعلق ہے حسن سلوک کا، خدمت اور ادب واحترام کا تو اس سلسلے میں ماں کا حق تین درجہ زیادہ ہے۔ اسلام نے جو یہ توازن قائم کیا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے اور دل گواہی دیتا ہے کہ اسلام خدا ہی کا بنایا ہوا قانون ہے چونکہ رضاعت اور پرورش کے اخراجات عورت برداشت نہیں کرسکتی تھی، پھر وہ عیسائی بھی ہوسکتی ہے یہودی بھی ہوسکتی ہے کیونکہ اہل کتاب سے نکاح کرنا جائز ہے۔ اس کے علاوہ خاندانی نظام کو بھی ہموار رکھنا تھا اس لئے قانونی اعتبار سے تو اولاد پہ مرد کو زیادہ اختیار دیا گیا ہے۔ دوسری طرف عورت اپنی بعض فطری کمزوریوں کی وجہ سے خدمت کی چونکہ زیادہ مستحق تھی اور اس نے حمل اور وضع حمل کے سلسلہ میں مشقت اور تکلیف بھی ایسی اٹھائی ہے کہ مرد کے لئے اس کا تصور بھی ناممکن ہے ماں کی مامتا اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اس کی خدمت اور ادب واحترام زیادہ ہو لہذا اس بارے میں ماں کا حق مرد سے تین گنا بڑھا دیا گیا۔

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے

سَاَلَ رجل یا رسول اللہ من	ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ میرے حسن
احق بحُسن صحابتی قال امّک	سلوک کا زیادہ حقدار کون ہے؟ فرمایا تیری ماں
قال ثمّ من قال امّک	اس نے پھر پوچھا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں

قال ثم من قال امك قال ثم من قال ابوك — اس نے پوچھا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں، اس نے پوچھا پھر کون؟ فرمایا تیرا باپ

حضرت بہز بن حکیم عن ابیہ عن جدّہ نقل کرتے ہیں

قلتُ یا رسول اللہ من ابرّ؟ قال: اُمّك، قلتُ من ابرّ؟ قال: اُمّك، قلت من ابرّ؟ قال: اُمّك، قلت من ابرّ؟ قال: ابوك — میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میں کس کے ساتھ نیکی کروں فرمایا اپنی ماں کیساتھ میں نے پھر پوچھا کس کے ساتھ کروں فرمایا اپنی ماں کے ساتھ، میں نے پھر پوچھا کس کے ساتھ نیکی کروں فرمایا اپنی ماں کے ساتھ میں نے پھر پوچھا کس کے ساتھ نیکی کروں فرمایا اپنے باپ کے ساتھ

طبرانی کی ایک روایت میں ہے

جاء رجل الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ارید الجہاد فقال لہ الرسول: ھل امك حیّۃ؟ قال: نعم، قال: الزم رجلہا فثمّ الجنّۃ — نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے جہاد کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تمہاری ماں زندہ ہے؟ اس نے کہا ہاں زندہ ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس کی خدمت کر اور اس کی قدموں میں بیٹھ کہ وہیں جنت ہے۔

دوسری حدیث میں فرمایا گیا:

الجنّۃ تحت اقدام الامّھات — جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے

ایک حدیث میں ہے:

عن المغیرۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انّ اللہ حرّم علیکم عقوق الامّھات — حضرت مغیرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ اللہ نے تم پر اپنی ماؤں کی نافرمانی اور حق تلفی حرام کردی ہے۔

فیصلہ آپ کیجئے! ایک طرف والدین کے بارے میں اسلام کی یہ زرّین ہدایات ہیں مسلم معاشرے کی قابلِ رشک مثالیں اور مسلمانوں کی تاریخی روایات ہیں جن میں

حقیقت یہ ہے کہ والدین کو تخت و تاج کا مالک سمجھا جاتا ہے، ان کی کڑوی کسیلی باتیں بھی برداشت کر لی جاتی ہیں، ان کی خواہشات اور ضروریات کی تکمیل کو دین اور دنیا کی کامیابی کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ دوسری طرف یورپ کی جھوٹی اور قابلِ نفرت سوسائٹی ہے جہاں بوڑھے والدین کو ایک بوجھ سمجھا جاتا ہے، ان کو یہ بھی اختیار نہیں کہ اپنی اولاد کو اس کی حرکتوں پر ٹوک سکیں، وہ اپنی اولاد کے مشاغل اور دلچسپیوں میں مداخلت کا بالکل استحقاق نہیں رکھتے۔ ایک دوست نے جو امریکہ سے آئے تھے بتایا کہ والدین کو یہاں تک بے بس کر دیا گیا ہے کہ اگر وہ کسی حرکت پر اولاد کو ٹوکیں یا بُرا بھلا کہیں یا کبھی بھولے سے ہاتھ اٹھا لیں تو اولاد فون پر فوراً پولیس کو مطلع کر دیتی ہے اور پھر والدین کو اپنے اس جرم کی سزا بہرحال مل کے رہتی ہے، خواہ جرمانے کی صورت میں یا جیل کی صورت میں۔ بڑھاپا آنے پر بوڑھے والدین کو ریٹائرڈ ہوم میں بسا دیا جاتا ہے۔ جہاں ٹی وی اور وی سی آر جیسی ساری دلچسپیاں ہوتی ہیں لیکن ان کی روح، ان کا دل اپنی اولاد کے محبت بھرے دو بول سُننے کو ترستا رہتا ہے، وہ اپنے ہی بچوں کی شکل وصورت دیکھنے کی حسرت میں سسکتے اور تڑپتے رہتے ہیں مگر ان کی حسرت ناتمام رہتی ہے۔ کرسمس کے مواقع پر بعض فرمانبردار بچے یوں کرتے ہیں کہ کسی کو اجرت دیکر اپنے بوڑھے والدین کے لئے پھولوں کا گلدستہ بھیج دیتے ہیں، لیکن وہ خود اتنے مصروف ہوتے ہیں کہ انھیں از خود والدین کی خدمت میں حاضری کی توفیق نہیں ہوتی۔ یورپ کی پُرفریب زندگی سے متاثر ہونے والے والدین سے میں سوال کرتا ہوں کہ کیا وہ بھی اسی قسم کا حسرت آمیز بڑھاپا گزارنے کے لئے تیار ہیں؟ علامہ اقبال جنہوں نے یورپین سوسائٹی کو بہت قریب سے دیکھا تھا، انھوں نے صحیح کہا تھا ؎

تہذیبِ فرنگی ہے اگر مرگِ امومت — ہے حضرتِ انسان کیلئے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے ہوتی ہے زن نازن — کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت

ہے عشق و محبت کے لئے علم و ہنر موت　　بے گانہ رہے دین سے اگر مردِ سر زن

عورت بحیثیتِ بیٹی

عورت کی ایک نمایاں حیثیت بیٹی ہونے کی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کی یہ حیثیت بہت بنیادی قسم کی ہے۔ یہی بیٹی بہن بھی بنتی ہے بیوی بھی بنتی ہے اور ماں بھی بنتی ہے، عورت کو بیٹی ہونے کی حیثیت سے اسلام نے جو مقام دیا ہے آپ تمام مذاہب اور دساتیر کا خود مطالعہ کریں تو آپ لامحالہ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ یہ مقام عورت کو اور کہیں نہیں دیا گیا۔ بالخصوص اگر اسلام کا مطالعہ اس جہت سے کریں کہ اسلام سے پہلے بیٹی کو کیا مقام حاصل تھا اور اسلام نے اُسے کیا مقام دیا تو پھر تو آپ بے ساختہ بول اٹھیں گے کہ

عورت تحت الثریٰ تھی، اسلام نے اُسے فوق الثریا پہنچا دیا،
وہ گردِ راہ تھی اسلام نے اسے سرمۂ چشم (نورِ چشم) بنا دیا،
وہ کانٹوں کے بستر پر تھی اسلام نے اسے پھولوں کی سیج پر بٹھا دیا،
وہ موت و حیات کی کشمکش میں تھی اسلام نے اسے زندگی عطا کردی
وہ زیبِ میخانہ تھی اسلام نے اُسے زینتِ کاشانہ بنا دیا،
وہ پائمال تھی اسلام نے اُسے باکمال بنا دیا،
وہ برباد تھی ناشاد تھی اسلام نے اسے شاد کیا آباد کیا۔
اُس کا کام صرف مرد کے دل کو لبھانا تھا اسلام نے اُس کے ذمے گھر کو سجانا لگا دیا،

آپ تصوّر کریں کہ اسلام سے قبل کس طرح سنگدل باپ اپنی نورِ چشم کو اپنے ہاتھوں زندہ درگور کر دیتا تھا۔ حضرت ابن عباس کہتے ہیں "جاہلیت میں جب عورت ولادت کے قریب ہوتی تو ایک گڑھے پر بیٹھ جاتی اگر لڑکی پیدا ہوتی تو اسی میں دفن کر دیتی، قیس بن عاصم تمیمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ

میں نے جاہلیت میں ۸ لڑکیاں دفن کی تھیں آپ نے فرمایا آٹھوں کی طرف سے آٹھ غلام آزاد کرو، انھوں نے کہا میرے پاس اونٹ ہیں، آپ نے آٹھ اونٹوں کا حکم دیا۔

کبرہ بنت ابی سفیان نے کہا میں نے ۴ لڑکیاں دفنائی تھیں، آپ نے چار غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔ آپ نے فرمایا لاتکرھوا البنات فانھن المونسات الغالیات (لڑکیوں کو مجبور نہ کرو، وہ محبت کرنے والی اور گرانقدر ہیں)

قرآن کا بیان بیٹیوں کے ساتھ زمانۂ جاہلیت میں جو ظلم وستم روا رکھا جاتا تھا قرآن اس کے بارے میں کہتا ہے:

وَاِذَا الْمَوْءُدَةُ سُئِلَتْ بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ (سورۃ التکویر پ ۳۰ ع ۱) — اور جب زندہ گاڑھی ہوئی لڑکی سے پوچھا جاویگا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی۔

قیامت کے دن اس زندہ دفن کی جانے والی بچی سے پوچھا جائے گا تو نے کیا جرم کیا تھا جس کی سزا تجھے قتل سے دی گئی، کیا کسی کو ستایا تھا؟ کسی کا دل دکھایا تھا؟ کسی کا خون بہایا تھا؟ آخر کیا جرم کیا تھا تو نے؟ جس جرم کی پاداش میں تجھے زندہ درگور کر دیا گیا۔

قرآن حکیم میں وہ منظر وہ نقشہ بھی بڑے عجیب اور متاثر کن انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ جب ان جاہلوں کو بتایا جاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بیٹی دی ہے تو ان کی کیا حالت ہوتی تھی، ان کے چہرے پر نحوست اور بدبختی کی سیاہی پھیل جاتی تھی، ان کا دل غم سے پھٹنے لگتا تھا، وہ شرم کے مارے چھپتے پھرتے تھے کہ لوگ کیا کہیں گے یہ لڑکی کا باپ بن گیا ہے۔ وہ اپنی معصوم لخت جگر کو زندہ درگور کرنے کی تدبیریں سوچنے لگتے تھے۔ فرمایا:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰی — اور جب ان میں کسی کو بیٹی کی خبر دی جاوے
ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِیْمٌ ۝ — تو سارے دن ان کا چہرہ بے رونق رہے
یَتَوَارٰی مِنَ الْقَوْمِ مِنْ — اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہے، جس چیز

سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِہٖ ؕ اَیُمْسِکُہٗ عَلٰی هُوْنٍ اَمْ یَدُسُّہٗ فِی التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ ٥ (سورۃ النحل پ ۱۴ ع ۱۳)

کی اس کو خبر دی گئی اس کی عار سے لوگوں سے چھپتا پھرے، آیا اُس کو ذلت پر لئے رہے یا اس کو مٹی میں گاڑ دے، خوب سُن لو اُن کی یہ تجویز بہت ہی بُری ہے۔

حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ جاہلیت میں ہم عورتوں کو کچھ نہیں سمجھتے تھے نہ اُن سے کوئی مشورہ لیتے تھے (کنا فی الجاھلیۃ لا نعتد بالنساء ولا ندخلھن فی شئی من امور نا)

موازنہ کریں! ایک طرف تو یہ معاشرہ تھا،

جس میں بیٹی کا ہونا باعثِ شرم تھا،

وہ پاپ تھی، گناہ تھی،

نحوست تھی،

بدبختی کی علامت تھی،

وہ شیطان کی نمائندہ تھی،

وہ زہریلا سانپ تھی،

وہ کڑوا گھونٹ تھی،

وہ ہاتھوں کی میل کچیل تھی،

وہ پاؤں کی دھول تھی،

وہ بوجھ تھی،

لیکن ۔ دوسری طرف آئیے میں آپ کو بتاؤں کہ اسلام نے اسے کیا عزت دی، کیا مقام دیا، دلوں میں اس کی محبت کیسے پیدا کی

ایک حدیث میں صاف صاف کہدیا گیا من کانت لہ انثی فلم یئدھا

ولم یھنھا ولم یوثر ولدہ الذکر علیھا ادخلہ اللہ الجنۃ (جس کے کوئی بیٹی ہو اور وہ اسے زندہ دفن نہ کرے، نہ اس کی توہین ہونے دے، نہ بیٹے کو اس پر ترجیح دے تو اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من عال جاریتین حتی تبلغا جاء یوم القیامۃ انا وھو کھاتین وضم اصابعہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بلوغ کو پہنچ گئیں تو قیامت کے روز میں اور وہ اس طرح آئیں گے جیسے میرے ہاتھ کی دو انگلیاں ساتھ ساتھ ہیں۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ یہ فرماتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت کو ساتھ والی انگلی کے ساتھ ملا کر دکھایا۔

ان دونوں انگلیوں میں چھوٹا بڑا ہونے کے اعتبار سے کچھ فرق تو ہے لیکن ہیں بہرحال دونوں ساتھ ساتھ۔ اسی طرح نبی اور امتی کے درمیان مقام اور مرتبے کے اعتبار سے فرق تو ہوگا لیکن امتی کے لئے یہ کوئی کم خوش نصیبی ہے کہ وہ جنت میں نبی کے ساتھ ہوگا۔ صحیح مسلم کی ایک اور روایت میں ہے

من ابتلی من البنات بشیٔ فاحسن الیھن کان لہ سترًا من النار۔

جس کے ہاں لڑکیاں پیدا ہوں اور وہ ان کی اچھی طرح پرورش کرے تو یہی لڑکیاں اس کے لئے دوزخ سے آڑ بن جائیں گی۔

ایک اور پہلو کی طرف بھی آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ بیٹے کے پیدا ہونے پر بے تحاشا خوشی منائی جاتی ہے اور بیٹی کی پیدائش پر غم کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ایک دوست نے بتایا کہ ان کے پڑوس میں ایک دن رونے پیٹنے کی آوازیں آرہی تھیں ہم نے سمجھا کہ شاید کوئی مرگ ہوگئی ہے، ہم نے جب معلوم کیا تو پتہ چلا کہ کوئی مرگ تو نہیں ہوئی البتہ ان بدبختوں

کے ہاں بچی پیدا ہوئی ہے اس کے پیدا ہونے پر رونا پیٹنا ہو رہا ہے۔

آپ اندازہ کریں کہ مشرکینِ مکہ کی طرح آجکل کے مسلمان بھی بچی کی پیدائش پر رنج وغم کرتے ہیں، حالانکہ ہم جس عظیم پیغمبر کے ماننے والے ہیں ان کو اپنی بیٹیوں سے بے پناہ محبّت تھی اور آپ اپنی بیٹیوں کے لئے " بضعة منّی " (میرے جگر کا ٹکڑا) کے الفاظ استعمال فرماتے تھے، حالت یہ تھی کہ آپ جب کبھی سفر سے واپس تشریف لاتے تو مسجد کے بعد اکثر و بیشتر سب سے پہلے اپنی نورِ چشم سیّدہ فاطمہ کے ہاں تشریف لیجاتے اور جب بھی سیدہ فاطمہ ملنے کے لئے حاضر ہوتیں تو آپ کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے اور ان کے لئے چادر بچھاتے اور اصرار کر کے ان کو چادر پر بٹھاتے۔ یہ گویا پوری انسانیت کے لئے بالعموم اور مسلمانوں کے لئے بالخصوص پیغام تھا کہ عورت بحیثیتِ بیٹی تمہاری شفقت و محبّت کی مستحق ہے۔

پھر یہ چیز بھی اپنے اندر عبرت و نصیحت کا بہت بڑا سامان رکھتی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے بیٹے دئے تو سہی مگر دیکر اوائلِ عمری ہی میں واپس لے لئے، آپ کی اصل اولاد آپ کی بیٹیاں ہی تھیں، حالانکہ آپؐ تو اللہ کے پیارے تھے آپ کو بیٹے بھی دیئے جا سکتے تھے، جبکہ بیٹے نہ ہونے کی وجہ سے آپؐ کو طعنے بھی دیئے جاتے تھے کہ آپ نعوذ باللہ ابتر ہیں، یعنی آپؐ کی جڑ کٹ گئی ہے، آپؐ کا سلسلہ آگے نہیں چل سکے گا، اور قرآن حکیم میں ان کے اس ہذیان کا جواب بھی دیا گیا

إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَٱنْحَرْ ۝ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ ٱلْأَبْتَرُ ۝ (سورۃ الکوثر ۱-۳)	بیشک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی ہے، سو آپ اپنے پروردگار کی نماز پڑھیے اور قربانی کیجئے، بالیقین آپ کا دشمن ہی بے نام و نشان ہے

تو جاہلوں کی اس طعنہ زنی کا عملی جواب یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ آپ کو بیٹے دیدیئے جاتے لیکن آپ کو صرف بیٹیاں دیکر ان لوگوں کیلئے تسکین اور اطمینان کا سامان پیدا کر دیا گیا جو بیٹوں سے محروم رہتے ہیں اور ان کو سمجھا دیا گیا کہ اگر بیٹوں کا ہونا فی نفسہٖ عزت اور فخر کی بات ہوتی اور بیٹیوں کا ہونا فی ذاتہٖ حقارت اور ذلّت کی بات ہوتی تو اللہ تعالیٰ کبھی بھی اپنے نبی کو بیٹیاں نہ دیتا بلکہ صرف بیٹے ہی دیتا۔

اور یہ کوئی ڈھکی چھپی حقیقت نہیں کہ بعض اوقات انسان کو زندگی کے مشکل لمحات میں بیٹوں سے زیادہ بیٹیاں کام آتی ہیں، اور بیٹے بعض اوقات زندگی کو پریشان اور اجیرن بنانے کا سبب بن جاتے ہیں اور قرآن حکیم کی یہ بات صادق آکر رہتی ہے کہ وَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ج وَعَسٰى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ط وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (سورۃ البقرہ پ۲ ع۱۰)۔

ترجمہ: اور یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی امر کو گراں سمجھو اور وہ تمہارے حق میں خیر ہو، اور یہ ممکن ہے کہ تم کسی امر کو مرغوب سمجھو اور وہ تمہارے حق میں خرابی ہو اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم نہیں جانتے۔

بہرحال عرض یہ کر رہا تھا کہ اسلام نے بیٹی کی حیثیت سے بھی عورت کو نمایاں مقام دیا ہے۔

دعوتِ غور و فکر! اس مقام پر میں ان بھائیوں اور بہنوں کو غور و فکر کی دعوت دینا چاہتا ہوں جو مغرب کی ہر ادا اور ہر انداز کو اپنا لینا چاہتے ہیں اور جنہیں دنیا اور آخرت کی کامیابی مغرب کی نقالی میں دکھائی دیتی ہے کہ یہ حقیقت نہیں کہ آج یورپ میں بھی زمانہ جاہلیت کی طرح بیٹی کو بھاری بوجھ سمجھا جاتا ہے اور جب بیٹی بلوغت کی عمر کے قریب پہنچتی ہے تو اُسے گھر سے نکال دیا جاتا ہے اور کہہ دیا جاتا ہے کہ اب اپنا رہن سہن کا انتظام خود کرو اور اپنے لئے کوئی فرینڈ خود تلاش کرو اور پھر وہ بیچاری زندگی کی مشکلات سے ناآشنا در در کی ٹھوکریں کھاتی پھرتی ہے اور کبھی ایک آغوش میں پناہ لیتی ہے اور کبھی کسی دوسری آغوش میں لیکن اُسے سکون اور قرار کہیں میسر نہیں آتا اس کے برخلاف مسلمان معاشرہ میں نوجوان بیٹی کے والدین اپنی بچی کے لئے رشتہ خود تلاش کرتے ہیں اگرچہ پسند

ناپسند کا اختیار نوجوان بیٹی ہی کو ہوتا ہے پھر وہ تمام مراحل سے اپنی نگرانی میں گذار کر اس کا گھر بساتے ہیں اور اس کے ہر دکھ سکھ میں شریک ہوتے ہیں۔

عورت بحیثیت بیوی | عورت کی مظلومیت کو ثابت کرنے کے لئے سب سے زیادہ اس بات کو اچھالا جاتا ہے کہ بحیثیت بیوی کے عورت پر ظلم ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک بات کی وضاحت میں ابتداء ہی میں کر دینا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اگر اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے کوئی ناجائز کام کرتے ہیں تو اس کی ذمہ داری بہر حال دینِ اسلام پر نہیں ڈالی جا سکتی۔

اگر آج کے مسلمان اپنی حماقت اور جہالت کی وجہ سے عورتوں پر ظلم کرتے ہیں یا بیویوں کے ساتھ غلط برتاؤ کرتے ہیں تو ان احمقوں اور جاہلوں کی وجہ سے ہم اسلام کو موردِ الزام نہیں ٹھہرا سکتے۔ ہمیں بیویوں کے بارے میں اسلامی اور قرآنی ہدایات سمجھنے کے لئے کسی ایک یا ہزار دس، اہل اسلام کی زندگی کے مطالعہ کی ضرورت نہیں بلکہ ہم اس سلسلہ میں براہِ راست قرآن و سنت کا مطالعہ کرینگے تاکہ حقیقت کی تہہ تک پہنچ سکیں۔

نکاح میں عورت کا اختیار | شوہر کے انتخاب کے سلسلے میں اسلام نے عورت کو نہ تو ایسا خود مختار بنایا ہے کہ وہ جہاں چاہے عشق لڑاتی رہے اور مردوں کا انتخاب کرتی رہے۔

حدیث میں ایسی عورت کو تھدیداً بدکار کہا گیا ہے۔

لا تزوج المرأۃ نفسھا فان الزانیۃ ھی التی تزوجھا۔

عورت اپنی شادی خود نہ کرے کیونکہ جو عورت ہوائے نفس کی خاطر شوہر کا انتخاب خود کرتی پھرتی ہے وہ بدکار ہے۔

یہاں یہ وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ بعض حالات میں عورت خود بھی اپنی

شادی کرنے کی اجازت ہے ، اور کتب حدیث میں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ مسلمان خواتین نے اپنی شادی آپ کی . لیکن عمومی طور پر حکم یہی ہے کہ وہ اپنی شادی خود نہ کرے بلکہ ولی کے واسطے سے سارے معاملات طے کرے ۔

اگر غور کیا جائے تو اس میں بھی بڑی حکمت معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہم مشاہدہ کر رہے ہیں کہ شوہر کا انتخاب خود کرنے والی نوجوان ناتجربہ کار لڑکیاں کئی بدکار مردوں کی ہوس کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں ، اور مرد انہیں سبز باغ دکھا کر اُن کے مستقبل کو تاریک کر دیتے ہیں اور ایسی شادیاں اکثر ناکام ہو جاتی ہیں ۔

تو مختلف دینی اور معاشرتی حکمتوں کی بنیاد پر عورت کا اپنے ولی اور سرپرست کی اجازت کے بغیر نکاح کرنا ناپسندیدہ ہے ۔

لیکن اس کے ساتھ اسلام نے عورت کو ایسا بے اختیار اور مجبور بھی نہیں بنایا کہ نکاح میں اُس کی رضامندی کو کوئی دخل نہ ہو وہ گائے بکری نہیں ہے کہ اُسے جس کھونٹے پر چاہے باندھ دیا جائے بلکہ شوہر کے سلسلے میں اس کی خوشی اور رضامندی ضروری ہے اگر وہ بالغ ہے تو اس کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہو سکتا ۔

اللہ کے رسول نے فرمایا لا تنکح الایم حتیٰ تستامر ولا البکر حتیٰ تستاذن قالوا یارسول اللہ وکیف اذنہا ؟ قال ان تسکت والثیب احق نفسہا من ولیہا والبکر تستاذن فی نفسہا واذنہا

کنواری لڑکی میں چونکہ حیا زیادہ ہوتی ہے اسلئے اس کی خاموشی ہی اجازت ہوگی اور بیوہ اور مطلقہ چونکہ ایک بار اس مرحلے سے گذر چکی ہے اس لئے اس کا صراحتاً زبان سے اجازت دینا ضروری ہے محض خاموشی کافی نہ ہوگی ۔

بخاری شریف میں خنساءؓ کا واقعہ ہے۔

عن خنساء بنت خذ ام الانصاریة ان اباها زوجها وهي ثيب فكرهت ذلك فاتت رسول الله صلى الله عليه وسلم فرد نكاحها.	حضرت خنساء بنت خدام انصاریہ کا نکاح ان کے والد نے بغیر ان کی رضامندی کے کردیا حالانکہ یہ شوہر رسیدہ تھیں، انہیں ناگوار ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (شکایت کی) آپ نے ان کا نکاح کالعدم کردیا۔

اسی طرح ایک خاتون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ان کے والد نے اپنے بھتیجے سے ان کی مرضی کے خلاف شادی کردی ہے۔ تو آپ نے انہیں اختیار دیا لیکن انہوں نے کہا۔ قد اجزت ما فعل ابی ولکن اردت ان اعلم النساء ان لیس للآباء من الامر شیٔ۔ (میں اپنے والد کے فعل کو اب جائز کہتی ہوں۔ مگر میں بتلا دینا چاہتی تھی کہ آبا و اجداد کو جبر کا کوئی حق نہیں، نہ معاملہ ان کے ہاتھ میں ہے) یہ آواز عربی عورت کی عزت و حرمت اور اہلیت کی آزادی کی آواز نہ تھی بلکہ کل دنیا کی عورتوں میں غالباً پہلی آواز تھی جس کی گونج آج تک سنائی دے رہی ہے۔

یہ آواز اس وقت بلند ہوئی جب " مہذب ملکوں" میں ابھی یہ بحث ہو رہی تھی کہ عورت میں روح ہے بھی یا نہیں۔

یہ آواز اُس لق و دق صحرا سے اُٹھی جہاں عورت مردوں سے زندگی کی بھیک مانگ رہی تھی،

یہ آواز اُن خوش قسمت بیٹیوں میں ایک بیٹی کی تھی جو زندہ درگور ہونے سے بچ گئی تھی۔

یہ آواز اُٹھانے کی جرأت اُس اسلام نے پیدا کی جسے عورتوں کے حقوق کا

غاصب کہا جا رہا ہے۔

یہ آواز عورت کے حقوق پالینے کی آواز تھی۔

یہ آواز عورت کی عزّت و کرامت کی آواز تھی۔

یہ آواز اصلی حرّیت صحیح آزادی حاصل کرلینے کی آواز تھی۔

یہ آواز عالمگیر تاریکیوں میں روشنی کی کرن تھی۔

یہ آواز سڑی ہوئی دنیا میں خوشبو کا تازہ جھونکا تھی۔

حسنِ معاشرت! بیویوں کے ساتھ حضورؐ کا سلوک

نکاح ہو چکنے کے بعد مرد کو حکم یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرے، اس سلسلے میں شوہر کے ذہن میں یہ بات بٹھائی گئی کہ اچھی بیوی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے لھذا اس کی قدر کرو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

انما الدنیا متاع و	پوری دنیا بس وقتی نفع پہونچانے والی چیز
لیس من متاع الدنیا افضل	ہے اور دنیا کی نفع بخش چیزوں میں نیک اور
من المرأۃ الصالحۃ	اچھی عورت سے زیادہ بہتر کوئی چیز نہیں۔

تو یہ سمجھا دیا گیا کہ نیک بیوی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے وہ شوہر کے گھر کی بھی حفاظت کرتی ہے اس کے ایمان اور اخلاق کی محافظ بنتی ہے اس کے لئے دلی سکون اور قلبی اطمینان کا ذریعہ بنتی ہے اس کے بچوں کی تربیت کرتی ہے، ایک دوسری حدیث میں فرمایا۔

ما استفاد المؤمن بعد تقوی	مومن کو تقویٰ کے بعد سب سے زیادہ اچھی
اللہ خیرا لہ من زوجۃ	بیوی سے نفع پہونچتا ہے (اور اچھی بیوی
صالحۃٍ ان اَمَرَھا اطاعتہ	کے اوصاف یہ ہیں) جو شوہر کے حکم کی فوراً
و ان نظر الیھا سرتہ و	تعمیل کرتی، شوہر کی طرف دیکھ کر خوشی حاصل

ان اقسم علیہا ابرتہ وان غاب عنہا نصحتہ فی نفسہا ومالہ۔

ہوتی، اس پر اعتماد کرتے ہوئے قسم کھالے تو وہ اسے پورا کر دیتی، نیز شوہر کی عدم موجودگی میں اس کے مال کو ضائع نہیں کرتی اور اپنی ذات سے بھی اسے کسی طرح کا رنج نہ پہونچنے دیتی ہو۔

لھذا شوہر پر لازم ہے کہ وہ اپنی شریکِ حیات کے حقوق بھی ادا کرتا رہے اس لئے کہ جیسے مرد کے عورت پر حقوق ہیں اس طرح عورت کے بھی مرد پر حقوق ہیں۔ قرآن حکیم میں ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ،

(سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۸ پ ۲ ع ۱۲)

ترجمہ: اور عورتوں کے بھی حقوق ہیں جو کہ مثل اُن ہی حقوق کے ہیں جو اُن عورتوں پر ہیں قاعدہ کے موافق

بلکہ حقیقت تو یہ ہیکہ اگر شوہر کو اندیشہ ہو کہ میں نکاح کے بعد بیوی کے حقوق ادا نہ کرسکوں گا تو اس کے لئے نکاح کرنا گناہ ہے فقہ کی تمام مشہور کتابوں۔ ہدایہ، فتح القدیر، ردالمختار وغیرہ میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔

اپنے اہل وعیال کے حقوق ادا کرنے والا مسلمان کامل مسلمان ہے اور جو شخص اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتا وہ کامل مسلمان نہیں ہوسکتا، ترمذی میں ہے؟

عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکمل المؤمنین ایمانًا احسنھم خُلُقًا وخیارکم خیارکم لنسائکم۔

حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کامل ایمان والا وہ ہے جو اخلاق میں اچھا ہو اور تم میں بہترین وہ لوگ ہیں جو اپنی عورتوں کے حق میں بہتر بن ہوں۔

ترمذی ہی میں ایک روایت آئی ہے۔

عن عائشۃؓ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی۔	حضرت عائشہؓ سے روایت ہے وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (لوگو! جان لو کہ) تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہو (اور جان لو کہ) تم میں سے سب سے بہتر اپنے گھر والوں سے حسنِ سلوک کرنیوالا میں خود ہوں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں کے حقوق کا اس قدر خیال تھا کہ آپؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر بھی عورتوں سے بہتر سلوک کرنے کی ہدایت فرمائی، آپؐ نے فرمایا۔ فاتقوا اللہ فی النساء فانکم اخذ تموھن بامان واستحللتم فروجھن بکلمۃ اللہ۔ پس عورتوں کے بارے میں تم اللہ سے ڈرو کیونکہ تم نے اُن کو اللہ کے عہد کے ساتھ لیا ہے اور تم نے اُن کی شرمگاہوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حلال کیا ہے۔

اور اپنی وفات سے چند لمحے پہلے جن اہم باتوں کی آپؐ نے اُمت کو تلقین فرمائی ان میں ایک یہ بات بھی تھی، "الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم" نماز کا خیال رکھنا اور جن کے تم مالک ہو ان کا خیال رکھنا، علماء کہتے ہیں کہ ما ملکت ایمانکم میں بیویاں بھی شامل ہیں۔

ایک موقعہ پر آپؐ نے فرمایا

استوصوا بالنساء خیراً فانھن خلقن من ضلع فان ذھبت تقیمہ کسرتہ وان ترکتہ لم یزل اعوج۔	عورتوں سے اچھا سلوک کرنے میں میری صلاح مانو ان میں خلقی طور پر کچھ کجی ہوتی ہے جس طرح پسلی میں، اگر تم اسے بالکل سیدھا کرنے لگے تو توڑ ڈالو گے سیدھا نہیں کر پاؤ گے اگر یونہی رہنے دو گے تو کچھ نہ کچھ کجی برابر رہے گی۔

پٹائی | حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو بعض صحابہ نے شکایت کی کہ عورتیں سرکش ہوتی جارہی ہیں، آپ نے کچھ سختی کرنے کی اجازت دے دی، اس اجازت کا فائدہ اٹھا کر بعض لوگوں نے اچھی خاصی پٹائی شروع کر دی، آپ نے تمام لوگوں کو مسجد میں جمع فرمایا اور ان کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا۔

لقد طاف الليلة بآل محمدٍ سبعون امرأةً كلّ امرأةٍ تشتكي زوجها فلا تجدون اولئك خياركم۔	آج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر والوں کے پاس ستر عورتوں نے چکر لگایا ہے، ہر عورت اپنے شوہر کی شکایت کر رہی تھی (میں تم سے کہہ دینا چاہتا ہوں کہ) جن لوگوں کی شکایت آئی ہے وہ تم میں اچھے لوگ نہیں ہیں۔

ایک اور موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا۔

لاتضرب ظعينتك ضربك امتك۔	اپنی بیوی کو لونڈی کی طرح ہرگز نہ پیٹو۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا، کہ بیویوں کے ہم پر کیا حقوق ہیں تو آپ نے فرمایا۔

"ان تطعمها اذا طعمت وتكسوها اذا اكتسيت ولا تضرب الوجه ولا تقبح ولا تهجر الا في البيت"

ترجمہ: تم جب کھاؤ اس کو کھلاؤ اور تم جب پہنو اس کو پہناؤ، نہ اس کے چہرہ پر مارو اور نہ برا بھلا کہو اور نہ جدائی اختیار کرو اس کا موقع آ بھی جائے تو یہ گھر ہی میں ہو۔

لیکن اس میں بہر حال کوئی شک نہیں کہ مخصوص حالات میں اسلام نے پٹائی کی اجازت دی ہے یہ بھی اس وقت جبکہ عورت بدکردار ہو، صراحتاً بغاوت اور سرکشی

پر اُتر آئے کوئی وعظ و نصیحت اُس پر اثر نہ کرے وہ بہرصورت ضد پر اڑی رہے۔
قرآن حکیم میں ہے۔ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۔ (سورۃ النساء پ۵ ع۴)
ترجمہ: اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو ان کی بد دماغی کا احتمال ہو تو اُن کو زبانی نصیحت کرو، اور اُن کو اُنکے لیٹنے کی جگہ تنہا چھوڑ دو اور اُن کو مارو، پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کردیں تو اُن پر بہانہ مت ڈھونڈو۔
اس آیت کریمہ میں پٹائی کی اجازت تو ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمادی کہ یہ پٹائی شدید نہیں ہونی چاہیئے۔
میں اس موقعہ پر واضح کردینا چاہتا ہوں کہ ہمارے سڑے ہوئے معاشرہ میں واقعی بعض ظالم مرد ایسے ہیں جو اپنی بیویوں کو بے تحاشا پیٹتے ہیں وہ اپنے گھروں میں فرعون بن کر رہتے ہیں، کھانے میں نمک مرچ کی کمی بیشی ہو جائے تو بیوی کی پٹائی، گھر کی صفائی میں کمزوری ہو تو بیوی کی پٹائی، کپڑے صحیح استری نہ ہوں تو بیوی کی پٹائی، بچے رو پڑیں تو بیوی کی پٹائی یعنی طرح طرح کے بہانوں سے بیوی کی پٹائی کرتے ہیں۔
لطیفہ! وہ ایک ایسے ہی تنگ مزاج شوہر کا بچپن میں ایک لطیفہ سُنا تھا جو بات بات پر بیوی کو دُھنک دیا کرتا تھا، ایک رات گرمیوں کے موسم میں دونوں میاں بیوی مکان کی چھت پر اپنی اپنی چارپائی پر لیٹے ہوئے بڑے خوشگوار موڈ میں باتیں کر رہے تھے، دونوں کی چارپائیوں میں تھوڑا سا فاصلہ تھا، میاں نے اپنی بیوی سے پوچھا، بیگم یہ جو میری چارپائی کے ٹھیک اوپر ستاروں کی ایک سڑک سی بنی ہوئی ہے یہ کیا ہے، وہ بیچاری دیہات کی سیدھی

سادھی عورت تھی اس نے کہا میرے سرتاج! مجھے زیادہ معلومات تو نہیں ہیں میں بچپن میں سُنا کرتی تھی کہ یہاں سے فرشتے اپنے گھوڑوں پر گزرتے ہیں، تو یہ گویا اُن کے آنے جانے کا راستہ ہے۔

میاں صاحب نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً جوتا اُٹھا کر بیگم کی پٹائی شروع کردی، بیگم نے روتے ہوئے پوچھا بھلے آدمی مجھے میرا قصور تو بتادو تم نے کیوں بلاوجہ میری دھنائی شروع کردی ہے؟

سڑیل اور پاگل میاں نے جواب دیا، بدبخت تو نے میری چارپائی یہاں پر اس لئے ڈالی ہے تاکہ گھوڑوں کی لید مجھ پر پڑے۔

تو اس قسم کے جو ظالم شوہر ہیں اُن کو نہ اللہ تعالٰے پسند کرتا ہے نہ اللہ کا رسول پسند کرتا ہے۔

تعجب ہوتا ہے اس قسم کے جلاد شوہر قیامت کے دن سے نہیں ڈرتے جب مظلوموں، کمزوروں اور غریبوں پر ہونے والے ظلم وستم کا حساب لیا جائے گا۔ پھر مزید تعجب یہ کہ جن بیویوں کی دن میں یہ ظالم اتنی پٹائی لگاتے ہیں رات کو اُن کے ساتھ کیسے پیار، بوس وکنار اور جماع کرتے ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لایجلد احدکم امرأته جلد العبد ثم یجامعها فی الیوم الاٰخر (تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو اس طرح نہ پیٹنے لگے جس طرح غلام کو پیٹا جاتا ہے پھر دوسرے دن جماع کے لئے اُسی کے پاس جا پہنچے۔

بہرحال کہنا یہ چاہتا ہوں کہ ایسے جاہل اور جنونی مسلمان شوہروں کو دیکھ کر ہم اسلام کو بدنام نہیں کرسکتے کیونکہ اسلامی تعلیمات وہ نہیں ہیں جو بے عمل مسلمانوں کی زندگیوں میں ہمیں دکھائی دیتی ہیں، بلکہ اسلامی تعلیمات وہ ہیں

جو قرآن و سنت میں ہیں جو سیرتِ نبویؐ اور سیرتِ صحابہ میں ہیں۔

معاشی کفالت ! اسلام نے بیوی کی کفالت کا بوجھ شوہر پہ ڈالا ہے اور بیوی کو معاشی دوڑ دھوپ اور محنت مشقت سے فارغ رکھا ہے اس لئے کہ یہ بات تو جدید تحقیقات میں بھی تسلیم کر لی گئی ہے کہ عورت فطری طور پر مرد سے کمزور ہے وہ بھاری کام نہیں کر سکتی وہ زیادہ بوجھ نہیں اُٹھا سکتی پھر ایام حیض میں تو اس کی حرکتوں اس کی عادتوں اس کے طرزِ عمل اور نشست و برخاست میں بڑی تبدیلی آجاتی ہے، وہ سُست ہو جاتی ہے۔ اس کی دماغی صلاحیتیں کمزور ہو جاتی ہیں، اس میں چڑ چڑاپن آجاتا ہے۔ عورتوں پر تحقیقات کرنے والے ڈاکٹر اور سائنس دان بتاتے ہیں کہ خود کشی کرنے والی عورتوں میں پچاس فی صد ایسی پائی گئی ہیں۔ جنہوں نے حالتِ حیض میں خودکشی کی۔

حیض سے بڑھ کر، حمل، وضع حمل اور رضاعت کے ایام عورت کے لئے بڑے مشکل ہوتے ہیں۔ ان ایام میں عورت اپنے لئے نہیں جیتی کسی اور کے لئے جیتی ہے اسے اپنے دُکھ سکھ کی پرواہ نہیں ہوتی، اُسے اپنے بچے کی فکر ہوتی ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر اسلام نے اسے پیٹ پالنے کی فکر سے بے نیاز رکھا ہے۔

قرآن حکیم میں ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ۔ (سورۃ النساء پ۵ ع۳)	مرد حاکم ہے عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں۔

دوسری جگہ فرمایا: لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ۖ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰهُ اللّٰهُ (سورۃ طلاق پ۲۸ ع۱۷)۔

ترجمہ: وسعت والے کو اپنی وسعت کے موافق خرچ کرنا چاہیئے اور جسکی آمدنی کم ہو تو اسکو چاہیئے کہ اللہ نے جتنا اسکو دیا ہے اسمیں سے خرچ کرے۔

اسلام نے کسی شخص پر اس کی وسعت اور طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا بلکہ اپنے وسائل کے مطابق بیوی پر خرچ کرنے کا حکم ہے سورہ بقرہ میں ہے۔

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ (سورۃ البقرہ پ۲ ع ۱۴)

ترجمہ: اور جسکا بچہ ہے اسکے ذمہ ہے انکا کھانا اور کپڑا قاعدہ کے موافق کسی شخص کو حکم نہیں دیا جاتا مگر اسکی برداشت کے موافق۔ کسی ماں کو تکلیف نہ پہنچانا چاہیئے اسکے بچہ کی وجہ سے اور نہ کسی باپ کو تکلیف دینی چاہیئے اسکے بچہ کی وجہ سے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی کے جو حقوق بیان فرمائے ہیں ان میں یہ بھی ہے۔ ان تحسنوا الیهن فی کسوتهن وطعامهن۔ تم ان کے ساتھ کپڑا اور کھانا دینے میں اچھا برتاؤ کرو۔

بلکہ احادیث سے یہاں تک ثبوت ملتا ہے کہ اگر شوہر بہت بخیل ہو اور اتنا خرچہ نہ دیتا ہو، جس سے ٹھیک طرح گذارہ ہو سکے تو بیوی کو بقدرِ ضرورت شوہر کے مال میں سے خود بھی لینے کی اجازت ہے۔

مشہور واقعہ ہے کہ حضرت ابوسفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ نے جب خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر شکایت کی کہ میرے شوہر مجھے پورا خرچ نہیں دیتے تو کیا میرے لئے اجازت ہے کہ اپنے بچوں کو کھلانے کے لئے اس میں سے لے لوں تو اللہ کے رسول ؐ نے فرمایا، خذی ما یکفیک وولدک بالمعروف (اتنا لے لیا کرو جو تمہارے بچوں کے لئے کافی ہو جائے)۔

خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کے لئے نفقہ کا جو انتظام کر رکھا تھا اس کا ذکر بخاری شریف میں آتا ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یبیع نخل بنی النضیر ویحبس لاھلہ قوت سنتھم (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بنو نضیر والے باغ کو (ہر سال) بیچا کرتے تھے اور اس کی قیمت سے اپنے اہل وعیال کے لئے سال بھر کا نفقہ روک لیا کرتے تھے،

اس واقعہ سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ مستقبل کے لئے معاشی انتظام پہلے کر کے رکھنا توکّل کے منافی نہیں ہے۔

فقہ کی مشہور کتاب ردّالمختار میں ہے کہ عورت کو صاف ستھرا رہنے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ان کا انتظام کرنا بھی شوہر کی ذمہ داری ہے اس کے علاوہ بقدر ضرورت خوشبو بھی بیوی کو شوہر مہیا کرے۔

کونسا نظام بہتر؟ ان آیات اور احادیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے معاش کا بوجھ کسی صورت بھی عورت پر نہیں ڈالا ہے بلکہ اس کی ساری ذمہ داری شوہر پر ہے، اس طرح عورت گھرداری کے نظم اور بچوں کی تربیت کے لئے بالکل فارغ اور یکسو ہو جاتی ہے۔

اس کے برعکس آپ اُس معاشرہ پر نظر ڈالیں جس میں ایک غلط خیال کے مطابق عورت کو آزادی دی گئی ہے وہاں بچوں کا جننا، حمل اور رضاعت کی مشقت برداشت کرنا بھی عورت کی ذمہ داری ہے اور اپنے لئے معاشی ضروریات مہیا کرنے کی بھی وہ خود ذمہ دار ہے وہ بیچاری پیٹ میں حمل اُٹھائے دفتروں اور فیکٹریوں میں ماری ماری پھرتی ہے اسے وہ سکون میسر ہی نہیں آتا جو حمل کی حالت میں عورت کو میسّر آنا ضروری ہے اس سے صرف عورت پر ہی ظلم نہیں ہوتا

بلکہ بچہ پر بھی ظلم ہوتا ہے۔

پیدائش کے بعد بچے کو ماں کی آغوش کی تلاش ہوتی ہے،

وہ ماں کی ممتا کا پیاسا ہوتا ہے،

وہ محبت اور پیار کا محتاج ہوتا ہے،

وہ ماں کی محبت بھری آواز سننا چاہتا ہے،

اس کی مادرانہ محبت کے ساتھ پرورش اور تربیت کی ضرورت ہوتی ہے،

مگر ماں کی مصروفیات بچے کی ان ساری آرزوؤں اور ضرورتوں کا خون کر دیتی ہیں۔

میں مانتا ہوں کہ ان بچوں کے لئے بہترین دودھ اور غذاؤں کا انتظام کر دیا جاتا ہے مگر آج کے اس روشنی کے دور میں بھی کیا کوئی ڈاکٹر یا سائنسدان اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے کہ یہ غذائیں ماں کے دودھ کا متبادل بن سکتی ہیں؟

میں اعتراف کرتا ہوں کہ ان بچوں کے لئے بہترین نرسنگ ہوم تعمیر کئے گئے ہیں مگر سوچیے کہ وہاں انہیں ماں کا پیار میسر آسکتا ہے؟

میں اقرار کرتا ہوں کہ ان بچوں کی خدمت اور پرورش کے لئے بہترین مائیں رکھی جاتی ہیں، مگر کیا اُن کے سینے میں ماں کا دل بھی منتقل کیا جا سکتا ہے۔

ہائے یورپ والو اللہ تمہیں ہدایت دے، تم نے ہم کو سجی سجائی فیشن ایبل لیڈیاں تو دے دیں،

تم نے عورت کو آزاد تو کر دیا،

تم نے اسے دفتروں اور فیکٹریوں میں تو پہنچا دیا،

تم نے اسے ملازمت کے طریقے تو بتلائیے۔

تم نے اسے کلبوں میں جا کر تھرکنا اور ناچنا تو سکھا دیا۔

تم نے اسے دل لبھانا اور مردوں کو متوجہ کرنے کا ڈھنگ تو بتا دیا۔

مگر! تم نے بچوں کو ان شفیق ماؤں سے محروم کر دیا جن کے دل بچوں کیلئے دھڑکا کرتے تھے، جو بچوں کے لئے راتوں کو جاگا کرتی تھیں، جو بچوں کی تربیت کر کے ان کو اچھے انسان بنایا کرتی تھیں۔

جی چاہتا ہے کہ یورپ کے سینٹر میں بیٹھ جاؤں اور چلا چلا کر اعلان کروں کہ یورپ والو ہم سے یہ حسن و نزاکت کی تھرکتی ناچتی پُتلیاں واپس لے لو اور ہمیں ہمارے بچوں کی روایتی مائیں واپس کر دو، ہم ان پُتلیوں کے بغیر گذارہ کر سکتے ہیں مگر اُن عظیم ماؤں کے نہ ہونے سے ہماری نسلیں تباہ ہو رہی ہیں، ہمارا معاشرہ تنزل کی طرف جا رہا ہے، ہمارے بچے اُن کی ضرب المثل ممتا کو ترس گئے ہیں۔

تو گرامی قدر سامعین! یہ دو نظام آپ کے سامنے ہیں ایک اسلام کا نظام جس نے بیوی کو گھر کی ملکہ بنایا ہے اور دوسرا دورِ حاضر کا نظام جس نے کمزور سی عورت کے ناتواں کندھوں پر ناقابل برداشت بوجھ ڈال دیئے ہیں گھر کے نظم کو تباہ کر دیا ہے اور بچوں کو ماں کی ممتا اور سائے سے محروم کر دیا ہے آپ خود اندازہ کریں کہ ان دونوں نظاموں میں سے کونسا نظام بہتر ہے؟

اسلام کا عفت و عصمت کا نظام یا یورپ کا حریتِ مطلقہ اور بے حیائی کا نظام؟

اسلام کا عورت کو ملکہ بنانے کا نظام یا یورپ کا اُسے لونڈی بنانے کا نظام؟

اسلام کا بچوں کو ممتا کا سایہ دینے کا نظام یا یورپ کا نرسنگ ہومز کا نظام؟

طلاق کا مسئلہ! طلاق کا مسئلہ بھی اُن مسائل میں سے ہے جن کو بہت اچھالا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے اسلام کو بدنام کیا جاتا ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ مرد کے ہاتھ میں طلاق کا اختیار دے کر اسلام نے عورت پر بہت ظلم کیا ہے گویا ہونا یہ چاہئے تھا کہ طلاق کا اختیار عورت کو بھی دیا جاتا بلکہ بعض حسن و عشق کے مارے ہوئے

چاپلوسی اور زمانہ سازی میں اس قدر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ وہ یہ کہتے ہوئے بھی نہیں شرماتے کہ طلاق کا اختیار صرف عورت کو ہونا چاہئے تھا کیونکہ وہ بڑے تحمل والی ہوتی ہے، بڑے صبر اور حوصلے والی ہوتی ہے، بڑی ذہانت والی ہوتی ہے، ویسے بھی کسی حسین اور نازنین کے منہ سے طلاق کے الفاظ نکلیں تو بڑے بھلے معلوم ہونگے۔

پھر یہ لوگ ایسا کرتے ہیں کہ کسی مظلوم عورت کی کہانی جس کو طلاق ہوگئی ہو اس انداز سے بیان کرتے ہیں گویا کہ اس عورت پر یہ سارا ظلم صرف اس لئے ہوا ہے کہ اسلام نے مرد کو طلاق کا اختیار دے دیا ہے، اگر اس کے برعکس ہوتا تو پھر ظلم اور زیادتی کا کوئی واقعہ پیش نہ آتا، حالانکہ آپ حضرات جانتے ہیں کہ دنیا کے بہترین سے بہتر بن قانون میں بھی بعض اوقات کوئی ایسی صورت، کوئی ایسا واقعہ پیش آجاتا ہے جو انتہائی اندوہناک اور شرمناک ہوتا ہے تو کیا کسی ایک واقعہ کی وجہ سے ہم اس بہترین قانون کو منسوخ کرنے کی جرأت کرسکتے ہیں۔

میں اس کی صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں اس وقت ساری دنیا کو منشیات کی درآمد برآمد کے مسئلے نے پریشان کر رکھا ہے اور ہر ملک میں ہیروئن اور دوسری منشیات کے انسداد کے لئے سخت ترین سزائیں تجویز کی گئی ہیں، اب بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص بالکل ناحق منشیات کے کیس میں پھنس جاتا ہے، ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک انتہائی مقدس سفر پر جارہا ہے اور کوئی دوست اسے اپنے کسی عزیز رشتہ دار کے لئے تحفہ دے دیتا ہے وہ بیچارہ شخص دوست کی دلجوئی کی خاطر وہ تحفہ ساتھ لیجاتا ہے سامان کی تلاشی ہوتی ہے تو اس نام نہاد تحفے سے ہیروئن برآمد ہوتی ہے وہ مسافر بہت چیختا چلاتا ہے کہ میں بے گناہ ہوں میں تو دوستی میں مارا گیا ہوں مگر اس کی فریاد کوئی نہیں سنتا

اور اسے طویل عرصے کے لئے جیل کی کال کوٹھڑی میں ڈال دیا جاتا ہے۔

اب بتلائیے کہ اس شخص کو جو اندوہناک واقعہ پیش آیا ہے اسے ناحق اور بے گناہ جیل میں ڈالدیا گیا ہے کیا اس ایک واقعہ کی وجہ سے کوئی بھی شخص کوئی بھی گروہ یہ مطالبہ کرتا ہے کہ ہیروئن کی سزا ہی منسوخ کردی جائے۔

تو اس قسم کے اندوہناک واقعات کسی بھی قانون کے نفاذ کی وجہ سے پیش آسکتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم لٹھ لیکر اس قانون ہی کے پیچھے پڑجائیں بلکہ ہونا یہ چاہئے کہ زیادتی کے ان واقعات کا سدباب کیا جائے اور ایسی صورت ہی پیدا نہ ہونے دی جائے، جو اس ظلم اور زیادتی تک پہنچانے کا سبب بن جائے۔

حکمت کیا ہے بہرحال یہ بات بالکل واضح ہے کہ اسلام نے طلاق کا اختیار مرد کو دیا ہے عورت کو نہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس میں بھی بے شمار حکمتیں ہیں۔

اس بات سے تو اس روشنی کے دور میں بھی کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ عورت مرد کے مقابلہ میں زیادہ جذباتی اور جلدی ناراض ہوجانے والی ہوتی ہے ذراسی بات اس کی طبیعت کے خلاف پیش آجائے تو وہ آخری قدم اُٹھانے پر تیار ہوجاتی ہے۔

علم التشریح کے محققین نے بھی یہ بات ثابت کردی ہے کہ عورت کا دماغ مرد کے دماغ سے اوسطاً ایک سو گرام کم ہوتا ہے

یورپ والوں نے عورت کو طلاق کے مسئلے میں بہت تھوڑا سا اختیار دیا ہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اکثر شادیوں کا نتیجہ طلاق کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے یہاں تک کہ وہاں نکاح کا معنیٰ ہی طلاق بن چکا ہے۔

اور پچاسی فی صد طلاقوں کی درخواستیں عورتوں کی طرف سے آتی ہیں اور اب یورپ والے پچھتا رہے ہیں کہ ہم نے عورت کو طلاق کا اختیار کیوں دیا اور اب تحقیقات سے ثابت کر رہے ہیں کہ عورت جذباتی ہوتی ہے زود رنج ہوتی ہے، جلد باز ہوتی ہے، ایک دم سارے احسانات فراموش کر دیتی ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت پہلے فرما دیا تھا "لَوْ اَحْسَنْتَ اِلیٰ احداھُنَّ الدھر ثم رأت منک شیئًا قالت ما رأیتُ منک خیرا قط" (یعنی چاہے تم عورت کے ساتھ عمر بھر احسانات سے بھرپور اور بہتر سے بہتر برتاؤ کرتے رہے ہو، اسکے باوجود اتفاقاً اگر اس نے کسی وقت معمولی سی کوئی بات بھی اپنی مرضی کے خلاف تم سے سرزد ہوتی دیکھ لی تو بس فوراً کہہ اُٹھے گی کہ میں نے آج تک تیرے یہاں کوئی بھلائی دیکھی ہی نہیں، یا مجھے تو تیرے پاس کبھی سکھ ملا ہی نہیں)۔

ہمارے ہاں یہ مشہور ہے کہ جب عورت ناراض ہو جاتی ہے یا اُسے ذرا سی تکلیف پیش آتی ہے تو کپڑوں کی طرف اشارہ کر کے کہتی ہے اس گھر میں کیا ہے سوائے چند چیتھڑوں کے،

برتنوں کی طرف اشارہ کر کے کہتی ہے یہاں کیا ہے سوائے چند ٹھیکروں کے جوتیوں اور چپلوں کی طرف ہاتھ ہلا کر کہتی ہے یہاں کیا ہے سوائے چند لیتڑوں کے۔

شوہر بیچارے! اخبارات میں ایک واقعہ کا بڑا چرچا ہوا تھا وہ یہ کہ ایک عورت نے طلاق حاصل کرنے کے لئے عدالت میں درخواست دی۔

جج نے پوچھا محترمہ آپ آخر اپنے شوہر سے برسوں کے بندھن کو کیوں توڑنا چاہتی ہیں اس بیچارے کی ذات سے آپ کو کیا تکلیف پہنچی ہے،

خاتون نے جواب دیا میرا سنگدل شوہر، میرے "پیارے کتے" کو پسند نہیں کرتا۔

کوئی عورت کہتی ہے کہ میرا شوہر سونے میں زور زور سے خراٹے لیتا ہے، لھذا مجھے طلاق دلوائی جائے۔

کوئی عورت شکایت کرتی ہے کہ میرے شوہر کے ہنسنے کا انداز اچھا نہیں ہے۔

کسی کو شکوہ ہے کہ میرا شوہر کھانا اچھا نہیں پکا سکتا نہ کپڑے دھو سکتا ہے۔

ایسے واقعات بھی پیش آئے کہ بیویوں نے شوہروں کی پٹائی لگا دی، ہم نے پڑھا اور سنا تھا کہ ایسے ہی ستائے ہوئے شوہروں نے بیویوں کے ظلم اور زیادتی کے خلاف جلوس نکالا، وہ نعرے لگا رہے تھے کہ ہمیں بیویوں کی زیادتیوں سے نجات دلائی جائے۔

جب اسلام کے قانونِ فطرت سے بغاوت کی جائے گی تو ایسے واقعات ضرور رونما ہونگے۔

مرد آزاد نہیں ہے | اسلام نے طلاق کا اختیار مرد کو دیا ہے لیکن اس کو مارشل لاء ایڈ منسٹیٹر نہیں بنایا ہے کہ اس کو جیسے چاہے استعمال کرتا رہے، اس سلسلے میں سب سے پہلی اور بنیادی بات تو یہ ارشاد فرمائی کہ "ابغض الحلال عند اللہ الطلاق"، جن چیزوں کی اجازت دی گئی ہے ان میں طلاق سب سے زیادہ ناپسندیدہ شئی ہے، اور ناپسندیدہ اسلئے کہ طلاق سے دو فرد جدا نہیں دو خاندان جدا ہو جاتے ہیں، دو قبیلوں کے تعلقات خراب ہو جاتے ہیں، بچے تربیت سے محروم ہو جاتے ہیں اور جدائی کے بعد میاں بیوی کے زنا اور بدکاری میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہو جاتا ہے، اور کہتے ہیں کہ شیطان کسی برائی پر اتنا خوش نہیں ہوتا جتنا خوش اس وقت ہوتا ہے

جب میاں بیوی کے درمیان جدائی واقع ہو جاتی ہے۔

تو مرد کو شوہر ہونے کی حیثیت سے یہ بات بتادی گئی ہے کہ بلا وجہ طلاق دینا اللہ تعالیٰ کی انتہائی ناراضگی کا سبب ہے لیکن اگر وہ بلا وجہ طلاق دے ہی دیتا ہے تو اسے تعزیر لگائی جا سکتی ہے، اور یہ تعزیر حالات کے مطابق مختلف ہو سکتی ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے زبانی طور پر شرمندہ کیا جائے برا بھلا کہا جائے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے کوڑے لگائے جائیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے کچھ عرصہ کے لئے جیل میں ڈال دیا جائے۔

پھر شوہر کو یہ بھی حکم ہے کہ اگر طلاق کی ضرورت پیش آ بھی جائے تو بیوی کو راہ راست پر لانے کے لئے پہلے دوسری تدبیریں اختیار کرو فرمایا۔

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ وَاھْجُرُوْھُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَکُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْھِنَّ سَبِیْلًا اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیًّا کَبِیْرًا ۝ (سورۃ النساء پ۵ ع ۴)

اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو بد دماغی کا احتمال ہو تو اُنکو زبانی نصیحت کرو اور اُن کو اُنکے لیٹنے کی جگہ میں تنہا چھوڑ دو اور انکو مارو پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو اُن پر بہانہ مت ڈھونڈو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے رفعت اور عظمت والے ہیں۔

اس کے علاوہ کسی کو حکم بنا کر بیچ میں ڈالو جو تعلقات کی درستگی کی کوئی صورت نکالے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِھِمَا فَابْعَثُوْا حَکَمًا مِّنْ اَھْلِھَا اِنْ یُّرِیْدَا

اور اگر تم اوپر والوں کو اُن دونوں میاں بیوی میں کشاکش کا اندیشہ ہو تو تم لوگ ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی

اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰہُ بَیْنَہُمَا اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًاo (سورۃ النساء پ۵ ع۴)

لیاقت رکھتا ہو مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو عورت کے خاندان سے بھیجو اگر ان دونوں آدمیوں کو اصلاح منظور ہوگی تو اللہ تعالیٰ ان میاں بیوی میں اتفاق پیدا فرما دیں گے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑے خبر والے ہیں۔

یعنی بجائے اسکے کہ میاں بیوی اپنی عزت خراب کریں اپنے رازوں کو عدالت میں طشت از بام کریں اس سے بہتر یہ ہے کہ وہ اصلاح کی خود کوئی صورت نکالیں یا کسی کو حکم تسلیم کرکے اس سے فیصلہ کروائیں۔

اس وقت طلاق کے سارے مسائل عرض کرنا مقصود نہیں ہیں بلکہ انشاء اللہ اس موضوع پر کسی دوسری نشست میں مستقل گفتگو ہوگی بتانا یہ چاہتا ہوں کہ اسلام نے مرد کو طلاق کا اختیار دے کر شتر بے مہار نہیں بنایا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ شتر بے مہار بنا ہوا تھا اسلام نے اسے نکیل ڈالی ہے اور کچھ قیود اور حدود کا اسے پابند بنایا ہے۔

لیکن یہ بات تو ہر شخص تسلیم کرے گا کہ بعض اوقات ایسے حالات پیش آجاتے ہیں اور تعلقات اتنے خراب ہوجاتے ہیں کہ طلاق کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں رہتا ایسی صورت میں طلاق کی اجازت ہے لیکن اس کے لئے شرائط ہیں خاص طریقہ ہے مثلاً جو مہر عورت کو دیا تھا وہ واپس نہ لے، حیض کے زمانے میں طلاق نہ دے، تین طہروں میں ایک ایک طلاق دے، اور پھر شوہر کو یہ بھی سمجھا دیا گیا ہے کہ جب تین طلاقیں ہوگئیں تو اب عورت بغیر حلالہ کے تمہارے نکاح میں نہیں آسکے گی۔

بہرحال یہ ایک الگ موضوع ہے جسکے بارے میں گفتگو انشاء اللہ پھر کبھی ہوگی۔

ایک سوال یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ مرد کو تو اسلام نے طلاق کا اختیار دیا ہے اگر عورت مجبور ہو شوہر کی طرف سے زیادتی ہو رہی ہو، تو پھر وہ بیچاری کیا کرے۔ کیا ساری زندگی ظلم کی چکی میں پستی رہے یا اس ظلم سے نجات حاصل کرنے کے لئے اسلام اس کو بھی کچھ اختیار دیتا ہے۔

اس سلسلہ میں پہلی گذارش تو یہ ہے کہ بلا وجہ نکاح کے بندھن کو توڑنے کی اجازت جب اسلام نے شوہر کو نہیں دی ہے تو بیوی کو یہ اجازت کیسے دی جاسکتی ہے کہ یورپ کی بے لگام خواتین کی طرح نکاح کو مذاق بنا لے اور جب چاہے نکاح کی قید سے آزاد ہو جائے۔

ہاں اگر کوئی معقول وجہ ہو تو عورت کو اختیار ہے کہ وہ عدالت کا دروازہ کھٹکھٹائے اور ظالم شوہر کی زیادتیوں سے نجات حاصل کرے

مثلاً شوہر ازدواجی حقوق ادا نہ کرسکتا ہو تو بیوی فسخ نکاح کا دعویٰ کرسکتی ہے،

اگر شوہر پاگل ہے، مجنون ہے تو عورت عدالت کے ذریعہ نکاح فسخ کراسکتی ہے۔

اگر مرد یہ سمجھتا ہے کہ وہ عورت کو نفقہ وغیرہ نہیں دے سکتا تو اسے نکاح کرنا ہی نہیں چاہیے، لیکن اگر وہ نکاح کر ہی لیتا ہے اور پھر اپنی بیوی کو نفقہ نہیں دیتا تو بیوی قاضی کے پاس جاکر یہ درخواست دے سکتی ہے کہ مجھے میرا حق دلوایا جائے ورنہ مجھے اس شوہر سے جدا کر دیا جائے

خلع کا اختیار پھر اسلام نے عورت کو خلع کا جو اختیار دیا ہے، اس کے مطالعہ کے بعد تو کوئی شخص یہ کہنے کی جرآت نہیں کرسکتا کہ اسلام نے عورت کو بے بس بنا دیا ہے یا اس کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے ہیں، حق خلع کی وجہ سے عورت کو جو اختیار حاصل ہوتا ہے اس کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی تھے ثابت نام تھا، صورت کچھ زیادہ ہی سادہ تھی پہلے جمیلہ نامی عورت سے شادی کی وہ نام کی بھی جمیلہ تھی اور یہ بیچارے جمیل تو کیا بلکہ جمیل کی ضد تھے، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صاف صاف کہدیا۔ اور حقیقت میں اسلام نے عورتوں کو جو آزادی دی تھی اس واقعہ سے بھی اسکا ثبوت ملتا ہے اور یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ صحابہ اور صحابیات کتنے صاف گو تھے۔

جمیلہ نے کہا :

یا رسول اللہ بی من الجمال ما تری وثابت رجل دمیم یا رسول اللہ

میں جیسی خوب صورت ہوں آپ دیکھتے ہیں اور ثابت ایک بدصورت شخص ہے۔

چنانچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ ثابت نے مہر میں جو باغ تم کو دیا تھا وہ تم اس کو واپس کر دو اور وہ تمہیں طلاق دیدیتا ہے ۔ اس کے بعد ثابت نے حبیبہ نام کی ایک عورت سے شادی کی ۔ وہ عورت تو حبیبہ تھی مگر ثابت اس کے بھی حبیب نہ بن سکے ۔ چنانچہ اس نے بھی مہر واپس کر دیا اور طلاق حاصل کر لی ۔

ان واقعات سے آپ اندازہ لگائیں اور فیصلہ کریں کہ کیا یہ کہنا جائز ہے کہ عورت کو اسلام نے کوئی اختیار نہیں دیا ہے ۔

لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ اگر کوئی عورت بلاوجہ محض ذائقہ بدلنے کے لئے صرف مختلف مردوں کو پرکھنے کے لئے خلع کرتی اور طلاق حاصل کرتی ہے تو وہ اللہ اور اس کے رسول کی نظر میں بے انتہا مبغوض اور قابلِ مذمت عورت ہے ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے :

ایما امرأة اختلعت من زوجها بغیر نشوزٍ فعلیها لعنة الله والملائكة والناس اجمعین، المختلعات هن المنافقات	جس کسی عورت نے اپنے شوہر سے اس کی کسی زیادتی کے بغیر خلع لیا اس پر اللہ اور ملائکہ اور سب لوگوں کی لعنت ہوگی (بلاوجہ) خلع کرنے والی عورتیں منافق ہیں ۔

یقینی بات عورت کے ماں، بہن، بیٹی اور بیوی ہونے کی حیثیت سے اسلام نے عورت کو جو حقوق دیئے ہیں ۔ اور جو میں نے قرآن و سنت کے حوالہ سے آپ کے سامنے پوری تفصیل کے ساتھ پیش کئے ہیں ان سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ اسلام نے عورت کو جو حقوق دیئے ہیں وہ کسی دوسرے مذہب، کسی دوسرے قانون اور کسی دوسری سوسائٹی نے نہیں دیئے ہیں ۔

تجارت اور ملازمت ان حقوق کے علاوہ اسلام عورت کو تجارت اور

ملازمت کی اجازت بھی دیتا ہے ۔ یہ آپ جانتے ہیں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی تجارت فرمالیا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے جس عظیم خاتون کو شرفِ زوجیت بخشا وہ بھی ایک کامیاب تاجرہ تھی۔ لیکن اگر عورت تجارت یا ملازمت کرنا چاہے تو اس کے لئے کچھ حدود مقرر ہیں ۔

بلا روک ٹوک اسے تجارت کرنے کی اجازت نہیں، اجنبی مردوں کے ساتھ خلوت میں میٹنگ کرنے کی اجازت نہیں، بلا شرعی پردہ کے کسی غیر کے سامنے جانے کی اجازت نہیں، اپنے حسن وجمال کی نمائش کی اجازت نہیں، غیر محرموں کے ساتھ میل ملاپ کی اجازت نہیں، اکیلے لمبا سفر کرنے کی اجازت نہیں ۔

میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہم واقعی بعض خواتین کے معاشی حالات سے آزردہ خاطر ہیں اور اگر ہم واقعی بے سہارا اور بیوہ خواتین کو معاشی اعتبار سے اپنے پاؤں پر کھڑا کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لئے یہ کیا جاسکتا ہے کہ عورتوں کے لئے الگ انڈسٹریاں لگائی جائیں جہاں صرف خواتین کام کریں، اوپر سے نیچے تک خواتین ہی کی عملداری ہو، مردوں کا کوئی عمل دخل نہ ہو اور کام بھی ایسا ہو جو زیادہ مشقت والا نہ ہو بلکہ ایسا کام ہو جو خواتین آسانی کے ساتھ کر سکیں ۔

بڑے بڑے کارخانوں، فیکٹریوں اور اداروں میں خواتین کے الگ ڈیپارٹ قائم کئے جائیں ۔

یا پھر یہ کہ محلہ کی سطح پر کاٹیج انڈسٹری قائم کی جائے ۔

یہ صورت اختیار کرنے سے مجبور اور بے سہارا عورتوں کو ذریعہ معاش بھی مل جائے گا اور اسلامی حدود بھی پائمال نہ ہوں گی ۔

میں مجبور اور بے سہارا کے الفاظ اس لئے استعمال کر رہا ہوں کیونکہ اصولی طور پر تو اسلام نے عورت کو معاشی جدوجہد سے آزاد رکھا ہے اور

اس کے نان نفقہ کا بوجھ اس کے باپ پر رکھا ہے اس کے بھائی پر رکھا ہے، اس کے شوہر پہ رکھا ہے، اس کے بیٹوں پر رکھا ہے اس لئے عورت کو کاروبار کرنے کی، ملازمت کرنے کی، مزدوری کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

بعض عورتیں صرف نمائشی طور پر کام کرتی ہیں۔

صرف فیشن کے طور پر،

محض ماڈرن بننے کے لئے،

محض جدت پسندی کی وجہ سے،

محض شوہر پہ رعب جمانے کے لئے اور اس سے آزاد رہنے کے لئے،

تو ایسی عورتیں اللہ اور اس کے رسول کو قطعاً پسند نہیں، عورت کے لئے سب سے محفوظ اور سب سے اچھی جگہ اُس کا گھر ہے کسی مجبوری کے بغیر اُسے گھر سے باہر قدم نہ رکھنا چاہیئے۔

اسی طرح وہ شوہر بھی قابلِ نفرت ہیں جو خود تو بیکار بیٹھے رہتے ہیں اور بیوی کو ملازمت کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ جیسا کہ وحشی ممالک میں ہو رہا ہے کہ وہاں مرد بیکار رہتے ہیں اور عورتیں کام کرتی ہیں۔

میں اس موقع پر یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر عورت کی آزادی کا مطلب یہ ہے کہ اُس سے کام کاج کروایا جائے، اُس سے ملازمت کروائی جائے پھر تو یہ وحشی ممالک ہم سے زیادہ متمدن اور ہم سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں

ہمدردی یا مکاری بعض مکار لوگ کسی ایک بے سہارا خاتون کا واقعہ لے لیتے ہیں اور پھر بڑی ہوشیاری اور ملمع سازی سے اُسے اچھالتے ہیں کہ دیکھئے جناب اگر عورت کو ملازمت کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی تو بیچاری بے سہارا اور بیوہ خواتین اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ کہاں سے پالیں گی حالانکہ جیسا میں عرض

کر چکا ہوں کہ ہم بھی اس بات کے قائل ہیں کہ عورت کو اسلامی دائرے میں رہتے ہوئے کاروبار کرنے کی اجازت ہے لیکن عورتوں کے یہ چھوٹے وکیل عورتوں کے ہمدرد نہیں بلکہ بڑے مکّار اور فریبی لوگ ہیں ان کو عورتوں کے مسائل سے دلچسپی نہیں بلکہ اُن کے حسن و جمال سے دلچسپی ہے، ان کو عورتوں کی مجبوریوں اور پریشانیوں کا کوئی خیال نہیں بلکہ یہ بدبخت تو عورت کی جوانی، عورت کے جسم اور عورت کی شکل و صورت کے غم میں مرے جا رہے ہیں۔

میں سوال کرتا ہوں کہ اگر ان لوگوں کو بیوہ اور بے سہارا عورتوں کی معاشی پریشانیوں کا غم ہے تو پھر یہ بیوہ اور ادھیڑ عمر کی عورت کو ملازمت کیوں نہیں دیتے ہیں، انہیں اپنی سکرٹری کیوں نہیں بنلتے، انہیں ایئر ہوسٹس کیوں نہیں بناتے، انہیں نرسیں کیوں نہیں بناتے،

کیا مجبور صرف جوان لڑکیاں ہوتی ہیں؟

کیا مجبور صرف حسن و جمال والی ہوتی ہیں؟

کیا مجبور صرف پرکشش ہوتی ہیں؟

فرق یہ ہے یورپ کے پرستارو!

فرق صرف یہ ہے کہ اسلام عورت کے حسن کو، اس کی جوانی کو تو پردے میں قید کرتا ہے لیکن عورت کو آزادی دیتا ہے، حقوق دیتا ہے۔

اسلام عورت کا مقام اس کے حسن اور جوانی کے لحاظ سے متعین نہیں کرتا بلکہ اسلام عورت کو عمر کے ہر حصّہ میں قابلِ احترام ٹھہراتا ہے

اسلام عورت کو بچپن میں شفقت دیتا ہے،

اُسے جوانی میں محبت دیتا ہے،

اُسے بڑھاپے میں عظمت دیتا ہے،

اسے مرنے کے بعد دعائے مغفرت کا حق دیتا ہے،
اور میں پوچھتا ہوں یورپ کے اندھے پرستارو! تم نے عورت کو کیا دیا؟
تم کہتے ہو ہم نے عورتوں کو آزادی دی
لیکن میں کہتا ہوں کہ تم نے عورت کی آزادی چھین لی ہے اس لئے کہ بازار میں بے پردہ پھرنے کی اجازت صرف لونڈیوں کو ہے، آزاد عورت کو اجازت نہیں ہے
مطلب یہ ہوا کہ بازار میں بے حجاب پھرنے والی عورتیں آزاد نہیں ہیں بلکہ وہ لونڈیاں ہیں
اور یہ لونڈیاں ماشاء اللہ تمہاری ہی مسلسل محنت اور تربیت سے بنی ہیں،
تم کہتے ہو کہ ہم نے عورتوں کو حقوق دیئے ہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ تم نے عورت کے حقوق چھین لئے ہیں،
تم نے عورت کی ماتما گُم کر دی ہے،
تم نے عورت سے اس کا گھر گرہستی کا کردار چھین لیا ہے،
تم نے بہن کے سر سے آنچل کھینچ لیا ہے،
تم نے بیٹی کو شفقت و محبت سے محروم کر دیا ہے،
تم نے عورت کے حُسن کو تماشا بنا دیا ہے،
تم نے اس کی جوانی کو کھلونا بنا دیا ہے،
تم نے اس کے جسم کو جنسِ ارزاں قرار دیا ہے،
تم عورت کو شمعِ محفل بنانا چاہتے ہو، اسلام نے اسے زینتِ کاشانہ بنایا ہے
تم عورت کے حسن کو اُجاگر کرنا چاہتے ہو اسلام نے اس کی نسوانیت کو نمایاں کیا ہے
تم عورت کی قیمت اس کے ظاہر سے لگاتے ہو اسلام اس کی قیمت اس کے باطن کے اعتبار سے لگاتا ہے،
تم عورت کو چوراہے پر لانا چاہتے ہو لیکن اسلام اعلان کرتا ہے، اللہ کے

بندو عورت کو عورت ہی رہنے دو اسی میں فائدہ ہے

عورت کا بھی ،

مرد کا بھی ،

تمدّن کا بھی ،

بچوں کا بھی ،

گھر کا بھی ،

دین کا بھی ،

دنیا کا بھی ،

اسلام بار بار اعلان کرتا ہے کمزور بندو ! اللہ کی فطرت کو اس کی مخلوق کو بدلنے کی کوشش نہ کرو یہ تمہارے بس کی بات نہیں ۔ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ

جو لوگ اللہ کی خلقت کو بدلنے کی کوشش کر رہے وہ حقیقت میں شیطان کی پیروی کر رہے ہیں کیونکہ شیطان کو جب مردود ٹھہرا دیا گیا تھا تو اس نے کہا تھا وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۔ میں انکو حکم دوں گا پس وہ اللہ کی تخلیق کو بدل ڈالیں گے

چھوٹا منہ بڑی بات جو لوگ اسی کوشش میں ہیں کہ عورت کو ہر اعتبار سے مرد کے مساوی کر دیں وہ حقیقت میں فطرۃ اللہ کو چیلنج کر رہے ہیں اور یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ ہمیشہ فطرت کو بدلنے والے شکست سے دوچار ہوتے ہیں اگر عورت کسی اعتبار سے مرد سے کمزور ہے تو کون ہے جو قدرت کے اس فیصلے کو بدل دے اور عورت کو طاقت ور بنا دے ۔

کیا سائنس نے کوئی ایسا طریقہ دریافت کر لیا ہے جس سے عورت کو ہمیشہ کے لئے حیض اور نفاس سے نجات مل جائے ،

کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ عورت کو ولادت اور رضاعت سے چھٹی مل جائے ،
کیا عورت کی یہ ذمہ داریاں مرد نباھنے کے لیے تیار ہے ،
کیا عورت کے حواسِ خمسہ میں قدرت نے جو کمزوری رکھی ہے اس کو دور کیا
جا سکتا ہے ،
کیا یہ دیکھتے نہیں کہ تمام جانداروں میں نر مادہ سے قوی ہوتا ہے ،
کیا جدید سائنس نے عورت کی کمزوری کو تسلیم نہیں کر لیا
کیا یہ عورتیں ہیں ؟ اور میں تو صاف کہتا ہوں کہ جو مرد ہر پہلو سے عورت
کی طرح زندگی گزارنا چاہتے ہیں وہ مرد نہیں ہیں ۔ اسی طرح جو مرد عورتوں کو
بے حیائی پر اُکساتے ہیں
وہ حقیقت میں انسان نہیں ، وحشی اور شہوت پرست درندے ہیں
انسان نہیں نسوانیت کے سوداگر ہیں ،
انسان نہیں انسانیت کے ماتھے کا بدنما داغ ہیں ،
انسان نہیں کینسر کے سڑے ہوئے پھوڑے ہیں ،
انسان نہیں بشکلِ حیوان انسان ہیں ،
انسان نہیں سوسائٹی کا فُضلہ ہیں ،
انسان نہیں بے حیائی کے پیکر ہیں ،
انسان نہیں ننگِ انسانیت ہیں ۔ اور اسی طرح جو عورتیں ہر شعبے میں
مَردوں کی ہمسری کرنا چاہتی ہیں وہ عورتیں نہیں ہیں
کیا آپ ان کو عورتیں کہیں گے جو عورت کے نام پہ بہت بڑا الزام ہیں ،
بڑا دھبہ ہیں ،
کیا وہ عورتیں ہیں جنہیں اپنے بچوں کی تربیت کی اور گھریلو فرائض کی

کوئی فکر نہیں۔

کیا وہ عورتیں ہیں جن کی زندگی کا مقصد صرف تھرکنا، ناچنا اور مردوں کے دل لبھانا ہے،

کیا وہ عورتیں ہیں جن کے جسم عریاں ہیں، چہرے عیاں ہیں اور جن کی لوچدار آوازیں فتنہ بجہاں ہیں۔

حقیقت میں یہ عورتیں نہیں بلکہ تہذیب کے چہرے کے بدنما نشان ہیں،
یہ عورتیں نہیں ثقافت کے جسم پر چیچک کے داغ ہیں،
یہ عورتیں نہیں شرم و حیا کے جنازے ہیں،
یہ عورتیں نہیں بلکہ عورت کا کوئی مسخ شدہ ایڈیشن ہیں،
یہ عورتیں نہیں روح سے خالی لاشے ہیں
یہ عورتیں نہیں خوبصورت کھلونے ہیں (جس کا جی چاہے دل لبھالے)
یہ عورتیں نہیں (اور مرد تو ہے ہی نہیں) بلکہ تیسری جنس ہیں،

اور۔ جب ہم یہ بات کرتے ہیں کہ اسلام میں عورتوں کا کیا مقام ہے، کیا حقوق ہیں تو ہمارا مقصد عورت ہوتی ہے، ہم جنسِ ثالث کے حقوق بیان نہیں کرتے اور یہ جو ماڈرن لوگ شور کرتے ہیں کہ اسلام میں عورت کے کوئی حقوق نہیں تو میرا خیال یہ ہے کہ ان کا مقصد یہ ہوگا کہ اسلام میں اس تیسری جنس کے کوئی حقوق نہیں۔ اور ان کی یہ بات تو شاید کسی حد تک صحیح ہوگی کیونکہ اسلام نے اس تیسری جنس کو واقعی وہ حقوق نہیں دیئے جو عورت کو دیئے ہیں۔ باقی جہاں تک عورت کا تعلق ہے تو میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور اب بھی کہتا ہوں کہ عورت کو جو حقوق اسلام نے دیئے ہیں وہ کسی اور قانون میں نہیں دیئے گئے۔

بتلاؤ تو سہی | جن لوگوں کو میرے دعوے میں مبالغہ محسوس ہوتا ہے،

میں انہیں چیلنج کرتا ہوں کہ وہ اسلام کے علاوہ کوئی ایسا مذہب، کوئی ایسا قانون دکھائیں :

جس میں بیٹی کی تربیت کو جنّت کی ضمانت بتایا گیا ہو ،

جس میں اچھی بیوی کو آدھا ایمان قرار دیا گیا ہو ،

جس میں ماں کو اُف تک کہنے کی اجازت نہ ہو

جس میں ماں کے قدموں کے نیچے جنّت بتائی گئی ہو،

جس مذہب نے عورتوں کو اس وقت عزّت دی ہو جب عورت کے انسان ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں بحثیں ہو رہی تھیں ۔ پھر کوئی ایسا قائد اور رہبر بتاؤ :

جس نے اپنی جوانی بیواؤں کا گھر بسانے کے لئے وقف کر دی ہو ،

جس نے صرف بیٹیوں کی تربیت کی ہو اور بیٹوں کے نہ ہونے پر کبھی حسرت ظاہر نہ کی ہو ،

جس نے عورت کو علمی، عملی اور اخلاقی میدان میں مرد کے برابر کھڑا کیا ہو،

پھر تم سوچو تو سہی کہ اسلام عورت کو حقارت کی نظر سے دیکھ کیسے سکتا ہے جب کہ عورت کے بطن سے نبی بھی پیدا ہوتا ہے ، صحابی بھی پیدا ہوتا ہے اور محدّث ، مفسّر، قطب، ابدال ولی بھی اسی کے پیٹ سے جنم لیتا ہے ۔

اگر اسلام حقوق نہ دیتا اگر اسلام عورت کو حقوق نہ دیتا تو اسلامی تاریخ میں کوئی صحابیہ، کوئی عالمہ، کوئی محدّثہ اور کوئی مفسّرہ پیدا نہ ہوتی۔

اگر اسلام حقوق نہ دیتا تو ہماری تاریخ میں سیدہ عائشہؓ اور سیدہ فاطمہؓ نہ ہوتیں، حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ اور حضرت خنساءؓ نہ ہوتیں ۔

اسلام نے عورتوں کو جو مقام دیا اسی کا نتیجہ تھا کہ عورتوں کی ساری

صلاحیتیں تعمیری کاموں میں استعمال ہوتی تھیں ۔آپ اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ صحابہ کرام کو جب کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ اس کے حل کیلئے سیدہ عائشہ رضؓ کا دروازہ کھٹکھٹاتے ۔

ابن حزمؒ کہتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضؓ سے ۲۲۱۰ حدیثیں منقول ہیں ۔

حضرت عروہ بن زبیر رضؓ کہتے ہیں کہ علم فرائض ، حلال وحرام اور مسائل میں حضرت عائشہ رضؓ سے بڑا عالم میں نے نہیں دیکھا ۔

حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ اگر عورت خلیفہ بن سکتی تو عائشہ رضؓ خلیفہ ہوتیں ۔

بات صرف سیدہ عائشہ رضؓ کی نہیں بلکہ آپ کا نام تو ایک مثال ہے ورنہ تاریخ کے ہر دور میں مسلمان عورتوں نے بے شمار اصلاحی اور تعمیری کارنامے انجام دیئے ہیں ۔

یہ نتیجہ تھا اس بات کا کہ اسلام نے عورت کو اعتدال کے دائرہ میں رہتے ہوئے آزادی دی ہے ، مقام دیا ہے ، حقوق دیئے ہیں ۔

اسلام پر طعنہ زنی کرنے والو !

اگر اسلام عورت کو حقوق نہ دیتا تو سنگدل باپ اپنی بیٹیوں کو زندہ درگور کرتے رہتے

اگر اسلام عورت کو مقام نہ دیتا تو بیٹی کی پیدائش پر کوئی باپ سر اٹھا کر نہ چل سکتا ۔

اگر اسلام عورت کو آزادی نہ دیتا تو کسی عورت کو عمر فاروق جیسے جاہ وجلال والے خلیفہ پر برسرِ عام تنقید کرنے کی جرأت نہ ہوتی ۔

اگر اسلام عورت کو مقام نہ دیتا تو وہ ہمیشہ کی طرح بتوں اور دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھتی رہتی ۔

اگر اسلام عورت کو عزت نہ دیتا تو سیدہ امامہ کی پرورش کے بارے میں حضرت علیؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت زیدؓ کے درمیان کبھی کشمکش نہ ہوتی۔

اگر اسلام عورت کو حقوق نہ دیتا تو مسلمانوں میں بیویوں کو طلاق دینے اور گھر سے نکالنے کا سلسلہ عام ہوتا،

اگر اسلام عورت کو عظمت نہ دیتا تو بوڑھی مسلمان خواتین کے لئے بھی ریٹائرڈ ہوم تعمیر کرنے پڑتے۔

اللہ کے بندو اور بندیو!

اسلام نے عورت کو جو صحیح مقام دیا ہے اس کو سمجھنے کی کوشش کرو اور یورپ کے سراب کے پیچھے چل کر اپنے خاندان کو اپنی پرسکون زندگی کو، اپنے گھر کو، اپنی عزت اور وقار کو، اپنے دین اور دنیا کو تباہ نہ کرو!

یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ عورتوں کے نام نہاد وکیل اور نقلی ہمدرد عورت کو تباہ کرنا چاہتے ہیں، اس کی نسوانیت کو اجاڑنا چاہتے ہیں،

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری قوم کو ان نام نہاد وکیلوں اور جھوٹے غمخواروں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ

موت

کیسے کیسے گھر اُجاڑے موت نے — سرو قد قبروں میں گاڑے موت نے
کھیل کتنوں کے بگاڑے موت نے — پہلواں کیا کیا پچھاڑے موت نے
ایسی غفلت یہ تیری ہستی نہیں — دیکھ جنّت اس قدر سستی نہیں
رہ گذر دنیا ہے، یہ بستی نہیں — جائے عیش و عشرت و مستی نہیں

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

" لوگوں کو یہ شکایت ہے کہ موت اچانک آجاتی ہے ہم روز اخبار میں پڑھتے ہیں کہ فلاں کا ناگہانی طور پر انتقال ہوگیا حالانکہ یہ شکوہ بے جا ہے کیونکہ دو باتیں ہر شخص جانتا ہے ایک یہ کہ مجھے ہر حال میں مرنا ہے، دوسرے یہ کہ مرنے کا کوئی وقت معین نہیں۔ اگر یہ دونوں باتیں معلوم نہ ہوتیں تو شکایت بجا ہوتی، جس موت کے اچانک آجانے کی ہم شکایت کرتے ہیں وہ تو ہر روز ہمیں ملتی ہے وہ ہمارے دائیں بھی ہے اور بائیں بھی، وہ اوپر بھی ہے نیچے بھی۔ وہ تو ہر جگہ موجود ہے۔ صحرا کی ویرانیوں میں بھی اور شہر کی محفلوں میں بھی۔ موت تو ہر شخص کا تعاقب کر رہی ہے ذکی اور عالم کا بھی غبی اور جاہل کا بھی، موحد اور مسلم کا بھی، کافر اور مشرک کا بھی۔ وہ نہ فرعون جیسے متکبر کو چھوڑتی ہے، نہ موسیٰؑ جیسے کلیم اور ایوبؑ جیسے صابر کو۔ اس سے نہ ابوبکرؓ و عمرؓ محفوظ ہے، نہ سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ٹھیک کہا ہے جس نے بھی کہا ہے۔ ؎

بدنیا گر کسے پاینده بودے

ابوالقاسم محمد زنده بودے "

موت

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ سیّدنا ورسولنا الکریم

امّا بعد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ	جہاں کہیں تم ہوگے موت تم کو آپکڑے گی
الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِیْ	اگرچہ تم ہو مضبوط قلعوں میں
بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ	

(سورۃ النساء پ ۵ ع ۸)

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ	تو کہہ، موت وہ جس سے تم بھاگتے ہو
تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ	سو وہ تم سے ضرور ملنے والی ہے
ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ	پھر تم پھیرے جاؤ گے اس چھپے اور کھلے
وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا	جاننے والے کے پاس پھر جتلائے گا تم کو
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝	جو تم کرتے تھے۔

(سورۃ الجمعۃ پ ۲۸ ع ۱۱)

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ	ہر متنفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے،
وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ یَوْمَ	اور تم کو قیامت کے دن تمہارے اعمال کا پورا

الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ

(سورۃ آل عمران پ۴ ع۱۰)

پورا بدلہ دیا جائیگا، تو جو شخص آتشِ جہنم سے دور رکھا گیا اور بہشت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچ گیا اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے

وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَلَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

(سورۃ المنافقون پ۲۸ ع۱۴)

اور جو (مال) ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے اس (وقت) سے پیشتر خرچ کرلو کہ تم میں سے کسی کی موت آجائے تو (اسوقت) کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار تو نے مجھے تھوڑی سی اور مہلت کیوں نہ دی تاکہ میں خیرات کرلیتا اور نیک لوگوں میں داخل ہوتا، اور جب کسی کی موت آجاتی ہے تو خدا اس کو ہرگز مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے خبردار ہے۔

عن ابی ھریرۃؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر

(رواہ مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دنیا مؤمن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے۔

عن انسؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یتبع المیت ثلاثۃ فیرجع اثنان ویبقی معہ واحد،

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: میت کے ساتھ قبرستان تک تین چیزیں جاتی ہیں اس کے اہل وعیال اور اس کا مال اور اس کے اعمال

یتبعه أهله وماله وعمله فيرجع ماله وأهله ويبقى عمله	دو چیزیں تو واپس آجاتی ہیں، اہل و عیال اور مال۔ اور صرف اعمال ان کے ساتھ باقی رہ جاتے ہیں۔
(بخاری و مسلم)	
عن عمرو بن میمون الأودی قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لرجلٍ وهو یعظه اغتنم خمسًا قبل خمسٍ شبابك قبل هرمك و صحتك قبل سقمك وغناك قبل فقرك وفراغك قبل شغلك وحیاتك قبل موتك	حضرت عمرو بن میمون اودی رض کہتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نصیحت فرماتے ہوئے فرمایا: پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت شمار کرو بڑھاپے سے پہلے جوانی کو اور بیماری سے پہلے صحت کو اور افلاس سے پہلے خوشحالی کو اور مشاغل سے پہلے فراغت کو اور موت سے پہلے زندگی کو۔
(رواہ الترمذی)	
عن علی رضی الله تعالیٰ عنه قال ارتحلت الدنیا مدبرةً و ارتحلتِ الاخرة مُقبلةً ولکلّ واحد منهما بنون فکونوا من ابناء الآخرة ولا تکونوا من ابناء الدنیا فان الیوم عملٌ ولاحسابَ وغدًا حسابٌ ولا عمل	حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: دنیا کوچ کئے ہوئے پُشت ادھر کئے ہوئے .... چلی جارہی ہے اور آخرت منہ ادھر کئے ہوئے چلی آرہی ہے اور ان میں سے ہر ایک کے بیٹے ہیں (یعنی تابع اور غلام اور رغبت کرنے والے ہیں) پس تم آخرت کے بیٹے بنو، یعنی چاہنے والے آخرت کے بنو اور دنیا کے بیٹے نہ بنو، آج عمل کا دن ہے اور کوئی حساب نہیں اور کل حساب کا دن ہے وہاں کوئی عمل نہیں۔
(رواہ البخاری)	

عن عبد اللہ بن عمرؓ قال:	حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ
أخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	صلے اللہ علیہ وسلم نے میرا مونڈھا پکڑ کر فرمایا
بمنکبی فقال کن فی الدنیا	دنیا میں اس طرح رہ گویا تو مسافر ہے یا راہ گیر
کانک غریب او عابر سبیلٍ	ابن عمرؓ اس کے بعد فرمایا کرتے اور جب شام
فقال ابن عمرؓ اذا أمسیت	ہو جائے تو صبح کا انتظار نہ کر اور جب صبح
فلا تنتظر الصباح ، و إذا	ہو جائے تو شام کا انتظار نہ کر اور
أصبحت فلا تنتظر المساء	صحت کو بیماری سے غنیمت سمجھ، صحت
وخذ من صحتك لمرضك	میں جو عمل کریگا بیماری میں اس کا ثواب
ومن حیاتك لموتك	پائے گا، اور زندگی کو موت سے غنیمت
(رواہ البخاری)	سمجھ (یعنی زندگی میں عمل کرتا کہ مرنے کے
	بعد اس کا ثواب پاؤ گے)
عن ابی هریرةؓ قال :	حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بہت یاد کرو
أکثروا ذکر ھاذم اللذّات	لذّتوں کو کھو دینے والی چیز کو یعنی موت کو

الموت ۔ (رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجۃ)

حضرات گرامی قدر! موت ایک اٹل حقیقت ہے اس کا انکار ممکن نہیں ۔ آپ کو دنیا میں ایسے لوگ مل جائیں گے جو قرآن کا انکار کرتے ہیں ،

ایسے لوگ بھی مل جائیں گے جو انبیاء کا انکار کرتے ہیں،
ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو خدا کا انکار کرتے ہیں ،
ایسے لوگ بھی بے شمار ہیں جو جزا سزا اور جنّت و دوزخ کا انکار کرتے ہیں

لیکن ایسا کوئی نہیں ملیگا جو موت کا انکار کرتا ہو۔ موت سے انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ تو ایک بدیہی حقیقت ہے جس کا مشاہدہ ہر انسان اپنے سر کی دو آنکھوں سے دن رات اپنے محلے اور گلی کوچوں میں کرتا ہے۔

جو لوگ قیامت اور دوسری دنیا کو نہیں مانتے وہ قدرتی طور پر یہ چاہتے ہیں کہ اسی دنیا کو اپنی ابدی خوشیوں کی دنیا بنائیں۔ انہوں نے اس بات کی بہت تحقیق کی کہ موت کیوں آتی ہے، تاکہ اس کے اسباب کو روک کر زندگی کو جاودان بنایا جاسکے مگر انہیں اس سلسلے میں قطعی ناکامی ہوئی۔ ہر مطالعہ نے بالآخر یہی بتایا کہ موت یقینی ہے اس سے چھٹکارا نہیں۔

موت کیوں آتی ہے؟ اس کے تقریباً دو سَو جوابات دیئے گئے ہیں جسم ناکارہ ہو جاتا ہے، اجزائے ترکیبی صرف ہو چکتے ہیں، رگیں پتھرا جاتی ہیں، متحرک البومن کی جگہ کم متحرک البومن آجاتے ہیں، مربوط کرنے والے نسیں بیکار ہو جاتے ہیں، جسم میں آنتوں کے بیکٹیریا کا زہر دوڑ جاتا ہے، ... وغیرہ وغیرہ۔

جسم کے ناکارہ ہونے کی بات بظاہر درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ مشینیں، جوتے، کپڑے سبھی ایک خاص مدت کے بعد ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ پوستین کی طرح ہمارا جسم بھی، جلد یا بدیر پرانا ہو کر ختم ہو جاتا ہو مگر سائنس اس کی تائید نہیں کرتی، سائنسی تشریح کے مطابق جسم انسانی نہ پوستین کی طرح ہوتا ہے نہ مشین سے ملتا جلتا ہے اور نہ چٹان سے مشابہ ہے۔ اگر اسے تشبیہ دی جاسکتی ہے تو دریا سے جو ہزار سال پہلے بھی بہا کرتا تھا اور آج بھی اسی طرح بہہ رہا ہے۔ اور کون کہہ سکتا ہے کہ دریا پرانا ہوتا ہے یا ناکارہ ہو جاتا ہے۔

ہماری زندگی کی مسلسل تجدید ہوتی رہتی ہے ، ہمارے خلیوں میں البومن کے سالمے بنتے اور ختم ہوتے اور پھر بنتے رہتے ہیں۔ خلیے بھی (سوائے اعصابی خلیوں کے) برابر تلف ہوتے اور ان کی جگہ نئے بنتے رہتے ہیں۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ کوئی چار مہینے کے عرصے میں انسان کا خون بالکل ہی نیا ہو جاتا ہے اور چند سال کے عرصے میں انسانی جسم کے تمام ایٹم پوری طرح بدل جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی نوعیت ایک ڈھانچے کی نہیں بلکہ دریا کی سی ہے۔ یعنی وہ ایک عمل ہے ایسی حالت میں جسم کے پرانے اور ناکارہ ہونے کے تمام نظریئے بے بنیاد ہو جاتے ہیں۔ وہ تمام چیزیں جو زندگی کے ابتدائی برسوں میں خراب ہو گئی تھیں زہر آلود اور بے کار ہو چکی تھیں، وہ جسم سے کب کی خارج ہو چکیں۔ پھر ان کو موت کا سبب قرار دینا کیا معنی ؟... اس کا مطلب یہ ہوا کہ موت کا سبب آنتوں، رگوں اور دل میں نہیں بلکہ اس کا سبب کہیں اور ہے

موت سے مفر نہیں عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ سائنسدانوں حکیموں، فلسفیوں اور ڈاکٹروں کی باتیں اور تحقیقات اپنی جگہ لیکن موت ایک ایسی حقیقت ہے کہ اس کا انکار نہیں ہو سکتا۔ یورپ نے صحت اور زندگی کی حفاظت کے بے شمار طریقے اور علاج دریافت کئے ہیں اور اُسے اپنی طبی تحقیقات اور علاج معالجے کے جدید وسائل اور اسباب پر ناز بھی بہت ہے مگر اس سب کچھ کے باوجود کیا ایک بھی ایسا سائنسدان یا ڈاکٹر ہے جو یہ دعویٰ کر سکے کہ میں نے موت کا علاج دریافت کر لیا ہے ؟ بلکہ بسا اوقات تو ایسا ہوتا ہے کہ ڈاکٹر کو جس مرض کے علاج میں مہارت ہوتی ہے اسی مرض کی وجہ سے اس کا انتقال ہو جاتا ہے۔ ماہر امراض قلب کا انتقال ہارٹ اٹیک سے ہو جاتا ہے اور

بلڈ پریشر کے معالج کی موت خون کے دباؤ کی وجہ سے ہو جاتی ہے۔ عربی کا ایک شعر ہے

بسلٍ مات ارسطالیس وافلاطون بافلیج
ولقمان بسرسامٍ و جالینوس مبطونا

مرضِ سل سے ارسطالیس مرا اور افلاطون فالج سے، لقمان سرسام سے اور جالینوس اسہال سے مرا۔ حالانکہ انہی امراض میں ان حکما کو یدِ طولیٰ اور مرتبہ کمال حاصل تھا۔ دھنتر وید کو سانپ پکڑنے میں انتہائی مہارت تھی ان کو سانپ نے کاٹا اور مر گیا۔ غرض یہ کہ جو بنا ہے سو فنا ہے، یہاں جو آیا ہے جانے کے لئے آیا ہے رہنے کے لئے کوئی بھی نہیں آیا۔

پوچھو گے جو فلک سے، تم سے یہی کہے گا ۔۔۔ نہ رہ گیا وہ جو تھا جو ہے وہ کیوں رہیگا
ہونگے حباب اُبھر کر، یوں ہی فنا ہمیشہ ۔۔۔ موجیں بڑھیں گھٹیں گی، دریا یوں ہی بہے گا

ایک شخص نے اپنی اکلوتی بیٹی کے جہیز میں ضروریاتِ زندگی کی تمام اشیاء بہم پہنچائیں۔ قضائے الٰہی سے وہ لڑکی شادی سے چند روز بعد ہی فوت ہو گئی۔ اَلم رسیدہ باپ نے یہ شعر فرطِ غم میں موزوں کیا

یہ آیا یاد اے آرامِ جاں اس نامرادی میں
کفن دینا تمہیں بھولے تھے ہم سامانِ شادی میں
اس گلستاں میں بہت کلیاں مجھے تڑپا گئیں
کیوں لگی تھیں شاخ میں، کیوں بن کھلے مرجھا گئیں

حکایت | ایک سوداگر نے اپنے دوست سے جو ایک جہاز کا ناخدا تھا پوچھا، تمہارے والدِ بزرگوار نے کیونکر وفات پائی؟ ناخدا نے کہا آپ میرے والد کی نسبت خاص کر کیا پوچھتے ہیں؟ میرے آباؤ اجداد سب ڈوب کر مرتے

آئے ہیں، اس واسطے کہ صدہا پُشت سے جہازرانی کا پیشہ ہمارے خاندان میں ہے، سوداگر نے کہا کیا تم کو ڈر نہیں لگتا کہ تم بھی ایک دن باپ دادا کی طرح ڈوب کر ہی مروگے؟ ناخدا نے کہا بیشک ڈوبنے کا خوف تو ہے لیکن موت سے گریز کہاں ہوسکتا ہے۔ بھلا میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کے آباؤ اجداد کیونکر مرے؟ سوداگر نے جواب دیا گھر میں مرے اور کہاں مرے، ناخدا نے کہا آپ نہیں ڈرتے کہ اسی گھر میں آپ کو بھی مرنا ہوگا، ؎

قوی شدیم چہ شد، ناتواں شدیم چہ شد ‌ ‌ ‌ چنیں شدیم چہ شد یا چناں شدیم چہ شد
بہیچ گونہ دریں گلستاں قرارے نیست ‌ ‌ ‌ تو بہار شدی چہ شد ما خزاں شدیم چہ شد

نتیجہ یہ کہ آدمی خُشکی میں رہے یا دریا میں، موت سے کسی جگہ نجات نہیں

؎ پیامِ مرگ سے اے دل تڑا کیوں دم نکلتا ہے
مسافر روز جاتے ہیں یہ رستہ خوب چلتا ہے

؎ مصروف طائران چمن ہیں کلیل میں،
صیّاد تانت باندھ رہا ہے غلیل میں

موت سے کوئی نہیں بچا سکتا حضرت خواجہ حسن بصریؒ جواہرات کی تجارت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ روم تشریف لے گئے وہاں وزیر سے ملاقات ہوئی، وزیر نے کہا آج ہم ایک جگہ جارہے ہیں اگر آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں تو اچھا ہے۔ آپ بھی راضی ہوگئے اور ان کے ہمراہ جنگل تشریف لے گئے۔ جنگل میں دیکھا کہ ایک اطلس کا ایک قیمتی خیمہ ایستادہ ہے۔ وزیر کے پہنچتے ہی سب سے پہلے ایک لشکر جرّار نے خیمے کا طواف کیا، پھر حکیموں اور فلاسفروں نے اس خیمے کا طواف کیا۔ اس کے بعد بے شمار عورتیں زرق برق پوشاک پہنے اور زر و جواہرات کے طشت بھرے لے کر اس خیمے کے گرد طواف

کر کے لوٹ آئیں۔ اس کے بعد بادشاہ اور وزیر اس خیمہ کے اندر گئے اور کچھ دیر بعد باہر آگئے۔

یہ نظارہ دیکھ کر آپ بہت دیر تک سوچتے رہے، جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو وزیر سے اس امر کے متعلق دریافت کیا، وزیر نے کہا کہ قیصرِ روم کا ایک حسین وجمیل نوجوان اکلوتا فرزند فوت ہو گیا اس خیمہ کے اندر اس کی قبر ہے، ہم لوگ سال بھر کے بعد اسی طرح خیمہ کی زیارت کو آتے ہیں اور اس قسم کا مظاہرہ کرتے ہوئے صاحبِ قبر کو یہ بات بتانا چاہتے ہیں کہ اگر تجھ کو زندہ کرنے میں ہمارا ذرہ بھر امکان ہوتا، تو ہم تمام فوج، حکیم، ڈاکٹر، فلاسفر، بزرگ، مال و دولت غرضیکہ ہر طرح کوشش کر کے سب کچھ تجھ پر نثار کر دیتے، مگر تیرا معاملہ تو ایسی ذات کے ساتھ ہے جس کے مقابلہ میں تیرا باپ تو کیا ساری کائنات کی طاقت بالکل ہیچ ہے۔

ع عام است مہرِ اجل بر جہانیان
این حکم من و تو تنہا نمی کنند

یہ بات سُنکر آپ پر اس قدر اثر ہوا کہ اپنا کاروبار چھوڑ کر بصرہ واپس آگئے اور تمام بیش قیمت جواہرات فی سبیل اللہ غرباء میں تقسیم کر دیئے اور ترکِ دنیا کی قسم کھا کر گوشہ نشین ہو گئے، اور ستر سال تک ایسی عبادت کی کہ اپنے زمانے کے تمام بزرگوں پر سبقت لے گئے۔

جان لیتا جو شبستانِ فنا کا انجام
صورتِ شمع ہر ایک بزم میں گریاں ہوتا

ملکہ الزبتھ اوّل نے مرتے وقت کہا کہ اگر کوئی ڈاکٹر اب مجھے زندہ رکھے تو میں ایک منٹ کی قیمت ایک لاکھ روپے دینے کو تیار ہوں، مگر یورپ

کا کوئی ڈاکٹر بھی ملکہ کو زندگی کا ایک سیکنڈ بھی نہ دے سکا۔

نوشیروان کو ایک شخص نے مبارک باد دی کہ تمہارے ایک جانی دشمن کو خدا نے اٹھا لیا، نوشیروان نے کہا، کیا تم نے یہ بھی سنا کہ خدا مجھے چھوڑ دیگا۔

مختصر زندگی کہا جاتا ہے کہ ابتداء میں باریتعالیٰ نے انسانوں کو اس لئے ہزار ہزار سال کی عمر بخشی تھی کہ وہ اسے عبادت میں صرف کریں گے، لیکن بڑے بے پرواہ نکلے، انہوں نے خیال کیا کہ جب اتنی لمبی عمر ہے تو پھر کیوں نہ زندگی کا لطف اٹھایا جائے۔ اس لئے کافی عرصہ عیش و عشرت کریں، جب بڑھاپا آئے گا تو اللہ کو یاد کر لیں گے، اس پر انسانی زندگی کی میعاد گھٹا کر ایک سو سال کر دی تاکہ وہ اس حیاتِ چند روزہ کو تو ضرور ذکر، عبادت اور فکرِ عاقبت میں گزاریں، لیکن اس کے برعکس انسانوں نے کھاؤ پیو اور مزے اڑاؤ کل تو مرنا ہی ہے کے مقولے پر عمل کیا۔

حضرت جبرئیل نے ایک دن حضرت نوحؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کی عمر سب پیغمبروں سے زیادہ ہوئی، آپ نے دنیا کو کیسا پایا؟ فرمایا: مجھے ایسا معلوم ہوا کہ ایک مکان کے دو دروازے ہیں، ایک میں سے اندر گیا اور دوسرے میں سے نکل گیا۔ ؎

جہاں چیست ہمچوں سرائے دو در ازیں سو بیا ازاں سو گذر

موت جہاں لکھی ہے، جس حالت میں **مقام اور کیفیت بھی مقرر ہے** لکھی ہے، جس وقت لکھی ہے، جس سبب سے لکھی ہے آکر رہے گی۔ موت سے بھاگنے والا انسان خود چل کر اس مقام تک جا پہنچے گا جہاں اُسے موت آنی ہے، وہ خود ایسا سبب اختیار کرے گا جو اُسے موت کی وادی میں پہنچا دیگا۔

مجھے ایک با اعتماد ساتھی نے بتایا کہ یہاں کراچی میں ایک جگہ پانچ منزلہ عمارت تعمیر ہو رہی تھی، ایک مزدور پانچویں منزل سے نیچے آگرا، لیکن خدا کی شان کہ اُسے کچھ بھی نہ ہوا یہاں تک کہ وہ نیچے سے اپنی ٹانگوں پر چل کر اوپر جا پہنچا۔ وہاں اس کے ساتھیوں نے اُس کے حیرت انگیز طریقے سے بچ جانے پر خوشی کا اظہار بھی کیا اور اس سے مٹھائی کا مطالبہ بھی کیا۔ ٹھیکیدار نے اپنی جیب سے اسے پچاس روپے دیئے اور کہا کہ مٹھائی لاکر اپنے دوستوں میں تقسیم کر دو، وہ خوشی خوشی مٹھائی لینے جا رہا تھا کہ سڑک پار کرتے ہوئے ایک گاڑی نے اسے ٹکر ماری اور وہیں اس کا انتقال ہو گیا۔

اس مزدور کی موت چونکہ گاڑی کے ایکسیڈنٹ سے طے شدہ تھی اسلئے پانچویں منزل سے گرنا بھی اُسے کچھ نقصان نہ دے سکا۔ لیکن عبرت کی بات یہ ہے کہ اتنے بڑے حادثے میں بچ جانے کے باوجود وہ موت سے نہ بچ سکا۔

ایک سادھو کی منڈلی میں کسی نے کہا کہ والیِ جے پور راجہ امرسنگھ تو مر مر کے بچے ہیں، سادھو نے کہا بچّہ بچ بچ کے مریگا، آخر کب تک بچے گا۔

یہ یہاں کیوں بیٹھا ہے ؟ ایک دن حضرت سلیمانؑ کے پاس ملک الموت آدمی کی شکل میں ملاقات کے لئے آئے، اس وقت حضرت سلیمانؑ کا وزیر بھی بیٹھا ہوا تھا۔ ملک الموت نے اس وزیر کی طرف کئی مرتبہ غور کے ساتھ دیکھا، جب ملک الموت چلے گئے تو وزیر نے حضرت سلیمانؑ سے پوچھا یا حضرت یہ کون شخص تھا؟ حضرت سلیمانؑ نے فرمایا، عزرائیلؑ۔ وزیر نے کہا مجھے کئی بار عزرائیل نے گھورا، اس سے مجھ کو بڑا خوف پیدا ہوا، آپ ہوا کو حکم دیجئے کہ مجھ کو بوماس کے جزیرے میں پہنچا دے۔ حضرت سلیمانؑ نے ہوا کو حکم دیا اور بات کی بات میں وزیر ہوا کے گھوڑے پر سوار کئی ہزار کوس جزیرۂ بوماس میں جا داخل

ہوا، جونہی ٹاپو میں قدم رکھا عزرائیل آموجود ہوئے اور وزیر کی روح قبض کی، کئی روز بعد پھر عزرائیل حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں گئے اور حضرت سلیمانؑ نے اپنے وزیر کا قصہ بیان کیا، عزرائیل نے عرض کیا اس روز جو میں اس شخص کی طرف بار بار دیکھتا تھا اس کی یہی وجہ تھی، میں حیران تھا کہ اس کی مدت حیات پوری ہو چکی ہے اور دو گھڑی بعد جزیرہ ٹاپو میں مجھ کو اس کی روح قبض کرنے کا حکم ہے یہ یہاں کیوں بیٹھا ہے؟

نتیجہ یہ کہ انسان کا خمیر جہاں کا ہے، وہیں اس کو مرنا ہے۔

دو چیز آدمی را ستانند بزور یکے آب ودانہ، دگر خاک گور

سیٹھ جی کو فکر تھی اک اک کو دس کیجئے

آیا ملک الموت، بولا جان واپس کیجئے

اِدھر سے یا اُدھر سے | ہر جاندار خواہ انسان ہو یا حیوان اسے اپنی زندگی پیاری ہے اور وہ اپنی زندگی کی حفاظت کے لئے ہر تدبیر اختیار کرتا ہے، اپنے خیال میں وہ موت کے آنے کے تمام دروازے اور تمام روزن بند کر دیتا ہے لیکن قضا کا تیر اُسے تلاش کر ہی لیتا ہے اور وہ دائیں یا بائیں سے اِدھر سے، یا اُدھر سے، اوپر سے، یا نیچے سے آکر اس کا قصہ تمام کر دیتا ہے۔

ایک ہرن کی آنکھ کسی صدمہ سے جاتی رہی، بے چارہ شکاریوں کے ڈر سے دریا کے کنارے چرا کرتا اور جو آنکھ کہ ضائع ہو چکی تھی دریا کی طرف سے کچھ خطرہ نہ سمجھ کر اس آنکھ کا رُخ دریا کی طرف رکھتا۔ اتفاقاً کوئی شکاری کشتی میں سوار چلا جا رہا تھا، جونہی وہ ہرن کے برابر آیا گولی ماری اور ہرن کا کام تمام کیا۔

یاد رکھو! زندگی کو ہر طرف سے آفت ہے، کسی حالت میں مطمئن نہیں رہنا

یہ اقامت ہمیں پیغام سفر دیتی ہے
زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے

کوئی بھی محفوظ نہیں لوگوں کو یہ شکایت ہے کہ موت اچانک آجاتی ہے ہم روزانہ اخبار میں پڑھتے ہیں کہ فلاں کا ناگہانی طور پر انتقال ہوگیا۔ حالانکہ یہ شکوہ بے جا ہے۔ کیونکہ دو باتیں ہر شخص جانتا ہے ایک یہ کہ مجھے ہر حال میں مرنا ہے، دوسرے یہ کہ مرنے کا کوئی وقت معین نہیں، اگر یہ دونوں باتیں معلوم نہ ہوتیں، تو شکایت بجا ہوتی۔

جس موت کے اچانک آجانے کی ہم شکایت کرتے ہیں وہ تو ہر روز ہمیں ملتی ہے۔

وہ ہمارے دائیں بھی ہے اور بائیں بھی۔
وہ اوپر بھی ہے، نیچے بھی،
وہ تو ہر جگہ موجود ہے،
صحرا کی ویرانیوں میں اور شہر کی محفلوں میں بھی،
سمندر کی تلاطم خیز موجوں میں بھی اور خشکی کے سناٹوں میں بھی،
موت تو ہر شخص کا تعاقب کر رہی ہے
ذکی اور عالم کا بھی، غبی اور جاہل کا بھی،
صاحب ثروت کا بھی، مفلس اور قلاش کا بھی،
موحّد اور مسلم کا بھی، مشرک اور کافر کا بھی،
وہ نہ فرعون جیسے متکبر کو چھوڑتی ہے، نہ موسیٰؑ جیسے کلیم اور ایوبؑ جیسے صابر کو،
وہ نہ نمرود جیسے سرکش کو معاف کرتی ہے، نہ ابراہیمؑ جیسے خلیل اللہ اور

اسمٰعیلؑ جیسے ذبیح اللہ کو،

اس کی نظر میں ارسطو اور افلاطون جیسے حکیم اور ابوجہل وابولہب جیسے نادان برابر ہیں،

اس سے نہ ابوبکرؓ و عمرؓ محفوظ رہے نہ سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

موت لانے والے کو موت حتیٰ کہ تمام جانداروں کے لئے موت کا پیغام لے کر آنے والا فرشتہ، عزرائیل بھی موت سے نہ بچ سکے گا۔

مسند ابویعلی موصلی کی ایک طویل حدیث میں ہے کہ جب سب مرجائیں گے تو ملک الموت اللہ تعالیٰ کے پاس آئے گا اور عرض کرے گا اے پروردگار! آسمان وزمین کے تمام لوگ مرگئے سوائے ان لوگوں کے جن کو تو نے نہیں چاہا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا (حالانکہ اسے یہ معلوم ہے کہ کون زندہ بچا ہے) کون باقی رہ گیا ہے؟ تو ملک الموت کہے گا بس آپ باقی رہ گئے جن کو کبھی موت نہیں، اور آپ کا عرش اُٹھانے والے فرشتے باقی رہ گئے، اور جبرئیل اور میکائیل باقی رہ گئے اور ایک میں ہوں، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا جبرئیل میکائیل بھی مرجائیں، عرش بولے گا اے آقا جبرئیل ومیکائیل مرجائیں گے؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائیگا تم خاموش رہو، میں نے طے کر دیا ہے میرے عرش کے نیچے جو بھی ہیں وہ سب مریں گے پھر جبرئیل ومیکائیل بھی مرجائیں گے۔ اس کے بعد ملک الموت پھر اللہ کے پاس آئے گا اور کہے گا اے آقا جبرئیل ومیکائیل بھی مرگئے اب صرف میں اور آپ کا عرش اٹھانے والے رہ گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرمائیگا میرا عرش اٹھانے والے بھی مرجائیں، وہ بھی مرجائینگے، اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ عرش کو حکم دے گا، وہ اسرافیل سے صور لے لیگا، اس کے بعد پھر ملک الموت اللہ تعالیٰ کے پاس آئیگا اور کہے گا

آقا آپ کا عرش تھامنے والے بھی مر گئے۔ اللہ تعالیٰ پوچھے گا (حالانکہ اسے معلوم ہے کہ کون بچا) کون بچا؟ ملک الموت کہے گا آقا اب صرف آپ رہ گئے جن کو کبھی موت نہیں اور میں بچا ہوں، اللہ تعالیٰ فرمائیگا تم بھی میری مخلوق میں سے ایک مخلوق ہو، تم کو جس کام کے لئے پیدا کیا تھا تم نے کیا! اب تم بھی مر جاؤ۔ اس کے بعد ملک الموت بھی مر جائیں گے، جب اللہ کے سوا جو اکیلا و غالب، یکتا اور بے مثل ہے جس کے نہ اولاد ہے اور نہ وہ خود کسی سے پیدا ہوا ہے، اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے، وہ جیسے پہلے تھا، ازل سے تھا ویسے ہی اب آخر میں ابد میں رہے گا، اس کے سوا کوئی باقی نہ رہے گا، تو زمین آسمان کتاب کی طرح لپیٹ لئے جائیں گے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو تین مرتبہ پھیلائے گا اور لپیٹے گا اور پھر تین مرتبہ فرمائیگا: میں ہوں زبردست و غالب پھر وہ خود یہ اعلان فرمائیگا

لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ، آج کس کی حکومت ہے؟

اللہ اکبر! کیا منظر ہوگا، اعلان ہوگا کہ کس کی حکومت ہے؟ مگر اس سوال کا جواب دینے والا کوئی نہ ہوگا، ہر طرف سناٹا ہوگا اور خاموشی ہوگی جس انسان کو،

اپنی دولت پر، اپنے کاروبار پر،
اپنی فیکٹری پر، اپنی کار اور کوٹھی پر
اپنی قابلیت اور صلاحیت پر بڑا ناز ہے، بڑا غرور ہے، بڑا فخر ہے، وہ بوسیدہ اور گلی سڑی ہڈیوں کے ایک ڈھانچے کی صورت میں خاک میں پڑا ہوگا اس کی زبان جو ٹر ٹر بولتی رہتی تھی آج جواب دینے کے قابل نہ ہوگی،
وہ انسان جو بہت بڑے بول بولتا تھا،
جو ہر چیز پر اپنا حق جتلاتا تھا،

جو میری میری کہتے نہیں تھکتا تھا ،
جس کا خیال تھا کہ اس کی دولت اور اس کا اقتدار لا فانی ہے ،
قیامت کے دن اُس پر ہیبت اعلان کے جواب میں کچھ نہ کہہ سکے گا ،
فضائے عالم میں بار بار اعلان گونجے گا :
او زمین پر خدا بن کر بیٹھنے والو !
او کمزوروں پر مشق ستم ڈھانے والو !
او فرعون اور نمرود کے نقشِ قدم پر چلنے والو !
او خدا کی زمین کو خدا کے بندوں پر تنگ کرنے والو !
او رب السمٰوٰت والارض سے بغاوت کرنے والو !
آج بولتے کیوں نہیں ہو ، خاموش کیوں ہو ، جواب کیوں نہیں دیتے
لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ آج کس کی حکومت ہے ؟
تمہاری یا ہماری ؟
بندوں کی یا رب کی ؟
مخلوق کی یا خالق کی ؟
یہ اعلان تین مرتبہ ہوگا
آسمان و زمین اس اعلان سے تھرّا رہے ہوں گے ،
مگر کوئی اس اعلان کا جواب نہ دے گا ،
پھر اللہ تعالیٰ خود ہی فرمائے گا :
لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ط
اُس اکیلے اللہ کی حکومت ہے جو غالب ہے ،
حقیقی حکومت اور ملکیت اُسی کی ہے ،

باقی سب حکومتیں اور ملکیتیں عارضی اور فانی ہیں

حقیقی بادشاہ ہے تو وہی ،

حقیقی مالک ہے تو وہی ،

حقیقی خالق ہے تو وہی ،

حقیقی رازق ہے تو وہی ،

موت کا اعلان غرض یہ کہ موت تو ہر کسی کو آئے گی مگر ہم دنیا کی ملمع سازیوں سے فریب کھا کر موت کو بھول چکے ہیں، لیکن یاد رکھو موت ہم کو نہیں بھولی ہے، موت تو ہر وقت اعلان کرتی ہے، مجھے بھول جانے والو! :

انا الموت الذی اُفَرِّق بَیْنَ البنَاتِ والاُمّھَات

میں موت ہوں اور وہ موت ہوں جو ماؤں اور بیٹیوں میں جدائی ڈال دیتی ہے،

انا الموت الذی اُفرّقُ بَین الاَخِ وَالاخَوات

میں وہ موت ہوں جو بھائی اور بہنوں میں جدائی ڈال دیتی ہے،

اَنَا المَوتُ الّذِی اُفَرِّق بین کُلِّ حَبِیْبٍ

میں وہ موت ہوں جو دوستوں اور محبتوں میں جدائی ڈال دیتی ہے،

اَنَا المَوت الّذِی اُفَرِّقُ بینَ الزَّوجِ وَالزَّوجَۃِ

میں وہ موت ہوں جو خاوند اور بیوی میں جدائی پیدا کرتی ہے،

اَنَا المَوتُ الّذِی اُخَرِّبُ الدِّیَار وَالقُصُور

میں وہ موت ہوں جو گھروں اور محلوں کو برباد کرتی ہے،

اَنَا المَوتُ الذی اُعَمِّرُ القُبُوْر

میں وہ موت ہوں جو قبروں کو آباد کرتی ہے،

اَنَا المَوتُ الذی اَطْلُبُکُمْ وَاُدرِکُکُمْ فی بُرُوجٍ مُشَیَّدَۃٍ

میں وہ موت ہوں جو تم کو ڈھونڈتی ہوں اور پالیتی ہوں خواہ تم مضبوط

قلعوں میں ہو

ولا یبقی مخلوق الاّ یذوقنی

اور مخلوق میں ایسا کوئی نہ رہے گا جو میرا ذائقہ نہ چکھے

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ایک جنازہ کے ساتھ چلے قبرستان میں پہنچ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر کے پاس تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ قبر پر کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جس میں وہ نہایت فصیح اور صاف آواز کے ساتھ یہ اعلان نہیں کرتی کہ اے آدم کے بیٹے! تو مجھے بھول گیا، میں تنہائی کا گھر ہوں، اجنبیت کا گھر ہوں، میں وحشت کا گھر ہوں، کیڑوں کا گھر ہوں، میں نہایت تنگی کا گھر ہوں، مگر اس شخص کے لئے جس پر اللہ تعالیٰ شانہٗ مجھے وسیع بنادے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قبر جنّت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

قبر کو بھولنے والو! ہم سب کو ایک روز قبرستان ہی میں جانا ہے

پہنچا قبرستان میں اک بادشاہ ۔ دیکھا اک درویش اس جا بیٹھا تھا

پوچھا آبادی میں کیوں آتے نہیں ۔ بولا سب آبادی آتی ہے یہاں

مردے زیادہ حیف ہے ہم پر کہ شب و روز جنازے اُٹھتے دیکھتے ہیں مگر ہمیں اپنی موت یاد نہیں آتی۔ کیا تم نے کبھی سوچا کہ جو کل تھے آج نہیں ہیں جو آج ہیں کل نہیں رہیں گے، کسی بھی گھرانے، کسی بھی خاندان سے پوچھ لو اُن کے مرنے والے زیادہ ہوں گے اور زندہ کم ہوں گے

کہتے ہیں کہ ایک بیوہ عورت کا اکلوتا بیٹا مر گیا، لیکن فرطِ محبت سے وہ بیچاری ماںتا کی ماری اس کو زندہ خیال کر کے اس کے علاج کی کوشش میں

در بدر ماری پھرتی تھی ہر چند حکما، اس کو سمجھاتے کہ تمہارا لڑکا مر چکا ہے، لیکن جوشِ محبت میں اندھی ہونے کے باعث اس کو یقین نہیں آتا تھا۔ آخر کار لوگ اس کو مہاتما بدھ کے پاس لے گئے کہ شاید وہ اپنے تدبّر و دانائی سے اس عورت کو سمجھا سکیں۔ مہاتما بدھ نے اس سے کہا کہ فی الحقیقت تمہارا لڑکا مر گیا ہے لیکن میں اس کو زندہ ضرور کر سکتا ہوں بشرطیکہ تو مجھے ایسے گھر سے پانی کا ایک کٹورا لا کر دے جس گھر میں کبھی کوئی آدمی مرا نہ ہو تاکہ میں اس پانی پر تیرے بیٹے کو زندہ کرنے کا منتر پھونکوں، اس عورت نے پانی حاصل کرنے کے لئے تمام شہر چھان مارا لیکن کوئی گھر ایسا نہ ملا جس میں کوئی نہ مَرا ہو بلکہ بہت سے گھروں سے تو یہ جواب ملا کہ مرے زیادہ ہیں اور زندہ کم ہیں۔ آخر کار لاچار اور مایوس ہو کر وہ مہاتما بدھ کے پاس واپس آئی اور اپنی اس کوشش میں ناکام رہنے کا ماجرا بیان کیا، مہاتما نے اس سے کہا کہ جب تمام شہر میں تجھے ایک گھر بھی ایسا نہیں ملا کہ جس میں کوئی مرا نہ ہو تو تُو اپنے مرے ہوئے لڑکے کے زندہ ہونے کی کیا امید کر سکتی ہو۔ اس بات سے اس عورت کو صبر اور اپنے لڑکے کے مرجانے کا یقین آگیا اور اس کی تجہیز و تکفین پر رضامند ہو گئی۔

نہ رنجِ رفتگاں کر رفتہ رفتہ ‏ ‏ ‏ ‏ پہنچ جائے گا تو بھی کارواں تک

مسافر خانہ دنیا تو حقیقت میں مسافر خانہ ہے، کوئی آرہا ہے کوئی جا رہا ہے۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کن فی الدنیا کانّک غریبٌ اَو عابرُ سبیلٍ[1] دنیا میں ایسے ہو جیسے کوئی اجنبی یا راہ چلتا مسافر۔ لیکن انسان کے طور طریقوں سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ یہاں ہمیشہ رہنے کے لئے آیا ہے۔

شاہ بلخ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ تختِ شاہی پر بیٹھے ہیں اور

---

[1] بخاری

دربار رنگا ہوا ہے، اچانک ایک اجنبی آدمی دربار میں داخل ہوکر چاروں طرف دیکھ رہا ہے، جب اس سے پوچھا گیا کہ تو کیا دیکھ رہا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ مجھے یہ سرائے پسند نہیں آتی۔ اس کی یہ بات سُن کر شاہِ بلخ نے کہا یہ سرائے نہیں بلکہ یہ تو میرا محل ہے، اُس اجنبی نے کہا آپ سے پہلے اس محل میں کون تھا؟ شاہ بلخ نے کہا میرا باپ، اس سے پہلے کون تھا؟ کہا میرا دادا، اس سے پہلے کون تھا؟ کہا میرے دادا کا باپ، پھر اجنبی نے کہا اسی لئے تو میں اس کو سرائے کہتا ہوں کہ اس میں کوئی بھی مستقل نہیں رہا ہے، جو بھی آیا چند روز گذار کر اس سرائے کو خالی کر گیا۔ ایک دن تو بھی اس مسافر خانہ سے رخصت ہو جائے گا۔

مختصر قیام دنیا میں انسان کا قیام مختصر وقت کے لئے ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب مسلمانوں کے گھر میں بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں تکبیر پڑھی جاتی ہے چونکہ اذان اور تکبیر جماعت سے پہلے ہوتی ہے اور تکبیر اور جماعت کے درمیان بہت مختصر سا وقفہ ہوتا ہے۔ اس لئے بچے کے کان میں اذان اور تکبیر پڑھ کر اسے یہ بتا دیا جاتا ہے کہ تیرا دنیا میں قیام بہت مختصر وقت کے لئے ہے، تیری اذان بھی ہو چکی اور تکبیر بھی پڑھی جا چکی، اور اب جماعت ہونے والی ہے اس کی تیاری کرلے۔ یہی وجہ ہے کہ جب میت پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے تو اس وقت اذان اور تکبیر نہیں پڑھی جاتی اس لئے کہ وہ تو پہلے ہی پڑھی جا چکی ہے۔

چار قسم کے لوگ علماء نے لکھا ہے کہ موت کے بارہ میں آدمی چار طریقے کے ہوتے ہیں، ایک تو وہ لوگ ہیں جو دنیا میں منہمک ہیں جن کو موت کا ذکر بھی اس وجہ سے اچھا نہیں لگتا کہ اس سے دنیا کی لذتیں چھوٹ جائیں گی، ایسا

شخص موت کو کبھی یاد نہیں کرتا اور اگر کبھی یاد کرتا بھی ہے تو برائی کے ساتھ اس لئے کہ دنیا کے چھوٹنے کا اس کو قلق اور افسوس ہوتا ہے، دوسرا وہ شخص ہے جو اللہ کی طرف رجوع کرنے والا تو ہے مگر ابتدائی حالت میں ہے، موت کے ذکر سے اس کو اللہ تعالیٰ کا خوف بھی ہوتا ہے اور اُس سے توبہ میں پختگی بھی ہوتی ہے یہ شخص بھی موت سے ڈرتا ہے مگر نہ اس وجہ سے کہ دنیا چھوٹ جائے گی بلکہ اس وجہ سے کہ اس کی توبہ تام نہیں ہے یہ بھی ابھی مرنا نہیں چاہتا تاکہ اپنے حال کی اصلاح کرلے اور اس کی فکر میں لگا ہوا ہے۔ تو یہ شخص موت کے ناپسند کرنے میں معذور ہے۔ اور یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں داخل نہ ہوگا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالےٰ کے ملنے کو ناپسند کرتا ہے، اللہ تعالےٰ شانہٗ بھی اُس کے ملنے کو ناپسند فرماتے ہیں، اس لئے کہ یہ شخص حقیقت میں حق تعالیٰ شانہ کی ملاقات سے کراہت نہیں کرتا بلکہ اپنی تقصیر اور کوتاہی سے ڈرتا ہے۔ اس کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو محبوب کی ملاقات کے لئے اس سے پہلے کچھ تیاری کرنا چاہتا ہو، تاکہ محبوب کا دل خوش ہو۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ یہ شخص اس کی تیاری میں ہر وقت مشغول رہتا ہو، اس کے سوا کوئی دوسرا مشغلہ اس کو نہ ہو، اور اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر یہ بھی پہلے ہی جیسا ہے، یہ بھی دنیا میں منہمک ہے۔

تیسرا وہ شخص ہے جو عارف ہے، اُس کی توبہ کامل ہے، یہ لوگ موت کو محبوب رکھتے ہیں، اس کی تمنائیں کرتے ہیں اس لئے کہ عاشق کے لئے محبوب کی ملاقات سے زیادہ بہتر وقت کونسا ہوگا، موت کا وقت ملاقات کا وقت ہے، عاشق کو وصل کے وعدہ کا وقت ہر وقت خود ہی یاد رہا کرتا ہے وہ کسی وقت بھی اس کو نہیں بھولتا، یہی لوگ ہیں جن کو موت کے جلدی آنے

کی تمنائیں رہتی ہیں وہ اسی قلق میں رہتے ہیں کہ موت آہی نہیں چکتی کہ اس معاصی کے گھر سے جلد خلاصی ہو۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہؓ کے انتقال کا وقت جب قریب ہوا تو فرمانے لگے محبوب (موت) احتیاج کے وقت آیا جو نادم ہو وہ کامیاب نہیں ہوتا۔ یا اللہ! تجھے معلوم ہے کہ ہمیشہ مجھے فقر غنا سے زیادہ محبوب رہا اور بیماری صحت سے زیادہ پسندیدہ رہی، اور موت زندگی سے زیادہ مرغوب رہی، مجھے جلدی موت عطا کر دے کہ تجھ سے ملوں۔

چوتھی قسم جو سب سے اونچا درجہ ہے، ان لوگوں کا ہے جو حق تعالیٰ شانہٗ کی رضا کے مقابلہ میں کچھ تمنا نہیں رکھتے، وہ اپنی خواہش سے اپنے لئے نہ موت کو پسند کرتے ہیں نہ زندگی کو، یہ عشق کی انتہا میں رضا اور تسلیم کے درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں۔

موت کی حکمتیں یوں تو موت ایک حادثۂ فاجعہ ہے، ایک المناک سانحہ ہے لیکن چونکہ حکیم کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا اس لئے ربّ الحکمۃ کا یہ عمل بھی حکمت سے خالی نہیں، اس میں بھی بے شمار حکمتیں ہیں اگرچہ انسانی سوچ اس کو فراق اور جدائی کے ایک غمناک واقعے سے زیادہ نہیں سمجھتی۔

جزا و سزا موت میں ایک حکمت تو یہ ہے کہ یہ اُس دوسری دنیا تک پہنچنے کا ذریعہ ہے جہاں جزا و سزا کامل ہوگا۔ دنیا میں بہت سارے چور ڈاکو ظالم اور قاتل ایسے ہیں، جن کو اُن کے جرم کی سزا نہیں ملتی اور کتنے ہی عابد و زاہد اور نیک لوگ ایسے ہیں کہ ان کی نیکیوں کا بدلہ اُن کو نہیں ملتا بلکہ بعض اوقات ان کی زندگی کرب والم میں گزرتی ہے۔ اگر موت نہ ہوتی تو گنہگاروں کو اُن کے گناہوں کی سزا نہ ملتی اور نیکوکاروں کو اُن کے حسن عمل

کا صلہ بھی نہ ملتا۔ یوں گناہ سے ڈرنا اور نیکی کرنا مشکل ہو جاتا۔

زمین کی آباد کاری موت زمین کی آباد کاری کا ذریعہ بھی ہے۔ اگر موت نہ ہوتی تو زمین پر آباد کاری ممکن نہ ہوتی۔ کیونکہ جب پیدائش اور افزائشِ نسل کا سلسلہ تو جاری رہتا مگر انتقال اور ارتحال کا سلسلہ نہ ہوتا تو انسانوں کا زمین میں سمانا مشکل ہو جاتا۔

حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی ساری اولاد کو ملائکہ علیہم السلام کے سامنے پیش کیا، اربوں، کھربوں انسان جو قیامت تک آنے والے ہیں، ملائکہ نے انہیں دیکھ کر عرض کیا یا اللہ یہ زمین میں سمائیں گے کیسے؟ یہ تو تین ارب ہو جائیں گے، تو اسی وقت کہیں گے کہ نسل بندی کراو، فیملی پلاننگ کرو، ایک طوفان برپا ہے۔ اگر وہ پچاس ارب ہو جائیں تو زمین کا کیا حشر ہوگا؟۔ تو ملائکہ کو یہ خلجان گزرا کہ یہ زمین میں کیسے سمائیں گے؟

حق تعالیٰ نے کہا کہ موت مسلّط کر دوں گا، آئیں گے بھی، زمین خالی ہوتی رہے گی، اگلے آتے رہیں گے، پچھلے جاتے رہیں گے۔ تو میں نے موت کا سلسلہ قائم کیا تاکہ جانے والے جائیں، اور آنے والے خالی جگہ آکر بستے جائیں،

اس پر ملائکہ نے عرض کیا جب موت مسلّط ہوگی تو ہر وقت موت کی فکر لاحق ہوگی، ان کی زندگی تلخ ہو جائے گی، نظامِ دنیا کیسے چلے گا؟ ہر وقت موت کی فکر میں غرق رہیں گے۔ فرمایا حق تعالیٰ نے کہ امیدیں مسلّط کر دوں گا،

بہترین تحفہ اور اگر دنیوی لحاظ سے دیکھا جائے تو بھی موت ایک عجیب نعمت ہے۔ حدیث میں فرمایا گیا کہ الموتُ تحفۃ المؤمن (موت سب سے بڑا تحفہ ہے مؤمن کے لیے) اس سے بڑھ کر اللہ کی طرف سے کوئی نعمت نہیں دی گئی، اور کیوں

ہے وہ تحفہ؟ اس کی وجہ بھی حدیث میں ہے الموت جسرٌ یصل الحبیب الی الحبیب (موت ایک پل ہے جس سے گزر کر آدمی اپنے حبیب سے جا ملتا ہے) تو محبوب حقیقی سے مل جانا یہ کوئی گھبرانے کی چیز ہے؟ کوئی مصیبت ہے؟ یہ تو عین خوشی کی چیز ہوئی۔ بندہ اپنے خدا سے جا ملے۔ تو جس طرح کسی بندے کی پیدائش پر خوشیاں مناتے ہیں، میں کہتا ہوں موت بھی خوشی کی چیز ہے (اس پر بھی خوشیاں منانے کا اہتمام کرے) مگر لوگ تو یہ کہیں گے کہ یہ تو بالکل الٹی بات ہے، عقل کے بالکل خلاف۔ لوگ رونے لگتے ہیں خوشی کیسے منائیں گے؟۔

میں کہتا ہوں وہ رنج موت پر نہیں وہ فراق پر رنج ہوتا ہے، موت کی خوشی ہوتی ہے کہ بندہ اپنے خدا سے جا ملا، اسی لئے کہا کرتے ہیں کہ کسی کی اگر اچھی موت ہو کہ خدا ایسی موت تو سب کو نصیب کرے، اگر موت خوشی کی چیز نہ ہوتی تو کیوں کہتے لوگ؟

معلوم ہوا موت گھبرانے کی چیز نہیں، جو روتے ہیں، وہ موت پر نہیں روتے، جدائی پر روتے ہیں کہ ایک نعمت ہم سے چھن گئی، ایک چیز ہمارے ہاتھ سے نکل گئی۔ تو صدمہ فراق پر ہے موت پر نہیں۔ موت خوشی کی چیز ہے، اس لئے کہ یہ مصیبت تو نہیں ہے کہ بندہ اپنے اللہ سے جا ملے۔ یہ تو عین خوشی کی چیز ہے کہ بندہ محبوب حقیقی تک پہنچ گیا

صلاحیتوں کا ظاہر ہونا موت اس لحاظ سے بھی ایک بڑی نعمت ہے کہ اس کی وجہ سے چھوٹوں کی صلاحیتیں اور کمالات ظاہر ہوتے ہیں، کیونکہ اگر قیامت تک سارے بڑے بیٹھے رہا کرتے تو چھوٹوں کے جوہر کھلنے کی کوئی صورت نہ ہوتی، چھوٹوں کا نہ علم سامنے آتا نہ کمال، بس بڑوں

کا کمال سامنے رہتا، سب اسی میں لگے رہتے ۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک دنیا میں تشریف رکھتے تو صحابہ کے جوہر نہیں کھل سکتے تھے ، وہ ہر وقت اطاعت اور اطاعت گزاری میں رہتے مستقل ہو کر آگے آکر اپنی طبیعت اور قلب کے جوہر نہ دکھلاتے، نہ صدیق اکبرؓ کے جوہر کھلتے، نہ فاروق اعظمؓ کے جوہر کھلتے ۔ یہ جبھی ہوا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور یہ قائم مقام بنے، قائم مقامی کا کام انجام دیا، اس میں تمام جوہر کھلے ۔ تو میں کہتا ہوں کہ اس لحاظ سے بھی موت نعمت ہے کہ چھوٹوں کے جوہر کھلنے کا ذریعہ ہے ۔

نئی نسل کی تعلیم و تربیت موت نہ ہوتی تو نئی نسل کے دین سمجھنے میں دشواری پیش آتی، کیونکہ ہر زمانے کی نفسیات الگ الگ ہوتی ہیں ۔ ہر سو برس بعد نفسیات بدل جاتی ہیں، اسی واسطے حدیث میں وعدہ کیا گیا "ان اللہ یبعث لھٰذہ الامۃ علی راس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا" ہر قرن پر مجدد کا وعدہ کیا گیا ہے کہ جاہلانہ طریق پر جو لوگ تاویلیں کر کے دین میں خلط پیدا کر دیں گے اللہ سو برس کے بعد پھر مجدد پیدا کر دیں گے ۔ وہ دودھ کا دودھ، پانی کا پانی کر دے گا، پھر دین کو نکھار دے گا، اس لئے کہ سو برس میں ایک نسل ختم ہو کر دوسری نسل کا آغاز ہو جاتا ہے اور ہر آئندہ آنے والی نسل کے نظریات الگ ہوتے ہیں، افکار الگ ہوتے ہیں، نفسیات الگ ہوتی ہیں اس لئے ضرورت پڑتی ہے کہ اس دور کے اہل علم اپنی نفسیات میں ان کو دین سمجھانے والے ہوں، پرانے لوگ اگر ہوتے تو اپنی نفسیات میں سمجھاتے تو وہ لوگ دین کو نہ سمجھتے ، اس لئے اللہ نے موت کو رکھا تاکہ نئے لوگ جب آئیں تو نئے مجدد بھی پیدا ہوں ، اسے زمانے کی اصطلاح میں ، اسی زبان میں ،

اسی ڈھنگ میں دین کو پیش کریں اور سمجھائیں۔ تو موت اس لحاظ سے بھی بڑی نعمت ثابت ہوتی ہے کہ وہ ذریعہ ہے تربیت اور اصلاح کے تفنن اور تعدد کا، تاکہ مختلف الوان سے تربیت خداوندی میں داخل ہوں۔

موت کی تمنّا نہ کی جائے باوجود اس کے کہ موت میں متعدد حکمتیں ہیں لیکن پھر بھی موت کی تمنّا کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لا یتمنّی احد کم الموت اِمّا محسنًا فلعلّہ ان یزداد خیرًا و اما مسیئًا فلعلّہ ان یستعتب (رواہ البخاری)	تم میں سے کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے اس لئے کہ اگر وہ نیکوکار ہے تو ممکن ہے کہ اس کے اعمالِ صالحہ میں زیادتی ہوجائے اور اگر بدکار ہے تو ممکن ہے وہ آئندہ خود کو خوش کر سکے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے (یعنی دل سے) اور نہ (زبان سے) موت کی دعا کرے، اس لئے کہ جب انسان مرتا ہے تو اس کی امیدیں ختم ہوجاتی ہیں اور مومن کی عمر میں اضافہ خیر ہی کا باعث ہوتا ہے۔

یہاں یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ بعض اہل اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ موت کی تمنّا رکھتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ حقیقت میں موت کی تمنّا نہیں کرتے تھے بلکہ محبوبِ حقیقی کی ملاقات کا انتظار کرتے تھے اور یہ بات ممنوع نہیں ہے بلکہ اس بات کو مؤمن کی نشانی بتایا گیا ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا جو شخص خدا سے ملاقات کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ملنے کو پسند فرماتا ہے اور جو کوئی خدا سے ملاقات میں کراہت محسوس کرتا ہے اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر بھی اس کے ساتھ ملاقات کو ناپسند فرماتا ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے یا حضور کی کسی اور بیوی نے (یہ سنکر) عرض کیا (یا رسول اللہ) ہم موت کو بُرا سمجھتے ہیں، آپؐ نے فرمایا یہ بات نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ مؤمن کو جب موت آتی ہے تو اس کو خوشخبری دیجاتی ہے کہ خدا اس سے راضی ہے اور اس کو اچھا سمجھتا ہے، پس اس وقت اس کے خیال میں اللہ کی رضامندی اور خدا کی نظر میں اس کی عظمت سے بہتر کوئی چیز نہیں ہوتی اور پھر یہ ہوتا ہے کہ بندۂ مومن خدا سے ملاقات کے لئے بے چین ہوجاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملاقات کو عزیز سمجھتا ہے اور کافر بندہ کے پاس جس وقت موت کا فرشتہ آتا ہے تو اس کو عذابِ الٰہی اور سزا سے ڈراتا ہے پس اس کے خیال میں اُس وقت موت سے بُری چیز کوئی نہیں ہوتی، وہ خدا تعالیٰ سے ملاقات کو بُرا سمجھتا ہے اور خدا اس سے ملاقات کو بُرا خیال کرتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مصائب و آلام سے تنگ آکر موت کی تمنّا اور دعا کرنے سے منع کیا گیا ہے لیکن لقائے باری تعالیٰ کی آرزو اور انتظار کرنے سے منع نہیں کیا گیا۔ جیسا کہ اس حدیث میں بتایا گیا ہے

عن انس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لایتمنیّن أحدکم الموت من ضرّ أصابہ فان کان لابدّ قائلا فلیقل اللّٰھمّ احینی ماکانت الحیوۃ خیرًا لی	حضرت انسؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی شخص کو کوئی تکلیف پہنچے تو وہ مرنے کی آرزو نہ کرے اور اگر اس قسم کی تمنّا ضروری ہو تو یہ کہے اللّٰھمّ احینی ماکانت الحیوۃ خیرًا لی (یعنی اے اللہ! زندہ رکھ مجھ کو اس وقت

وتوفنی اذا کانت الوفاۃ خیرا لی (متفق علیہ) تک جب تک زندگی میرے لئے بہتر ہو اور موت دے مجھ کو اس وقت جب میرے لئے مرنا بہتر ہو۔

خودکشی موت تو بہرحال ہر شخص کو آئے گی لیکن اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا اور خودکشی کرنا سخت ترین جرم ہے جس پر سخت وعید حدیث میں آئی ہے۔ خودکشی کرنے والا حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی کا اظہار کرتا ہے حالانکہ مسلمان کبھی بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتا، خدا کی رحمت سے مایوس ہونا کافر کا شیوہ ہے، مسلمان کا مزاج نہیں۔

خودکشی کرنے والے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے اپنی جان کو ہلاک کیا، قیامت میں اس کو یہی عذاب دیا جائے گا کہ جس طرح اپنی جان کو ہلاک کیا اسی طرح دوزخ میں اپنی جان کو ہلاک کرتا رہے گا، جس نے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرادیا وہ پہاڑ سے گرایا جاتا رہے گا اور جس نے زہر پیا وہ زہر پلایا جاتا رہے گا اور جس نے اپنے آپ کو چھری سے قتل کیا وہ چھری سے ذبح ہوتا رہے گا۔

حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ ایک زخمی آدمی نے اپنے گلے میں تیر بھونک کر خودکشی کرلی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھنے سے انکار کردیا۔

حضرت سہل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مسلمان مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کفار سے جہاد کر رہا تھا آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا ہماری جماعت میں یہ جہنمی ہے لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کلام پر تعجب ہوا کہ ایک مسلمان جو جہاد میں شریک ہے جہنمی کیسے ہوگا۔ چنانچہ ایک شخص نہایت خاموشی کے ساتھ اس کی نگرانی کرنے

لگا، یہاں تک کہ وہ شخص زخموں سے چور ہو کر زمین پر گر پڑا اور زخموں کی تکلیف نہ برداشت کرتے ہوئے اپنی تلوار سے خود ہی اپنی گردن کاٹ ڈالی تو وہ جو نگرانی کر رہا تھا بھاگا ہوا سرکارؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا واقعہ بیان کیا، سرکار نے ارشاد فرمایا "آدمی پوری عمر اچھے کام کرتا ہے لیکن آخر وقت میں اس سے ایسا فعل ہو جاتا ہے (جو جہنم میں جانے کا سبب بن جاتا ہے)

اعتزاز اور سزا | بہرحال مصائب سے گھبرا کر موت کی تمنا کرنا یا خود اپنی موت کا سامان کرنا تو جائز نہیں ہے لیکن اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے موت کو یاد رکھنا اعتزاز کا سبب ہے اور موت کو بھول جانا قابلِ سزا جرم ہے۔

لفافؒ فرماتے ہیں جو شخص موت کو بہت یاد رکھے گا وہ تین چیزوں سے معزز کیا جائے گا۔ ایک یہ کہ اسے توبہ میں جلدی کرنے کی توفیق نصیب ہوگی دوسرے یہ کہ اس کے دل میں قناعت پیدا کر دی جائے گی۔ تیسرے یہ کہ اُسے عبادت میں مزا آئیگا۔ اور جو شخص موت کو بھلا رکھے گا اس کو تین طریقوں سے سزا دی جائے گی اول یہ کہ وہ توبہ کو ٹالتا رہے گا، دوم یہ کہ دنیا کا لالچ اُس کے دل میں بہت ہوگا۔ سوم یہ کہ وہ عبادت میں سستی کرے گا۔

اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کوئی شہدا کیساتھ بھی اُٹھے گا، آپؐ نے فرمایا ہاں۔ جو ہر روز رات دن میں بیس دفعہ موت کو یاد کرے۔

اصلاحِ نفس کے چار طریقے | بلکہ علماء نے اصلاحِ نفس کے جو طریقے بیان کئے ہیں ان میں موت کو بھی شمار کیا ہے۔

علماء کہتے ہیں کہ جب دل سخت ہو جائے اور دلوں پہ زنگ چڑھ جائیں تو چار چیزوں کو لازم کرنے سے زنگ اُتر جاتا ہے اور قساوت کے بجائے

دلوں میں رقت اور لطافت پیدا ہو جاتی ہے۔

اول : ایسی مجلسوں میں حاضر ہونا جن میں مخلوق کی دنیا سے آخرت کی طرف اور گناہ سے طاعت کی طرف رہنمائی ہوتی ہو کیونکہ ایسی مجلسوں میں شرکت دلوں کو نرم کرتی ہے اور ان میں درد پیدا کرتی ہے

اور دوسرے : موت کو یاد رکھنا جو کہ لذّتوں کو توڑنے والی اور جماعتوں کو پراگندہ کرنے والی ہے اور بیٹے بیٹیوں کو چھڑانے والی ہے۔

اور تیسرے : ان لوگوں کو دیکھنا جن کا دم ٹوٹ رہا ہے کیونکہ دم ٹوٹتے ہوئے کو دیکھنا اور اس کی سکرات اور نزع کا دیکھنا اور مرنے کے بعد اس کی حالت پر غور کرنا طبیعتوں کو لذّتوں سے اور دلوں کو خوشیوں سے الگ کر دیتا ہے اور پلکوں کو نیند اور بدنوں کو آرام سے باز رکھتا ہے اور طاعت پر اُبھارتا ہے

پس یہ تین طریقے ہیں۔ جو شخص سخت دل نفس کا قیدی اور گناہوں پہ اڑا ہوا ہو اس کو چاہیے کہ ان چیزوں سے اپنے دل کے علاج میں مدد دے۔ پس اگر نفع ہو گیا تو خیر، اور اگر دل کے عیب جم گئے اور گناہوں کے اسباب مضبوط ہو گئے ہیں تو پھر اس میں قبروں کی زیارت اس قدر اثر کرتی ہے جتنا اول اور ثانی طریقہ بھی اثر نہیں کرتا۔ اور اسی لئے نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ موت اور آخرت کو یاد دلاتی ہے اور دنیا سے بے رغبت کرتی ہے۔ کیونکہ اول طریقہ کانوں سے سننے کا ہے اور دوسرا طریقہ دل سے اس انجام کی خبر دینے کا ہے جس کی طرف جانا ہے اور دم ٹوٹتے ہوئے شخص کو دیکھنا اور دفن کئے ہوئے کی زیارت میں انجام کار کا معائنہ ہے اور اسی لئے یہ دونوں اول اور ثانی سے بہت نافع ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، سُنا ہوا دیکھنے کے برابر نہیں ہوتا۔

موت سے غفلت کا بڑا سبب | موت تو بہرحال آئے گی لیکن جس چیز نے مسلمان کو موت سے غافل بنا رکھا ہے وہ ہے دنیا کی اندھا دھند محبت اور لمبی لمبی آرزوئیں۔

دنیا کا کمانا یا مالدار ہونا کوئی بری بات نہیں بلکہ کسبِ حلال پر تو بڑی بشارتیں سنائی گئی ہیں اور میں اپنے حقیر سے مطالعہ کی بنیاد پر عرض کرتا ہوں کہ دنیا کے کسی دوسرے آسمانی مذہب نے ترکِ دنیا اور رہبانیت کی اتنی مخالفت نہیں کی جتنی مخالفت اسلام نے کی ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ دوسرے مذاہب میں دنیا کی ذمہ داریوں سے منہ موڑ کر غاروں اور جنگلوں میں جا بیٹھنا اور رہبانیت اختیار کرنا فضیلت کی بات اور کمال کی علامت ہے لیکن اسلام میں یہ قابلِ مذمت اور قبیح عمل ہے، مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ انسان دنیا کمانے میں اتنا مست ہو کہ اسے یہ بھی یاد نہ رہے کہ :

میں مسلمان ہوں مجھ پر کچھ دینی ذمّہ داریاں بھی ہیں ،
میرا ایک خالق و رازق بھی ہے جو میرے ہر ہر عمل کو دیکھ رہا ہے ،
میری موت کا اک دن معیّن ہے جس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی ،
مجھے قبر میں بھی جانا ہے جو وحشت اور تنہائی کا گھر ہے ،
وہاں منکر نکیر کے سوالوں کا بھی سامنا کرنا ہوگا ،
پھر حشر نشر کے کٹھن مرحلے سے بھی گزرنا ہوگا ،
مجھ سے زندگی کے ایک ایک لمحے کے بارے میں سوال ہوگا ، کہاں اور کیسے گزارا ،
وہاں نہ حسب نسب کام آئے گا ، نہ عہدہ اور سفارش ،
مال و دولت نہیں رہ جائے گا صرف اعمال ساتھ جائیں گے ،
اعمالِ بد زیادہ ہوئے تو ٹھکانہ جہنم ہوگا ،

جہنم کے عذاب بہت سخت ہیں اور میں ایک ضعیف انسان ہوں،
جس شخص کو یہ سب باتیں یاد ہوں اور اُن کے وقوع پر اسے یقین بھی ہو،
ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ صرف دنیا کمانے میں مست رہے اور آخرت کے لئے
کچھ بھی نہ کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ فانی دنیا کی محبت اور شیرینی نے لالچی انسان
کو اپنی رنگینیوں میں ایسا مست کر رکھا ہے کہ یہ قبر کو اور حشر و نشر کو اور یوم
حساب کو بھول گیا ہے۔ اس کی مثال تو کسی نے یوں لکھی ہے کہ ایک شخص جنگل میں
چلا جاتا تھا، اس نے دیکھا کہ میرے پیچھے ایک شیر آرہا ہے، یہ بھاگا جب تھک گیا
تو دیکھا کہ آگے ایک گڑھا ہے، چاہا کہ گڑھے میں گر کر جان بچائے لیکن اس میں اژدہا
نظر آیا۔ اب آگے اژدھے کا خوف اور پیچھے شیر کا خوف کہ ایک درخت کی ٹہنی پر
نظر پڑی اور اس کو ہاتھ ڈال دیا، مگر ہاتھ ڈالنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس درخت
کی جڑ کو دو سیاہ و سفید چوہے کاٹ رہے ہیں۔ بہت خائف ہوا کہ اب
تھوڑی دیر میں درخت کی جڑ کٹ جائے گی تو میں گر جاؤں گا اور شیر و اژدہا کا
شکار بن جاؤں گا، اتفاقاً اس کو اوپر کی طرف ایک چھتا شہد کا نظر پڑ گیا، یہ
اس شہدِ شیریں کے حاصل کرنے اور پینے میں مصروف ہو گیا کہ نہ خوفِ شیر رہا نہ اندیشہٗ
اژدہا اور نہ فکرِ موت تھا کہ دفعتہً جڑ کٹ گئی اور یہ گر پڑا، شیر نے پھاڑ کر گڑھے
میں گرا دیا اور اژدھے کے منہ میں جا پھنسا۔

اے عزیزِ من! جنگل سے مراد دنیا ہے اور شیر موت ہے کہ پیچھے لگی ہوئی
ہے اور گڑھا قبر ہے جو اس کے آگے ہے اور اژدہا اعمالِ بد ہیں کہ قبر میں ڈسینگے
اور دو چوہے سیاہ و سفید دن اور رات ہیں اور درخت گویا عمر ہے اور
شہد کا چھتا دنیائے فانی کی غافل کر دینے والی لذّات و خواہشات
ہیں کہ انسان دنیا کی فکر میں موت، قبر، اعمالِ بد اور جواب دہی وغیرہ سب کو

بھول جاتا ہے اور پھر اچانک موت آجانے پر بجز حسرت وندامت کچھ ساتھ نہیں لے جاتا ہے۔

یقین کی کمزوری | تو یونہی انسان دنیا کی لذتوں اور عارضی منفعتوں اور کامیابیوں میں مستغرق ہے اور اس کے استغراق کو دیکھ کر یوں معلوم ہوتا ہے نہ اسے موت کے آنے کا یقین ہے، نہ قبر میں نکیرین کے سوالوں کا، نہ حشر نشر کا، نہ پُلصراط، نہ حساب کتاب کا، نہ جنت دوزخ کا۔ وگرنہ جس کو یقین ہو کہ،

موت اچانک آجائے گی ایک پل کی مہلت بھی نہیں ملے گی

قبر بدکاروں اور باغیوں کے لئے اتنی تنگ ہو جائے گی کہ پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جائیں گی۔

بے نمازوں کی قبر جہنم کا دہکتا ہوا ایک ٹکڑا ہو گی

زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کا مال اژدھے کی شکل میں اُن کے گلے میں ڈالدیا جائے گا،

یتیموں کا مال کھانے والوں کے منہ میں آگ کے پتھر ٹھونسے جائیں گے۔

کسی کی زمین دبانے والوں کے گلے میں زمین کا طوق بنا دیا جائے گا

شرابیوں کی شکلیں مسخ کر دی جائیں گی،

راشیوں کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا،

زانیوں پر سانپ اور بچھو مسلط کر دیئے جائیں گے،

وہاں نافرمانوں کے چہرے سیاہ اور فرمانبرداروں کے چہرے روشن اور سفید ہوں گے،

جہنمیوں کی زبانیں پیاس کی شدّت سے باہر نکل پڑیں گی،

وہ العطش العطش کی صدائیں بلند کریں گے

جہنمیوں کے لئے غسلین کے سوا کوئی دوسرا مشروب نہ ہوگا ،
حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں کہ غسلین وہ پیپ ہے جو زخموں سے نکلتی ہے ،
اس موقع پر آپ تھوڑی دیر کے لئے غور فرمائیں کہ جس انسان کو ان سب باتوں کا یقین ہو وہ کیا اللہ اور اُس کے رسولؐ کا باغی ہو سکتا ہے ؟
کیا وہ نماز سے غافل ہو سکتا ہے ؟
کیا وہ غریبوں اور یتیموں کا حق مار سکتا ہے ؟
کیا وہ دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ ڈال سکتا ہے ؟
کیا وہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے پہلو تہی کر سکتا ہے ؟
کیا وہ شرابی اور زانی ہو سکتا ہے ؟
کیا وہ رشوت کا لین دین کر سکتا ہے ؟
اصل بات یہ ہے کہ موت، قبر، جزا و سزا، قیامت اور جنت، دوزخ کے بارے میں ہمارا یقین کمزور ہو چکا ہے ۔
اللہ کے بندو سوچ لو پھر سوچ لو تمہارا دنیا میں آنا کوئی انوکھی بات نہیں تمہارے جیسے بے شمار لوگ اس دنیا میں آئے ،
جو اکڑ اکڑ کر چلتے تھے آج اندھیری کوٹھڑی میں پڑے زندگی کا حساب دے رہے ہیں ،
ان کے سر کبھی نیچے نہیں ہوتے تھے ، آج ان کی کھوپڑیاں پاؤں کی ٹھوکر بنی ہوئی ہیں ،
وہ جدھر سے گذرتے تھے فضا معطر ہو جاتی تھی آج ان کی لاشوں سے سڑاندا اٹھ رہی ہے ۔

ان کے جسم پر حریر و کمخواب کا لباس ہوتا تھا آج بوسیدہ چیتھڑوں میں پڑے ہیں۔ انہیں اپنے سیم و زر، بیوی بچوں اور دوستوں پر بڑا ناز تھا لیکن قبر میں ان میں سے کوئی بھی کام نہ آیا۔

اللہ کے بندے سوچ لے،

ہوسکتا ہے کہ اس سال یا اس مہینے یا اس ہفتے مرنے والوں میں تیرا نام بھی ہو،

ہوسکتا ہے تیری زندگی کے دن پورے ہوچکے ہوں،

اللہ کے بندے اُس وقت سے پہلے ہوشیار ہوجا، جب لوگوں میں یہ شور ہوجائے کہ فلاں شخص بیمار ہوگیا ہے، مایوسی کی حالت ہے کوئی اچھا حکیم بتاؤ، کسی اچھے ڈاکٹر کو لاؤ، پھر تمہارے لئے حکیم اور ڈاکٹر بار بار بُلائے جائیں، اور زندگی کی کوئی امید نہ دلائے، پھر یہ آواز آنے لگے کہ اس نے وصیتیں شروع کردیں، اے لو اُس کی تو زبان بھی بھاری ہوگئی، اب لو آواز بھی اچھی طرح نہیں نکلتی، اب تو وہ کسی کو پہچانتا بھی نہیں، لمبے لمبے سانس بھی آنے لگے، کراہ بڑھ گئی، پلکیں بھی جھپکنے لگیں۔ اس وقت تجھے آخرت کے احوال محسوس ہونے لگیں گے لیکن زبان تُتلا گئی۔ اب کچھ کہہ بھی نہیں سکتا، بھائی بند رشتہ دار کھڑے رو رہے ہیں، کہیں بیٹا سامنے آتا ہے، بیوی سامنے آتی ہے مگر زبان کچھ نہیں بولتی۔ اتنے میں بدن کے اجزاء سے روح نکلنا شروع ہوجاتا ہے اور آخر وہ تو نکل کر آسمان پر چلی جاتی ہے، عزیز و اقارب جلدی جلدی دفنانے کی تیاری شروع کردیتے ہیں، عیادت کرنے والے رو دھو کر چُپ ہو جاتے ہیں دشمن خوشیاں مناتے ہیں، عزیز، رشتہ دار مال بانٹنے میں لگ جاتے ہیں اور مرنے والا اپنے اعمال میں پھنس جاتا ہے۔

۲۴ گھنٹے میں پندرہ لاکھ ماہرینِ اعداد وشمار نے بہت پہلے یہ اعلان کیا تھا کہ ہر ایک منٹ میں ساری دنیا کے اندر ایک سو انسان مرجاتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک رات اور دن میں تقریباً پندرہ لاکھ انسان ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں، .... ۲۴ گھنٹے میں پندرہ لاکھ! ظاہر ہے کہ اب ان اعداد وشمار میں مزید اضافہ ہوچکا ہوگا، کیونکہ دن بدن شرحِ اموات میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ ریلوں، بسوں، کاروں، بحری اور فضائی جہازوں کے حادثات میں روزانہ بے شمار آدمی مر رہے ہیں۔ خانہ جنگیوں اور بڑی طاقتوں کی آویزشوں میں لاتعداد انسان لقمۂ اجل بن رہے ہیں

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان پندرہ لاکھ انسانوں کا انتخاب تابکار عناصر کے برقی ذرّات کی طرح بالکل نامعلوم طور پر ہوتا ہے۔ کوئی بھی شخص یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ اگلے چوبیس گھنٹے کے لئے جن پندرہ لاکھ انسانوں کی موت کی فہرست تیار ہورہی ہے اس میں اس کا نام شامل ہے یا نہیں۔ گویا ہر شخص ہر آن اس خطرے میں مبتلا ہے کہ قضاء وقدر کا فیصلہ اس کے حق میں موت کا فرشتہ بن کر پہنچے۔

دنیا پر فریفتہ ہوجانے والے اندھے انسان! سوچ ممکن ہے کہ تیرے سینہ میں اترنے والی گولی بازار میں آچکی ہو۔

کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ جس گاڑی میں تیری موت آنی ہے اس کا ایکسیڈنٹ عنقریب ہوجائے

کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ تیرے کفن کا کپڑا بزاز کی دکان پر آچکا ہو،

کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ موت دھیرے دھیرے چلتی ہوئی تیری دہلیز تک آپہنچی ہو اور تیری مستی اور غفلت پر قہقہے لگا رہی ہو۔

یہ سب کچھ ہو سکتا ہے مگر لمبی لمبی امیدوں، پروگراموں، منصوبوں اور پلانوں نے تجھے موت سے غافل کر رکھا ہے۔ تھوڑی سی زندگی مانگ کر لایا ہے مگر پلان اتنے بڑے بڑے بنا رہا ہے کہ عمرِ نوح بھی مل جائے تو پورے نہ ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کی لمبی لمبی آرزوؤں کو ایک مثال دیکر سمجھایا ہے۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چار خط کھینچ کر ایک مربع بنایا اور ایک خط مربع کے درمیان کھینچا جو مربع سے باہر نکلا ہوا تھا اور پھر چھوٹے چھوٹے خط درمیان کے خط میں اس کے دونوں جانب کھینچے اور پھر فرمایا یہ درمیانی خط انسان ہے اور یہ مربع اس کی موت ہے جو چاروں طرف سے اس کو گھیرے ہوئے ہے اور یہ درمیانی خط کا حصہ جو مربع سے باہر ہے وہ اس کی آرزو ہے اور درمیانی خط میں دونوں طرف جو چھوٹے چھوٹے خط ہیں وہ عوارض ہیں (یعنی آفات و بلیّات و امراض وغیرہ جو ہر جانب سے آدمی پر متوجہ ہیں کہ اس کو پیش آویں اور ہلاک کریں) پس اگر ایک عارضہ اور حادثہ سے انسان بچ گیا تو پھر دوسرا ہے اور دوسرے سے بچ گیا تو تیسرا ہے۔ (اسی طرح متعدد عوارض و حوادث تاک میں لگے رہتے ہیں یہاں تک کہ موت آجاتی ہے)

حاصل یہ کہ آدمی امیدیں دراز رکھتا ہے، اور ایک آرزو پوری ہوجاتی ہے تو دوسری آرزو کو پوری کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے اور انہیں امیدوں میں پھنس کر آخرت کی تیاری سے غافل رہتا ہے کہ اچانک اسے موت پکڑ لیتی ہے اور بہت سی تمناؤں کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

پس عقلمند وہ ہے جو آخرت کے کاموں میں غفلت نہ کرے ۔ اور اپنے اعمال کو درست رکھے ۔

حیرت یہ ہے کہ بعض لوگ بوڑھے بھی ہوجاتے ہیں پھر بھی ان کو موت یاد نہیں آتی، سر اور داڑھی کے سیاہ بال سفید ہوجاتے ہیں مگر ان کے سیاہ دل سفید نہیں ہوتے ۔ ایسے ہی بوڑھوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان بوڑھا ہوجاتا ہے اور دو چیزیں اس میں جوان ہوتی ہیں مال اور عمر کی زیادتی کی حرص

حالانکہ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ اب سوائے عبادت اور فکرِ آخرت کے کوئی دوسرا کام نہ ہوتا ۔

ایک نیک بادشاہ نے ایک ملازم کو مقرر کیا ہوا تھا کہ مجھے روزانہ موت یاد کرایا کرو ایک دن بادشاہ آئینہ دیکھ رہا تھا کہ اسے اپنی داڑھی میں سفید بال نظر آ گیا اُس نے اُسی دن سے ملازم کو منع کر دیا کہ اب مجھے موت یاد کرانے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی کسی واعظ کی حاجت ہے اس لئے کہ اب تو میرے چہرے پر واعظ موجود ہے جو ہر آن مجھے یاد دلا رہا ہے کہ ایک لمبا سفر سامنے ہے اس کی تیاری کرنی ہے اور وقت بہت مختصر سا رہ گیا ہے

یہ تو اس خدا ترس بادشاہ کی بات ہے ورنہ ہمارے ہاں تو حال یہ ہے کہ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہوتے ہیں ،

بال سفید ہوجاتے ہیں ،

کمر جھک جاتی ہے ،

بینائی اور شنوائی میں فرق آجاتا ہے ،

حواس تعطل کا شکار ہوجاتے ہیں ،

چال میں لڑکھڑاہٹ پیدا ہو جاتی ہے،
بتیسی گر پڑتی ہے،
مگر بڑے میاں پھر بھی یوں کہتے پھرتے ہیں کہ ابھی میں نے دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے۔ ابھی تو دو چار فیکٹریاں اور لگانی ہیں۔

سوءِ خاتمہ اور پھر یہ ہوتا ہے کہ بڑے میاں کا انتقال اس حالت میں ہوتا ہے کہ دماغ میں لمبی لمبی سوچیں ہوتی ہیں اور زبان پر بے وفا دولت کا تذکرہ ہوتا ہے اور مال مال کی دھائی دیتے ہوئے وہ دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ مرتے وقت انسان کی زبان پر اسی چیز کا تذکرہ ہوتا ہے جس سے وہ زندگی بھر محبت رکھتا ہے اور جس کا تذکرہ شب و روز اس کی زبان پر رہتا ہے۔ اگر ساری زندگی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کرتا رہا ہو تو مرتے وقت بھی اللہ اور رسول کا نام وردِ زباں رہتا ہے۔ علماءِ حق اور بزرگانِ دین کے واقعات شاہد ہیں کہ دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے ان کی زبان پر دین کا ورد تھا یا قرآن کی آیات تھیں یا کلمۂ شہادت تھا لیکن دنیا پرست مسلمانوں کے بے شمار واقعات ایسے ہیں کہ جب وہ مرنے لگے تو ان کی زبان پر شاہد و شراب کا تذکرہ تھا یا گانے کے بول ان کے زبان پر تھے یا کفریہ کلمات وہ بک رہے تھے یا اپنی کمائی ہوئی دنیائے دوں کا غم انھیں لیے جا رہا تھا۔ ایک شخص کا انتقال اس حالت میں ہوا کہ وہ کہہ رہا تھا، شراب لا، خود بھی پی مجھے بھی پلا۔

یہاں کسی گاؤں میں ایک بڑھیا رہتی تھی جس نے گائے پال رکھی تھی اُسے گائے سے بہت محبت تھی جب مرنے لگی تو اس کی زبان پر تھا "ہائے میری گائے، ہائے میری گائے"۔

آخری بات اللہ کے بندو! بُرے خاتمہ سے ڈرو کیونکہ ہمارے دین میں

خاتمے کا اعتبار ہوتا ہے، اگر خاتمہ اچھا ہو گیا تو آخرت بھی اچھی ہو گی اور اگر خاتمہ برا ہوا تو آخرت کی زندگی بھی تباہ ہو جائے گی۔

دنیا سے جانے والوں سے عبرت حاصل کرو وہ اپنے اپنے کارنامے لیکر اپنے سچے مالک کے سامنے جارہے ہیں تمہیں بھی ایک دن جانا ہے اور یکہ و تنہا جانا ہے،

نہ مال کام آئے گا، نہ فیکٹریاں اور کارخانے،
نہ دوست کام آئیں گے نہ اولاد اور رشتہ دار،
نہ ذکاوت و ذہانت اور چالاکی کام آئے گی نہ عہدہ و منصب،
نہ وہاں رشوت چلے گی نہ زور اور سفارش،
وہاں تو صرف عمل کا کھرا سکہ کام آئے گا

جب سیدہ فاطمہؓ کا انتقال ہوا تو کہا جاتا ہے کہ ابوذر غفاریؓ نے قبر سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا

یا قبر اتدری من التی جئنا بھا الیک، ھذہ فاطمۃ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم وھذہ زوجۃ علی المرتضیٰؓ، ھذہ ام الحسن والحسین رضی اللہ عنہم	اے قبر جانتی ہو کہ ہم کس ہستی کو تیرے پاس لے کر آئے ہیں، یہ فاطمہ ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ہے علی مرتضیٰ کی زوجہ ہے اور حسنین کی والدہ محترمہ ہے۔

قبر نے زبانِ حال سے جواب دیا:

ما انا موضع حسب ولا نسب	میں حسب نسب بیان کرنے کی جگہ نہیں ہوں
بل انا موضع عمل صالح	میں تو عملِ صالح کے بارے میں پوچھے جانے کی جگہ ہوں۔

اللہ کے بندے! آج سن لے کیونکہ اُس دن تو سُنے گا تو سہی لیکن تیرا سننا

فضول ہوگا،

آج سوچ لے، اُس دن تیرا سوچنا بیکار ہوگا،

آج توبہ اور اظہارِ ندامت کرلے، کیونکہ اُس دن کا پچھتاوا کسی کام نہیں آئے گا،

آج اللہ کی گرفت سے ڈر کر گناہ چھوڑ دے اُس دن کا ڈرنا ضائع جائے گا،

آج اطاعت کرلے اُس دن کی اطاعت کسی شمار میں نہیں ہوگی،

آج مان جا، اُس دن ماننا بھی تو کیا حاصل ہوگا،

پھر کہتا ہوں مان جا۔

وما علینا الا البلاغ

آخر میں عبرت و نصیحت کے لئے حضرت خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ کا "مراقبۂ موت" تحریر کیا جاتا ہے

مراقبۂ موت

تو برائے بندگی ہے یاد رکھ — بہرِ سر افگندگی ہے یاد رکھ

ورنہ پھر شرمندگی ہے یاد رکھ — چند روزہ زندگی ہے یاد رکھ

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

تو نے منصب بھی کوئی پایا تو کیا — گنج سیم و زر بھی ہاتھ آیا تو کیا

قصرِ عالی شان بھی بنوایا تو کیا — دبدبہ بھی اپنا دکھلایا تو کیا

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے

کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

قیصر اور اسکندر و جم چل بسے — زال اور سہراب و رستم چل بسے
کیسے کیسے شیر و ضیغم چل بسے — سب دکھا کر اپنا دم خم چل بسے

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

کیسے کیسے گھر اُجاڑے موت نے — سرو قد قبروں میں گاڑے موت نے
کھیل کتنوں نے بگاڑے موت نے — پہلوان کیا کیا پچھاڑے موت نے

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

کوچ ہائے بے خبر ہونے کو ہے — ہائے یہ غفلت، سحر ہونے کو ہے
باندھ لے توشہ، سفر ہونے کو ہے — ختم بس اب ہر بشر ہونے کو ہے

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

نفس اور شیطان ہیں خنجر در بغل — وار ہونے کو ہے اے غافل سنبھل
آنہ جائے دین و ایمان میں خلل — باز آ تو باز آ اے بد عمل

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

یک لخت آ پہنچے جو سر پر اجل — پھر کہاں تو اور کہاں دار العمل
جائے گا یہ بہا موقع — پھر نہ ہاتھ آئے گی عمرِ بے بدل

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

تجھ کو غافل! فکرِ عقبیٰ کچھ نہیں　　کھا نہ دھوکہ، عیشِ دنیا کچھ نہیں
زندگی ہے چند روزہ، کچھ نہیں　　کچھ نہیں، اس کا بھروسہ کچھ نہیں

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

ہے یہاں سے تجھ کو جانا ایک دن　　قبر میں ہوگا ٹھکانا ایک دن
منہ خدا کو ہے دکھانا ایک دن　　اب نہ غفلت میں گنوانا ایک دن

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

چند روزہ ہے یہ دنیا کی بہار　　دل لگا اس سے نہ غافل، خبردار
عمر اپنی یوں نہ غفلت میں گذار　　ہوشیار اے غفلت بھرے ہوشیار

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

ہے یہ لطف و عیشِ دنیا چند روز　　ہے یہ دورِ جام و مینا چند روز
دارِ فانی میں ہے رہنا چند روز　　اب تو کرلے کارِ عقبیٰ چند روز

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم　　چپکے چپکے، رفتہ رفتہ، دم بدم
سانس ہے اک رہروِ ملکِ عدم　　دفعتاً اک روز وہ جائے گا تھم

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

آخرت کی فکر کرنی ہے ضرور جیسی کرنی ویسی بھرنی ہے ضرور
زندگی اک دن گذرنی ہے ضرور قبر میں میّت اترنی ہے ضرور

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

آنے والی کس سے ٹالی جائے گی جاں ٹھہری جانے والی جائے گی
روح رگ رگ سے نکالی جائے گی تجھ پہ اک دن خاک ڈالی جائے گی

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

بزمِ عالم میں فنا کا دَور ہے جائے عبرت ہے مقامِ غور ہے
تو ہے غافل یہ تیرا کیا طور ہے بس کوئی دن زندگانی اور ہے

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

سرکشی زیرِ فلک زیبا نہیں دیکھ ! جانا ہے تجھے زیرِ زمین
جبکہ مرنا ہے تجھے حق الیقین چھوڑ کر فکر این و آن کر فکرِ دین

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

ایسی غفلت یہ تیری ہستی نہیں دیکھ جنّت اس قدر سستی نہیں
رہ گذر دنیا ہے، یہ بستی نہیں جائے عیش و عشرت و مستی نہیں

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

عیش کر غافل نہ تو آرام کر ، مال حاصل کر، نہ پیدا نام کر
یادِ حق دنیا میں صبح و شام کر جس لئے آیا ہے تو وہ کام کر

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

مال و دنیا کا بڑھانا ہے عَبَث زائد از حاجت کمانا ہے عَبَث
دل کا دنیا سے لگانا ہے عَبَث رہ گذر کو گھر بنانا ہے عَبَث

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

عیش و عشرت کے لئے انساں نہیں یاد رکھ تو بندہ ہے مہمان نہیں
غفلت و سستی تجھے شایاں نہیں بندگی کر تو اگر نادان نہیں

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

یہ حسینوں کی چٹک اور یہ مٹک دیکھ کر ہرگز نہ رستے سے بھٹک
ساتھ ان کا چھوڑ، ہاتھ اپنا جھٹک بھول کر بھی پاس ان کے نہ پھٹک

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

حُسنِ ظاہر پہ اگر تو جائے گا عالمِ فانی سے دھوکا کھائے گا
یہ زہریلا سانپ ہے ڈس جائیگا رہ نہ غافل یاد رکھ پچھتائے گا

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

دارِ فانی کی سجاوٹ پہ نہ جا — نیکیوں سے اپنا اصلی گھر بنا
پھر وہاں بس چین کی بنسی بجا — اِنَّہٗ قَد فَازَ فَوزًا مَن نَجَا

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

تو ہے اس عبرت کدہ میں بھی مگن — گو ہے یہ دار المحن بیت الحزن
عقل سے خارج ہے یہ تیرا چلن — چھوڑ غفلت، عاقبت اندیش بن

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

یہ تیری غفلت ہے بے عقلی بڑی — مسکراتی ہے قضا سر پر کھڑی
موت کو پیشِ نظر رکھ ہر گھڑی — پیش آنے کو ہے یہ منزل کڑی

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

گرتا ہے دنیا پہ تو پروانہ وار — گو تجھے جینا پڑے انجامِ کار
پھر یہ دعویٰ ہے کہ ہم ہیں ہوشیار — کیا یہی ہے ہوشیاروں کا شعار

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

حیف، دنیا کا ہوا پروانہ تُو — اور کرے عقبیٰ کی کچھ پروا نہ تُو
کس قدر ہے عقل سے بیگانہ تُو — اس پہ بنتا ہے بڑا فرزانہ تُو

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

دفن خود لاکھوں کئے زیرِ زمین　　پھر بھی مرنے کا نہیں حق الیقین
تجھ سے بڑھ کر بھی کوئی غافل نہیں　　کچھ تو عبرت پکڑ اے نفسِ لعین

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

یوں نہ اپنے آپ کو بیکار رکھ　　آخرت کے واسطے تیار رکھ
غیرِ حق سے قلب کو بیزار رکھ　　موت کا ہر وقت انتظار رکھ

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

تو سمجھ ہرگز نہ قاتل موت کو　　زندگی کا جان حاصل موت کو
رکھتے ہیں محبوب عاقل موت کو　　یاد رکھ! ہر وقت غافل موت کو

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

ترک اب ساری فضولیات کر　　یوں نہ ضائع اپنی تو اوقات کر
رہ نہ غافل، یادِ حق دن رات کر　　ذکر و فکرِ موت تو دن رات کر

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

کر نہ پیری میں تو غفلت اختیار　　زندگی کا اب نہیں کچھ اعتبار
حلق پر ہے موت کے خنجر کی دھار　　کر بس اب اپنے کو مُردوں میں شمار

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کرلے جو کرنا ہے آخر موت ہے

اور تری مجذوب حالت اور یہ سن ہوش میں آ اب نہیں غفلت کے دن
اب تو بس مرنے کے دن ہر وقت گِن کس کمر درویش ہے منزل کٹھن

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے آخر موت ہے

قواعد الفقه
تأليف
المفتي السيد محمد عميم الإحسان المجددي البركتي
الصدف پبلشرز

اصول فقہ
الصدف پبلشرز
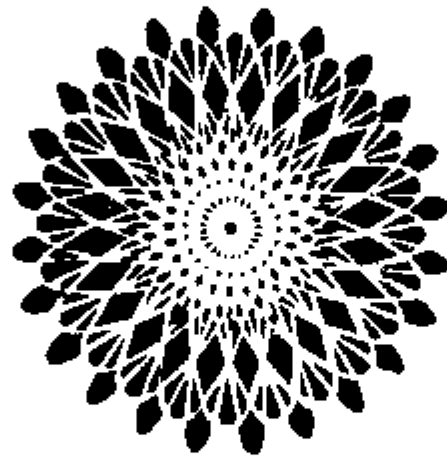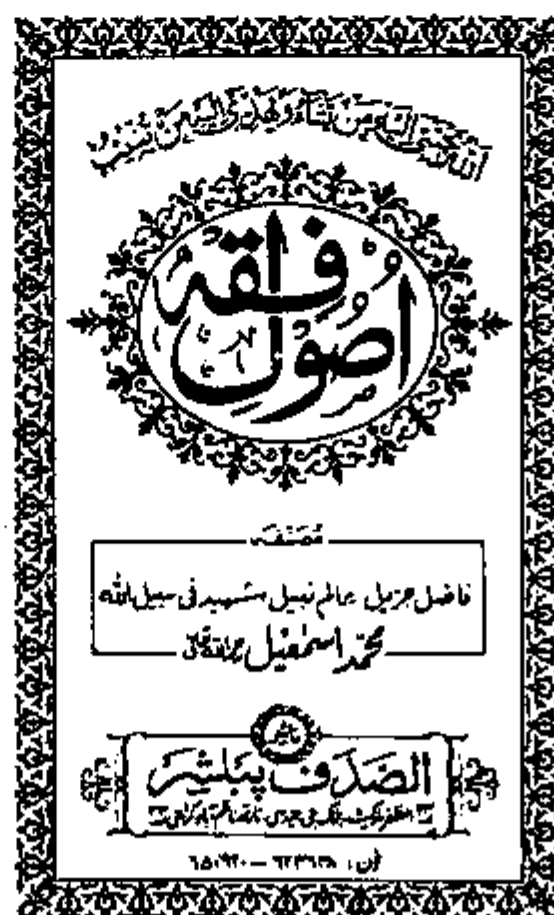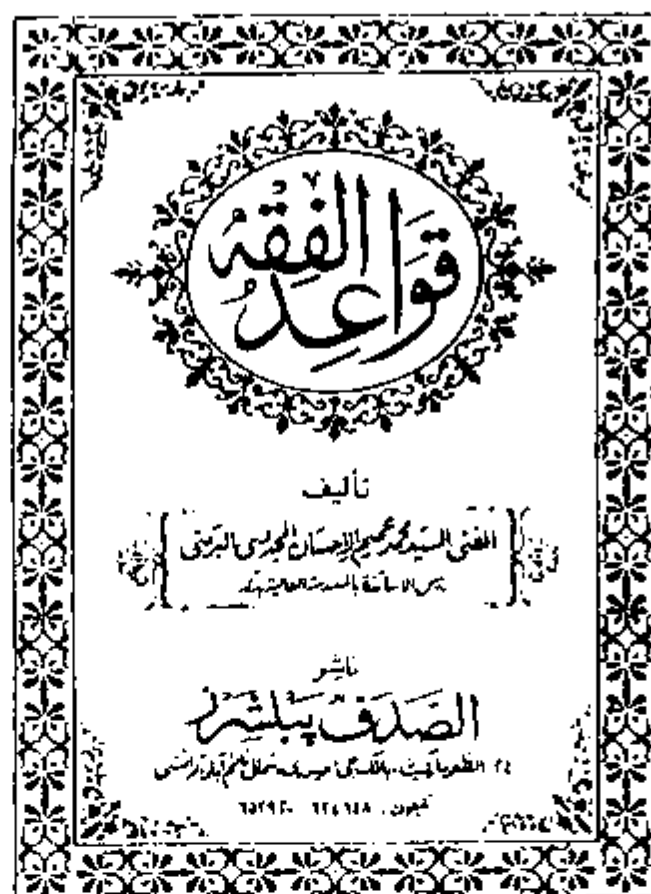
ندائے منبر و محراب

(جلد ثانی)

زیر تالیف

مؤلف

مولانا محمد اسلم شیخوپوری

انشاء اللہ جلد ثانی درج ذیل موضوعات پر مشتمل ہوگی

* توحید باری تعالیٰ * عشاقِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ،
* خلافت * پردہ * تربیتِ اولاد * یارِ غار * پسند اپنی اپنی * مسلمان کے حقوق * محرم ، حقائق کے آئینے میں * نقلی ملا جعلی پیر۔

شعبۂ تصنیف و تالیف

جامعۃ بنوریہ

سائٹ کراچی ۱۶

تسہیل الہدایۃ

(زیرِ تالیف)

مؤلف: مولانا محمد اسلم شیخوپوری

☆ — مشہور عالم درسی کتاب ھدایہ کے مشکل ترین ابواب یعنی کتاب البیوع وغیرہ کی کامیاب تسہیل۔

☆ — ہر باب کی ابتداء میں ایک جامع مقدمہ تحریر کیا گیا ہے جس میں متعلقہ باب کے تمام مسائل کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے اور فقہی اصطلاحات کی تشریح کی گئی ہے۔

☆ — مسائل کو فقہ کے قواعد اور ھدایہ کے خاص اصولوں کی روشنی میں حل کیا گیا ہے۔ اور اس کتاب کی یہ خصوصیت مؤلف کی محنت اور عرق ریزی کی واضح دلیل ہے۔

☆ — قدیم مسائل کے ساتھ ساتھ نظائر و امثال کے طور پر جدید مسائل بھی ذکر کیے گئے ہیں تاکہ طلبہ کے لئے جدید مسائل پر احکام اور اصولوں کا انطباق کرنا آسان ہو جائے۔ کتاب کا یہ حصہ ان لوگوں کے اعتراضات کا عملی جواب ہے جو علی الاعلان کہتے ہیں کہ قدیم مسائل اور جدید ضروریات میں کوئی مطابقت نہیں لہٰذا آج کے دور میں چھ سات سو سال پہلے لکھی جانے والی کتابوں کے پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

شعبۂ تصنیف و تالیف

جامعہ بنوریہ کراچی

اکابر کے پاکیزہ واقعات

جلد اوّل

(زیرِ تالیف)

مؤلف: مولانا محمد اسلم شیخوپوری

○ —— ہمارے اکابر کون تھے، کیا تھے —— کیسے تھے، ان کے اخلاق کیسے تھے، ان کا کیرکٹر کیسا تھا، اُن کی راتیں کیسے گزرتی تھیں، ان کے دن کن مشاغل میں بسر ہوتے تھے، ان کا مخالفوں سے سلوک کیسا تھا۔ یہ کتاب ان تمام سوالوں کا عملی جواب ہے۔

○ —— اس کتاب میں مبالغہ نہیں، حاشیہ آرائی نہیں، لفاظی نہیں، صناعی و پُرکاری نہیں، قصیدہ خوانی نہیں بلکہ انتہائی سیدھے سادھے، مگر پُراثر اور پُرکیف انداز میں علماءِ حق کی مقدس حکایات کا تذکرہ ہے

○ —— آج جبکہ خانقاہیں ویراں ہیں، اصلاح وارشاد کی مسندوں پر خزاں کا تسلط ہے۔ اس مایوس کن فضا میں یہ کتاب ایک مصلح اور مرشد کا کام دے گی۔

○ —— یہ کتاب اسلاف کی عظمتِ کردار، حُسنِ عمل، نورِ بصیرت، زُہد و تقویٰ، عبادت و طہارت اور حکمت و سیاست کا حسین گلدستہ ہے۔

○ —— اس کتاب کا ہر ایسے گھر اور ہر ایسے فرد کے پاس ہونا ضروری ہے جو کسی مربی کی تلاش میں ہے، جو اپنے اہلِ خانہ کی اصلاح و تربیت کے بارے میں فکر مند ہے، جو کسی آئیڈیل اور پیکرِ اخلاق و اعمال کی جستجو میں ہے۔

منجانب

شعبۂ تصنیف و تالیف جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی ۱۶

من أهم المطبوعات
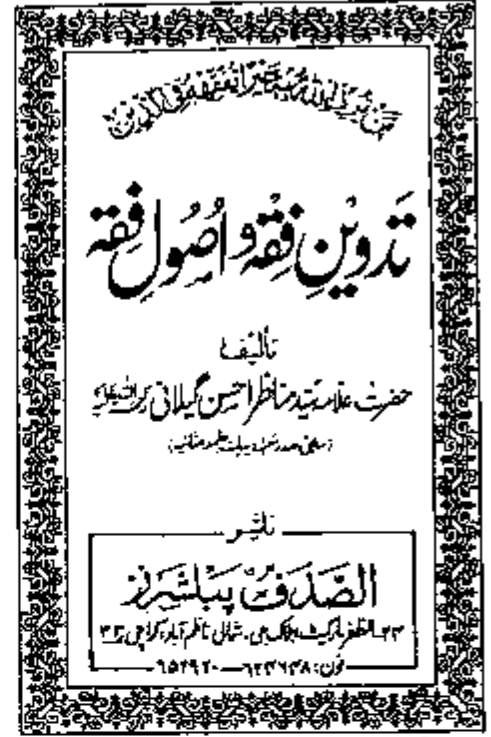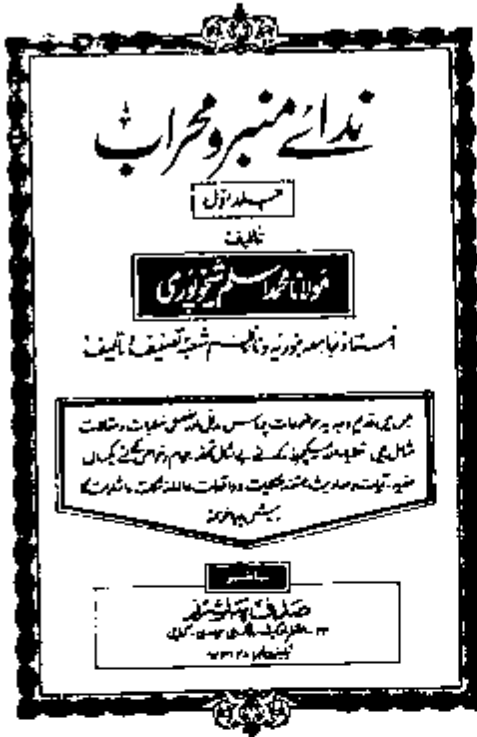
JAMIA - BINURIA

Near Site Police Station
Karachi-16 Ph - 293267 Post Box 10698

اجازت نامہ

"ندائے منبر و محراب" کی پاکستان میں طباعت کی اجازت طے شدہ شرائط کی بنیاد پر الصدف پبلشرز ۲۴ النظیر مارکیٹ بلاک جی شمالی ناظم آباد کراچی ۳۳ (مالک سید محمد حسن طارق صاحب) کو دی جاتی ہے۔ ان کے علاوہ کسی بھی دوسرے پبلشرز کو طباعت کی اجازت نہیں ہے۔

۵ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ